ماہنامہ
چیف ایڈیٹر: محمود شام
انتہاؤں میں رابطہ
116

اطراف

کراچی
مارچ 2024

عورت نمبر 2024

اعترافِ خدمت اعزاز 2024

قیمت: پاکستان میں 400 روپے
بیرون پاکستان۔ 5 ڈالر

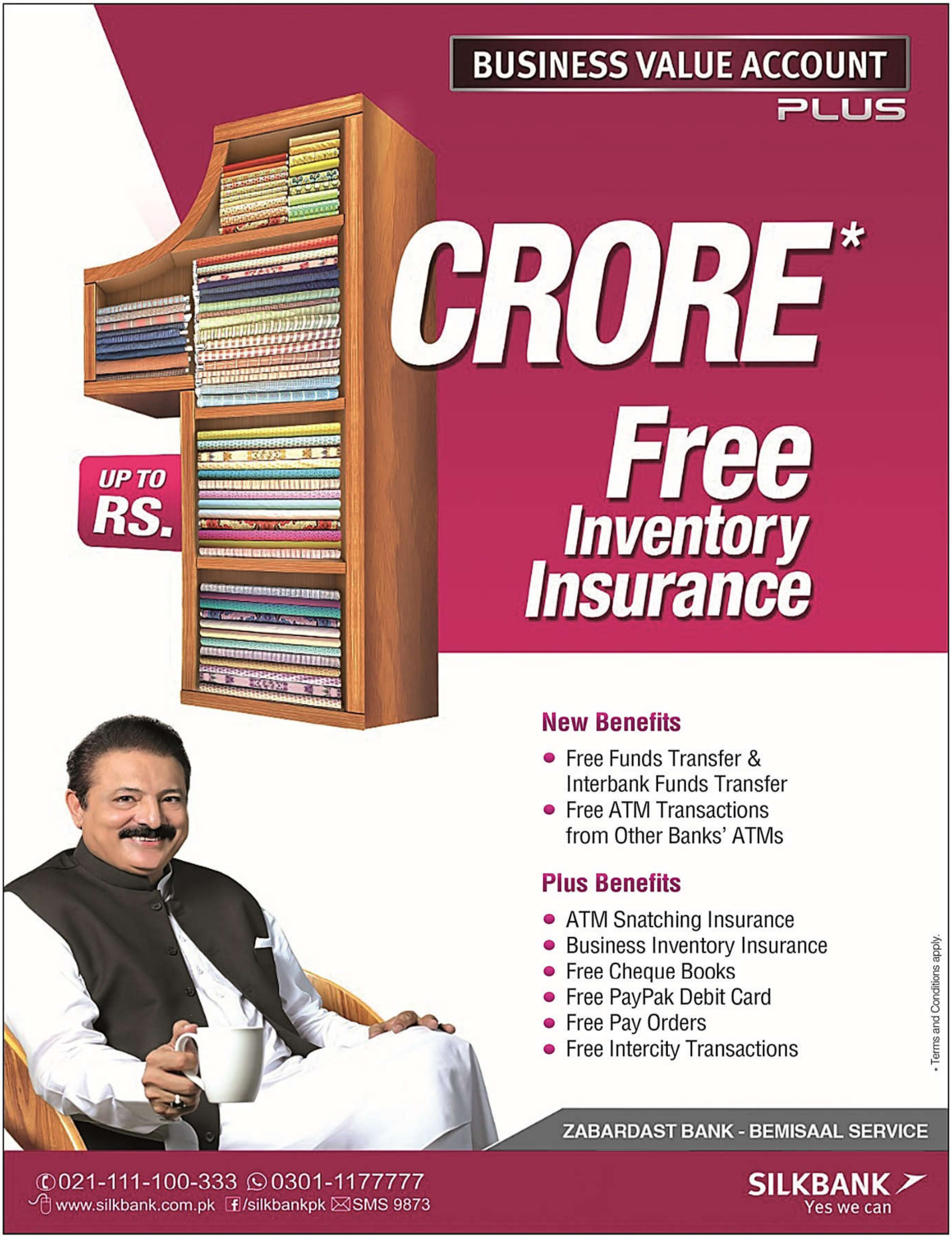
BUSINESS VALUE ACCOUNT
PLUS
UP TO RS.
CRORE*
Free Inventory Insurance
New Benefits
Free Funds Transfer & Interbank Funds Transfer
Free ATM Transactions from Other Banks' ATMs
Plus Benefits
ATM Snatching Insurance
Business Inventory Insurance
Free Cheque Books
Free PayPak Debit Card
Free Pay Orders
Free Intercity Transactions
* Terms and Conditions apply.
ZABARDAST BANK - BEMISAAL SERVICE
021-111-100-333 0301-1177777
www.silkbank.com.pk /silkbankpk SMS 9873
SILKBANK
Yes we can

باقاعدہ تصدیق شدہ اشاعت ABC certified

انتہاؤں میں رابطہ

ماہنامہ

اطراف

کراچی

جلد 11: شمارہ: 03

مارچ 2024

قیمت فی پرچہ: 400 روپے۔ سالانہ: 4000 روپے۔ بیرون ملک۔ 50 ڈالر

چیف ایڈیٹر : محمود شام

mahmoodshaam@gmail.com

ایڈیٹر : خان ظفر افغانی

ریذیڈنٹ ایڈیٹرز: تنویر شہزاد (لاہور)، عبدالغفور چوہدری (کینیڈا)

نگراں شعبۂ اولاد۔تربیت۔تواضع : رخشندہ محمود نمائندہ خصوصی : محمد اجمل (کوئٹہ)

ڈیزائن : محمد شاہد رفیق : عکاسی : شکیل قریشی : مارکیٹنگ: محمد آصف : 0331-0063311

سرکولیشن منیجر: راجہ شاہد : 0300-8210636 , 0332-2561774

ویب سائٹ اہتمام : www.launchpad.pk

پبلک اور میڈیا ریلیشنز : دی پیسج : www.thepassagepr.com

قانونی مشیر : نفیس صدیقی ایڈووکیٹ سپریم کورٹ nafislaw@cyber.net.pk

﴿مارچ خاص﴾ "اعتراف خدمت اعزاز 2024"

پاکستان کی نامور خواتین میں اعزاز کی تقسیم 17-23

صرف جمہوریت نہیں تمدن وتہذیب کو بھی بحال کرنا ہے — اطرافیہ — 05

عمر کا سورج — ☆سعیدہ افضل کی آپ بیتی — 31-32

مشرقی پاکستان بنگلہ دیش کیوں بنا؟ — ☆سید ارتقا احمد زیدی — 59-60

غذائیت میں افادیت — ☆سید ارتقا احمد زیدی — 7

فیض کی صاحبزادی منیزہ ہاشمی سے انٹرویو — ☆علیزے نجف، انڈیا — 34-42

سندھ کی نئی نسل سے تخاطب — ☆ڈاکٹر سید جعفر احمد — 61-63

حیدرآباد۔ نازک کلائیاں اور چوڑیاں — ☆ پروفیسر شاداب احمد صدیقی — 11-16

آزاد کشمیر کی مثالی استاد — ☆جویریہ یاسمین، میرپور آزاد کشمیر — 43-44

خوشبیر سنگھ شاد۔ غزل کی نئی تہذیب — ☆اطراف رپورٹ — 69-71

پاکستانی عورت کی زندگی، ایک جھلک — ☆پروفیسر انور شاہین — 24-25

گجرات کی نامور خواتین — ☆نازیہ آصف، گجرات — 47-49

تذکرہ کتابوں کا — ☆ خان ظفر افغانی — 72-74

قرآن میں خواتین کا ذکر — ☆ڈاکٹر رئیس احمد صمدانی — 27-31

عورت مارچ اور عورت — ☆جہاں آراء — 53-54

نفیس صدیقی سفر آخرت — ☆محمود شام — 72-74

یونیورسٹیاں | تربیت | ٹی وی ڈرامہ | حسن و زیبائش | تیمارداری | یادداشتیں

لائبریریاں | سائنسی ادارے | معیشت | سیاحت | مشترکہ خاندان | بین الاقوامی کتابیں

ایڈیٹر پبلشر: طارق محمود شام۔ پرنٹر : اسلم ذکی عائشہ پرنٹرز۔ مقام اشاعت : اے 262 بلاک 3 گلشن اقبال کراچی۔

خط و کتابت صرف اس پتے پر: اے 262، بلاک 3، گلشن اقبال، کراچی۔ فون: 0300-8210636

ای میل: Mahmoodshaam@gmail.com ویب سائٹ: www.atraafmagazine.com

AVARI TOWERS KARACHI

BEACH LUXURY KARACHI

AVARI LAHORE HOTEL

AVARI XPRESS GULBERG LAHORE

AVARI BOUTIQUE MULTAN

AVARI XPRESS MULTAN

AVARI XPRESS FAISALABAD

AVARI XPRESS ISLAMABAD

AVARI XPRESS GILGIT

Toll Free **0800 AVARI** Central Reservation: **reservations@avari.com** Whatsapp No: **033 222 AVARI**

صرف جمہوریت نہیں تمدن اور تہذیب کو بھی بحال کرنا ہے

وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔

دنیا آگے بڑھ رہی ہے۔مگر ہمارا پیارا پاکستان پیچھے جا رہا ہے۔ بلوچستان میں سردار۔سندھ میں وڈیرے۔ پنجاب میں چوہدری۔جنوبی پنجاب میں تمندار۔خیبر پختونخوا میں خان۔اپنی پرانی صدیاں برقرار رکھنے پر مصر ہیں۔اکیسویں صدی کی تو بات ہی نہ کریں۔ ہمارے ان علاقوں میں تو انیسویں صدی اور بیسویں صدی کی سہولتیں بھی کروڑوں کو میسر نہیں ہیں۔ان سے غلاموں جیسا سلوک ہو رہا ہے۔ وہ اپنے پرکھوں کے قرضے ہی نہیں اتار پاتے۔ان کو سانس لینے کی بھی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ان کی خوشیاں ان کے سکھ سب ان آقاؤں کے مرہون منت ہیں۔انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کے ہوتے ہوئے بھی پاکستانیوں کی اکثریت زرخرید غلاموں کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ جمہوریت کے نام پر قومی سیاسی جماعتیں ان بے رحم سرداروں۔وڈیروں۔چوہدریوں اور خانوں نے ہی اپنی کمپنیوں کے طور پر بنا رکھی ہیں۔ وہاں بھی پارٹیوں کے عہدیدار۔کارکن۔اسمبلیوں کے ارکان ان آقاؤں کے تنخواہ دار ملازموں کی طرح اپنے دن رات گزارتے ہیں۔

مغربی طاقتیں جنہیں استعمار اور سامراج کہنا زیادہ مناسب ہے۔انہوں نے اقوام متحدہ کو اپنا ایک ڈیرہ یا اڈہ بنا رکھا ہے۔اس کے جو ادارے اور تنظیمیں انسانی وسائل کی بہبود۔خواتین کے حقوق۔مرد وزن کی صحت کے لیے کروڑوں کے عطیات قبول کرتے ہیں۔ وہ بھی پاکستان جیسے ملکوں میں اسی طبقاتی تضاد کو برقرار رکھنے میں مدد کرتے ہیں۔ایک فرد ایک ووٹ کا نعرہ ضرور بلند کیا جاتا ہے۔لیکن 17 ویں صدی میں سانس لیتے پاکستانی معاشرے میں ایک فرد کو وہ اہمیت اور وقعت حاصل نہیں ہے۔ جو امریکہ کینیڈا اور یورپی ممالک میں ہے۔ یہاں ہر فرد ایک بندھوا مزدور کی حیثیت رکھتا ہے۔

'اطراف' کی اپنے پہلے شُمارے سے یہ ترجیح رہی ہے کہ ہر پاکستانی کو زندگی میں وہی آسانیاں میسر ہوں۔ جو ترقی یافتہ ممالک کے ہر شہری کو حاصل ہیں۔سردار۔وڈیرے۔چوہدری۔تمندار۔خان سب مل کر بیدار ہوتی قوم کو جمہوریت اور آمریت کی خوش نما اور اصطلاحوں میں الجھائے رکھتے ہیں۔اکیسویں صدی میں انسانیت کی معراج یہ ہے کہ ہر انسان کو زندگی زیادہ سے زیادہ آسانیوں اور عزت کے ساتھ گزارنے کا موقع ملے۔ میرٹ کو بالادستی ہو۔ ہر پیدا ہونے والے بچے کو تحفظ۔وقعت اور احترام میسر ہو۔ریاست اسے اپنا اثاثہ سمجھے۔اس کے دست و بازو اس کے وجود۔اس کی ذہانت سے معاشرے کو انسان نواز بنائے۔طبقاتی اونچ نیچ ختم کرے۔سب انسان برابر ہیں۔اللہ تعالیٰ کا بھی یہی فرمان ہے۔ہمارے رسول اکرم پیغمبر آخرالزماںؐ نے بھی اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں یہی کہا کہ سب برابر ہیں کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ہے۔ ہمارے خواص فوجی آمریت کے خلاف تحریکیں چلاتے ہیں۔لیکن فوج کے سب سے بڑے سہولت کار بھی ہر دور میں یہی رہے۔

ہم ایسی کتابوں کو اُردو میں منتقل کرتے ہیں۔ جو طبقاتی امتیاز کو بے نقاب کرتی ہیں۔ جو اپنے اپنے علاقوں میں انسانی زندگی کو میسر آنے والی آسانیاں بتاتی ہیں۔ہم عالمی یونیورسٹیوں کے احوال سے اپنے قارئین کو آگاہ کرتے ہیں کہ وہ صرف ڈگریاں نہیں فروخت کرتی ہیں بلکہ اپنے علاقے کے معاشروں میں ایسے شہری بھیجتی ہیں جو تبدیلی کے پیغام رساں بنتے ہیں ان کی تحقیق رہن سہن تبدیل کرتی ہے۔ پہاڑوں کے سینوں میں پنہاں خزانوں کا احساس دلاتی ہے کہ سمندر کی تہوں میں انسانی لمس کو ترستے معدنی ذخائر کا سراغ دیتی ہیں۔وہ صرف کمپنیوں فیکٹریوں کے لیے کُل پرزے نہیں بلکہ انسانوں کو اندھیروں سے نکال کر اجالوں میں لانے والے مصلح تیار کرتی ہیں۔

ہماری عظیم مملکت صرف معیشت۔صنعت وحرفت۔تجارت۔زراعت۔تعلیم۔تربیت میں ہی پستیوں میں نہیں چلی گئی ہے بلکہ سب سے اندوہناک المیہ یہ ہے کہ اخلاق۔سماجی رویوں۔گفتار و کردار میں بھی بہت نیچے ہو چکی ہے۔ ہمارے مقتدر ادارے ایک مہذب سماج کا منظر پیش نہیں کرتے۔ظالم و جابر استبدادیوں۔اور غاصب آمروں والا رویہ اختیار کیے ہوئے ہیں۔جس اکثریت کے محصولات سے تنخواہیں اور مراعات لیتے ہیں وہ اسی اکثریت کے خواب روندتے ہیں۔ان کی تمنائیں پامال کرتے ہیں۔ان کی امنگوں کا لہو نچوڑتے ہیں۔

قومی سیاسی پارٹیاں بھی ان مقتدر اداروں کی آلۂ کار بنی ہوئی ہیں۔ میڈیا بھی ان کی جنبش ابرو پر قدم اٹھاتا ہے۔اب ہماری ترجیح اپنے عظیم وطن کی تہذیب۔تمدن اور شائستگی کو بحال کرنا بھی ہے۔ یہ فرض پاکستانی عورت زیادہ ذمہ داری اور استقامت سے کر سکتی ہے۔ ہماری نسل اس کی گود میں پلتی ہے۔آمر ہوں۔یا غاصب۔خزانہ لوٹنے والے ہوں۔لوگوں کے کپڑے اتارنے والے ہوں۔چادر اور چار دیواری کی حرمت پامال کرنے والے منافقت اور مصلحت اختیار کرنے والے ہوں۔یا حق گوئی کا جہاد۔علاج معالجے میں سہولتیں پہنچانے والے۔بھوکوں کو کھانا کھلانے والے۔فلاحی اداروں سے ریاستی ذمہ داریاں ادا کرنے والے سب ماں کی آغوش میں پلتے ہیں۔

ہر پاکستانی ماں۔بیٹی۔بیوی۔بھابھی۔بہن۔دادی۔نانی۔پھوپھی۔بہو۔ساس۔خالہ۔سالی سب لائق احترام ہیں۔'اطراف' عورت نمبر ان کی عظمت کا اعتراف کرنے کے لیے ہی ہر سال شائع کرتا ہے۔ایک مہذب ریاست کا آغاز ماں کی گود سے ہی ہوتا ہے۔ ہر پاکستانی ماں اپنے بیٹوں بیٹیوں پر نظر رکھے اور ایسی گھٹی پلائے کہ وہ حقیقی آزادی کے لیے سرگرم ہوں۔غلامی کو پروان نہ چڑھائیں۔

محمود شام

kundun

Now Introduces 3 - 5 Pieces New Design Trolly Bags With Small Beauty Case Different Colour
Original Fiber Material JIAN LUGGAGE Is The Best Way For Travelling

Also Deals in Shawls , Kashmir Shalws, Pashmina, Embroidery
Shahtoosh, Kalamkar & Jamawar

Address: Adullah Haroon Road Opp. Hotel Metropole.
Ph: +92 21 35686641-42 Fax: +92 21 35684349

- 1940 سے 2023۔ ہنگاموں بھرے 80 سال
- ایک صدی کی چوتھی دہائی سے۔ دوسری صدی کی تیسری دہائی تک
- سقوط حیدر آباد۔ سقوط جوناگڑھ
- میڈیا ہاؤسز
- بیرکوں میں کیا ہوتا ہے
- بھٹو صاحب کے ساتھ آٹھ سلگتے سال
- الطاف حسین کیسے لیڈر ہیں
- مولانا فضل الرحمٰن وزیراعظم کیوں نہ ہو سکے
- ایک طویل مسافت۔ دائرہ اندر دائرہ
- پہلے ہندوستان بٹا۔ پھر پاکستان
- سقوط کشمیر۔ پھر 23 سال بعد سقوط مشرقی پاکستان
- وزیراعظم ہاؤسز
- اخبار کا بائیکاٹ کون کرتا ہے
- بی بی بےنظیر کے ساتھ۔ 1970 سے 2021
- جنرل ضیا کی جیل میں
- اسلام آباد۔ واشنگٹن۔ دہلی۔ ڈھاکا۔ پیرس۔ برسلز۔ نوم پنہ۔ لاؤس۔ بیجنگ۔ اوٹاوہ۔ لندن۔ بینکاک۔ کوالالمپور۔ ریاض۔ ابوظہبی۔ طرابلس کی کہانیاں

شاعر۔ صحافی۔ دردمند
محمود شام کی خودنوشت

اٹلانٹس پبلی کیشنز۔ گھر پر پہنچانے کا انتظام

اپنا آرڈر واٹس ایپ کیجئے۔ 'اطراف' کے خریداروں کو خاص رعایت

فون: 0300-8210636

کفالتِ یتیم سے --- جنت کا حصول بھی --- رفاقتِ رسولﷺ بھی
الخدمت
ALKHIDMAT
الخدمت فاؤنڈیشن پاکستان
ALKHIDMAT FOUNDATION PAKISTAN
AGHOSH COLLEGE
دُعاء
تقدیر بدلنے کا فن جانتی ہے
تو کیا ہی افضل ہو کسی یتیم کی دُعا لے لی جائے
آپ بھی زکوٰۃ وعطیات دے کر شامل ہو جائیں ۔۔۔ لاکھوں دُعاؤں میں
زکوٰۃ اور عطیات کے لیے
زکوٰۃ میزان بینک 02140101095120
عطیات میزان بینک 02140100861151
0800 44448
www.alkhidmat.org/give

گھر کو جنت سا بنادیتی ہیں

ماہنامہ اطراف کراچی

کی ماؤں بیٹیوں بہنوں کے لیے خراج تحسین کی عظیم کوشش

'اعتراف خدمت اعزاز'

الحمدللہ۔76ویں سال میں پاکستان کی خواتین زندگی کے ہر شعبے میں آگے

ان کی خدمات کا اعتراف انتہائی قابل فخر قومی فریضہ

2024 کی اعزاز یافتگان کو ٹیکنالوجی لنکس کی طرف سے

مبارک باد

کلیم فاروقی

چیئرمین، ٹیکنالوجی لنکس......صدر، پاکستان جاپان بزنس فورم

ماہنامہ اطراف کراچی

کے چیف ایڈیٹر اور ان کی ٹیم کو

بہت **مبارک باد**

پاکستان کی نامور خواتین کی خدمات کے اعتراف میں ہر سال

'اعتراف خدمت اعزاز' کی تقریب کا باقاعدگی سے انعقاد

ہمارے ادارے پرسنل سروسز بیورو کی طرف سے 'اعتراف

خدمت اعزاز 2024' حاصل کرنے والی معزز خواتین کو بھی

مبارکباد

علیم چوہدری

چیف ایگزیکٹو، پرسنل سروسز بیورو

0321-2424270

خواتین کانچ کی صفائی کر رہی ہیں

”پروفیسر شاداب احمد صدیقی ’اطراف‘ کے قلمی کرم فرما ہیں۔ جس موضوع پر لکھنے کی درخواست کی جائے بہت انہماک سے اور محنت سے لکھتے ہیں۔ ’عورت نمبر‘ کے لیے حیدر آباد کی چوڑی کی صنعت سے قارئین اطراف کو آگاہ کرنے کے لیے گزارش کی گئی تو انہوں نے اس صنعت کے ہر پہلو پر تحقیق کی ۔ اس کی تاریخ۔ اس کے تکنیکی مراحل۔ مشکلات۔ فیکٹری مالکان کے مسائل۔ اس تاریخی صنعت کے کارکنوں میں شامل مردوں۔ عورتوں اور بچوں کی محرومیاں۔ بجلی گیس کی کمی اور مہنگائی سے برآمدات کے متاثر ہونے کا سانحہ۔ ہر حوالے سے اس فیچر کو مکمل بنایا گیا ہے۔“

کانچ کی چوڑیاں۔ حیدرآباد کی قابل فخر سوغات

تحریر و تحقیق: پروفیسر شاداب احمد صدیقی

حیدرآباد کی سوغاتوں میں ایک سوغات حیدرآباد کی مشہور چوڑیاں ہیں۔ کانچ کی رنگ برنگ چوڑیاں خواتین کی سجاوٹ کا ایک اہم ترین زیور ہیں۔ کانچ کی چوڑیاں مشرقی ثقافت کی آئینہ دار ہیں۔ سستا زیور ہونے کی وجہ سے یہ عورت کا پسندیدہ زیور کانچ کی باریک اور نازک چوڑیاں ہوتی ہیں جو صنف نازک کی کلائیوں کی زینت بنتی ہیں۔ چوڑیوں کی تاریخ قدیم ہے۔ سب سے پہلے چوڑیوں کے

الرزاق بینگل فیکٹری۔ کانچ کے ڈھیر۔ محنت کش خواتین

آثار 2600 قبل مسیح میں موئن جو دڑو کی کھدائی میں برآمد ہونے والی مورتیوں سے ملتے ہیں۔ موئن جو دڑو سے جو مورتیاں ملی ہیں ان کے ہاتھوں میں مٹی، گھونگے، پتھر، دھات سے بنی ہوئی چوڑیاں ہیں۔ موئن جو دڑو میں کھدائی کے دوران ایک ناچتی لڑکی کی بھی مورتی ملی ہے یہ ایک کم سن فنکارہ ہے جو خوشی سے زیورات میں لدی رقص کر رہی ہے۔ اس کا بایاں ہاتھ کندھوں تک چوڑیوں میں چھپا ہوا ہے اور دائیں بازو میں اس نے چند کنگن پہنے ہوئے ہیں۔ کانسی سے بنا رقاصہ کا مجسمہ دنیا بھر میں وادئ سندھ کی تہذیب کی پہچان ہے۔ موئن جو دڑو کی رقاصہ کی طرح آج بھی چولستان اور تھر کی خواتین پورے بازو میں چوڑیاں پہنتی ہیں۔ بعدازاں چوڑیاں جنوبی ایشیا کی روایتی ثقافت کا حصہ بنیں زمانے نے اپنے طور بدلے تو یہ چوڑیاں شیشے سے بننے لگیں۔ حیدرآباد کی کانچ کی چوڑیوں کی صنعت دنیا میں دوسرے نمبر پر شمار ہوتی ہے۔ تاریخ کے اوراق میں یہ بھی ملتا ہے کہ شاہ جہاں کی بیوی ممتاز محل جس کے لیے شاہ جہان نے تاج محل بنوایا تھا۔ ممتاز محل نے تخت نشینی کے بعد حاکم وقت شاہ جہاں سے کانچ کی چوڑیوں کی فرمائش کی چونکہ ممتاز محل شاہ جہان کی لاڈلی اور چہیتی ملکہ تھی لہذا اس نے ملکہ کی خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیے آگرہ کے تمام بازاروں میں ملازمین کو بھیجا مگر چوڑیاں نہ ملیں بالآخر بادشاہ خود چوڑیوں کی تلاش میں نکلا تو بھارت کے شہر فیروز آباد جا پہنچا جہاں چوڑیاں بنانے کے کاریگر مل گئے جنہوں نے ملکہ کے لیے کانچ کی نفیس چوڑیاں تیار کیں نازک اور جاذب نظر چوڑیاں لیکر بادشاہ واپس پہنچا اور اپنے ہاتھ سے اپنی ملکہ کی کلائیوں میں چوڑیاں پہنائیں۔ فیروز آباد پرانے وقتوں سے چوڑی سازی کا ایک بڑا مرکز ہے۔ ایشیا میں بھارت کے شہر فیروز آباد کو چوڑی کا قدیم اور عظیم مرکز ہونے کا اعزاز حاصل ہے جبکہ ایشیا میں فیروز آباد کے بعد حیدرآباد چوڑی کی صنعت سازی کا دوسرا بڑا مرکز ہے۔ فیروز آباد سے 1947 میں بھارت سے ہجرت کر کے یہ لوگ حیدرآباد میں رہائش پذیر ہوئے۔ یہ افراد برادریاں فیروز آباد میں بھی چوڑی کی صنعت

سدائی۔ جڑائی۔ چکلائی۔ مینا کاری کے مرحلے

سے وابستہ تھیں۔ فیروز آباد اور حیدرآباد کا موسم چوڑی سازی کے حوالے سے یکسانیت رکھتا ہے۔ چوڑی کی صنعت اور اس سے وابستہ محنت کشوں کے حالات جاننے اور چوڑیوں کے بننے کا عمل قلمبند کرنے کے لیے میں نے الرزاق بینگل فیکٹری کا تحقیقی دورہ کیا۔ اندر داخل ہوتے ہوئے سب سے پہلے کچھ خواتین کو کانچ کے ڈھیر کے پاس کام کرتے دیکھ کر بہت حیرانی ہوئی کہ اس کام کی ابتدا

حیدرآباد۔نازک کلائیاں اور چوڑیاں

بہت مشکل مرحلہ۔کانچ کی صفائی کے مناظر

خواتین سے ہوتی ہے اور چوڑیوں کی شکل میں پایہ تکمیل بھی خواتین کے ہاتھوں پر ہوتی ہے، چوڑی کی صنعت سازی میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کا بہت اہم کردار ہے۔خواتین مردوں کے شانہ بشانہ کام کر رہی ہیں۔ چوڑی فیکٹری میں داخل ہوتے ہوئے ایک طلسماتی منظر میری آنکھوں کے سامنے تھا۔ میں نے کانچ کے ڈھیر کے پاس خواتین سے اس کام کے بارے میں جاننے کی کوشش کی۔ تھر کے علاقے سے تعلق رکھنے والی غیر مسلم کولہی ،بھیل برادری سے تعلق رکھنے والی یہ خواتین کچرا کنڈیوں۔قریہ قریہ گاؤں گاؤں کوڑے کے ڈھیر سے شیشے کی ٹوٹی ہوئی بوتلیں اور کانچ کا سامان کاندھے پر لادی ہوئی اکٹھا کر کے کارخانے کے مالک، ٹھیکیدار یا ڈیلر کے حوالے کرتی ہیں جو انہیں بہت قلیل رقم ادا کرتے ہیں۔ خواتین اس کانچ اور شیشے کے ڈھیر میں سے چھانٹی کر کے صاف کانچ الگ کرتی ہیں اور اسے توڑتی بھی جاتی ہیں۔ اس کام کو

خواتین بچوں سمیت 5 لاکھ افراد۔
چوڑی سازی سے وابستہ

’’بھنگار‘‘ کہتے ہیں۔ یہ انتہائی خطرناک کام ہے۔ یہاں کام کرنے والی ایک خاتون شمو نے بتایا اسے صرف اس کام کے 600 روپے ملتے ہیں کسی بھی قسم کی کوئی سہولت نہیں ملتی نا بونس اور نا میڈیکل کی سہولتیں ہیں۔اس کام کے دوران کانچ ہاتھ آنکھ اور جسم پر لگنے سے خواتین زخمی ہو جاتی ہیں جبکہ بعض ہلاک بھی ہو جاتی ہیں۔ یہ خواتین سخت دھوپ میں کھلے آسمان کے نیچے اپنی روزی روٹی کے لیے سخت مشقت کرتی ہیں۔ مالکان کا رویہ ان خواتین کے ساتھ ہتک آمیز ہوتا ہے۔ یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے کہ چوڑی سازی کا عمل دو طریقوں سے کیا جاتا ہے۔

1۔آٹومیٹک۔ 2 بیلن کا

آٹومیٹک چوڑی سازی میں نئی جدید مشینوں سے کام ہوتا ہے۔اس کام میں ملازمین کی تعداد مختصر ہوتی ہے۔ اور اس کام میں مالی لاگت اور اخراجات بھی کم ہے۔ آٹومیٹک چوڑی سازی کا دوسرا مرحلہ فائر مین Fire man صاف کانچ کو آگ کی بھٹی میں ڈالتا ہے۔چوڑیوں کی مضبوطی کے لیے کانچ کے ساتھ سوڈا ایش ، ریتیلی مٹی (Salice Sand) کو بھٹی پر سے 1400 ڈگری فارن ہائٹ کے درجہ حرارت پر پگھلایا جاتا ہے جس سے انتہائی پتلا اور چپچپا محلول تیار کیا جاتا ہے۔ پھر آٹومیٹک یہ محلول ایک رولر مشین میں ڈال کر چوڑیوں کے رول میں بدلا جاتا ہے۔ یہ محلول رولر پر گول گول گھوم رہا ہوتا ہے۔ کانچ کی چوڑیاں پہننے والی کلائیوں کا سائز مختلف ہوتا ہے۔ یہ لوہے کے گول رولر اسے بیلن بھی کہتے ہیں۔خواتین کی کلائیوں کے مختلف سائز کے ہوتے ہیں۔ ہر سائز کی چوڑیاں بناتے وقت یہ تبدیل کیے جاتے ہیں۔ پھندا لگانے والے کا کام گرم پتلے کانچ کے محلول کا تار بنا کر گھومتے بیلن پر پھندا لگاتا ہے اس کو پھندا والا کہتے ہیں ۔ پھندا لگتے ہی پتلا محلول چوڑیوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔اس کے ساتھ برابر میں بیٹھا میٹھے والا مٹّے ملاتا ہے یعنی رولر پر گھومتی ہوئی چوڑیوں کو بیلنس کرتا ہے اور ٹوٹی ہوئی چوڑیوں کو توڑتا جاتا ہے۔اس کے بعد رولر پر گھومنے والی چوڑیاں مقررہ وقت پر باہر کی طرف آتی ہیں جیسے مٹّے اتارنے والا ایک لوہے کی سینچ سے اتار کر لوہے کے ڈمپر پر رکھ دیتا ہے۔ یہاں مٹّے سے مراد

آگ کی بھٹی جس میں چوڑی کے لیے کانچ بنتا ہے

لوہے کے بیلن پر کانچ کا پھندا لگانے اور چوڑیوں کو بیلنس کرنے والا

پروفیسر شاداب جائزہ لے رہے ہیں

چوڑیوں کا بنا ہوا پورا اسپرنگ ہے۔ یہ کام انتہائی مہارت سے اور جلدی کیا جاتا ہے۔ یہ انتہائی محنت طلب کام ہوتا ہے اس میں جو محنت کش حصہ لیتے ہیں ان کے پھیپھڑوں کی عمر کم ہو جاتی ہے اور وہ ٹی بی (تپ دق) جیسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور یوں موت کا خونی پنجہ

> **بجلی اور گیس کی کمی مہنگائی سے یہ صنعت متاثر ہو رہی ہے**

اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ اب چوڑیوں کو الگ کرنے کا مرحلہ آتا ہے جسے ہیرہ سے ایک لمبا کٹ لگا کر کٹائی کرنے والا الگ کرتا ہے اور 365 چوڑیاں گن کر چارپائی کا بان رسی کی طرح ہوتا ہے اس میں ڈالتا ہے یہ توڑا کہلاتا ہے۔ چوڑی سازی کی صنعت کی لینگویج ہی ایک ہوتی ہے۔ ہر لفظ میں "لی" آتا ہے۔ جس کی وضاحت آگے ہوگی ..

چوڑیوں کے توڑے ٹھیکیدار گھروں میں کام کرنے والی خواتین مزدور کو دیتے ہیں۔ فیکٹری سے چوڑیاں نکلنے کے بعد خواتین کا بہت اہم کردار ہے۔ حیدرآباد کی تنگ و تاریک کچے گھروں میں خواتین چوڑیوں کے مختلف کام کرتی ہیں۔ جن میں سدائی۔ گنائی، کڑائی، کٹائی، ڈیزائنگ، فنیشنگ، رنگائی، چکلائی، چٹک وغیرہ شامل ہیں۔ چوڑیوں کی صدائی اور جڑائی کے لیے مٹی کے تیل کے دیئے اور گیس کی لو استعمال کی جاتی ہے جس سے اٹھنے والا زہر آلود دھواں کاربن ڈائی آکسائیڈ اور کاربن مونو آکسائیڈ بن کر آہستہ آہستہ خواتین کو مختلف بیماریوں میں مبتلا کر رہا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کا نظام تنفس، آشوب چشم، جلدی امراض، نظام ہضم شدید متاثر ہوتا ہے۔

سدائی:

سدائی کا مرحلہ بھی صبر آزما ہوتا ہے۔ اس مرحلہ میں بھی خواتین ہی کی مشقت کا عمل دخل ہوتا ہے۔ چوڑیوں کے ٹوٹے ہوئے سروں کو آپس میں مٹی کے تیل دیے کے آگے متوازن برابر کیا جاتا ہے۔ اس کام میں بہت پھرتی کرنا پڑتی ہے۔ یہ خواتین انتہائی کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔ سدائی کے عمل میں اکثر اوقات محنت کش خواتین ٹھیکیدار کے انتظار کے کربناک عذاب سے گزرتی ہیں اور انتظار میں رات ڈھل جاتی ہے

> **کسٹم ڈیوٹی بڑھنے سے چوڑیوں کی برآمد رک گئی ہے**

کیونکہ تیار مال یہ خواتین اپنی نگرانی میں ٹھیکیدار کے حوالے کرتی ہیں۔

جڑائی:

جڑائی کے عمل میں تیز آگ کے شعلوں میں چوڑی کے متضاد سروں کو آپس میں جوڑا جاتا ہے یہ ایک تھکا دینے اور اکتا دینے والا عمل ہے کیونکہ کام کرنے والی عورتیں ایک ایک چوڑی کے کناروں کو

چوڑیاں بھٹی سے تیار ہو کر نکالی جا رہی ہیں

چوڑیوں کے رول بیلن سے اتارنے والے مٹھی کا کاریگر

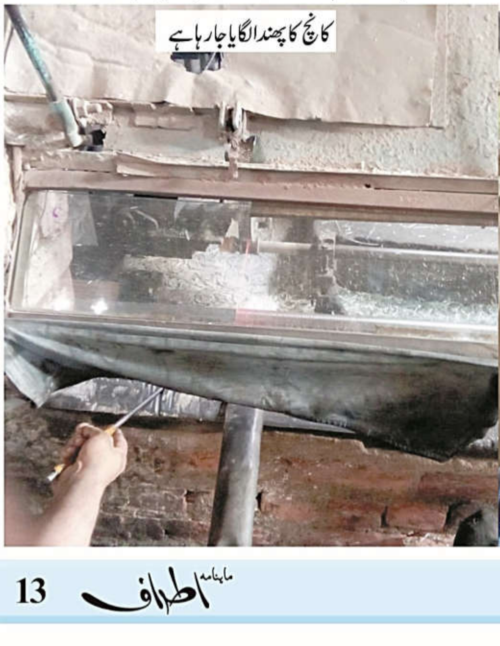
کانچ کا پھندا لگایا جا رہا ہے

آپس میں جوڑنے کا مشکل ترین مرحلے سے گزر کر اپنی محنت کا صلہ پاتی ہیں۔ اس مرحلہ میں یہ محنت کش خواتین تحفظ دینے والے میکنیزم سے محروم ہوتی ہیں جن کے پاس ہیلمیٹ، دستانے اور چشمے تک نہیں ہوتے۔ جڑائی کے عمل میں بہت سی خواتین کی نظر کمزور ہو جاتی ہے۔

ھل لگانا

خواتین گھروں میں ایک مخصوص کیمیاوی مادہ جو کہ سونے کا پانی ہوتا ہے ہل کہلاتا ہے۔ ہل چوڑیوں پر بنے ڈیزائن پر لگتی ہے۔ اس ہل سے جوڑیوں کو گولڈن رنگ کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد چوڑیوں کو مزید آگ کی بھٹی میں پکایا جاتا ہے جس سے گولڈن رنگ نکھر جاتا ہے۔ اور چوڑیاں سنہری اور چمکدار ہو جاتی ہے۔ آج کل سونا مہنگا ہونے کی وجہ سے چوڑیاں ہل کے کام سے محروم ہو گئی ہیں۔ ہل والی چوڑیاں بہت مہنگی ہوتی ہے یہ صرف شادی بیاہ پر خاص طور پر استعمال ہوتی ہیں۔ پھر چوڑیاں غریب خواتین کی دسترس سے باہر ہیں۔ چوڑیاں بنانے والے ہاتھ چوڑیوں سے محروم ہیں۔ مہنگائی نے غریب خواتین کا جینا محال کر دیا ہے۔

چکلائی:

یہ کام کوالٹی کنٹرول کا کام ہے جن میں چوڑیوں کی سطح ہموار اور ترتیب وار کر کے توڑہ تیار کیا جاتا ہے۔

مینا کاری :

مینا کاری بھی ایک فن اور ہنر ہے، خواتین اس کام میں بھی مہارت رکھتی

خوبصورت چوڑیوں کے پیچھے کارکنوں کا درد

ہیں۔ ہنرمند خواتین چوڑیوں پر پینٹنگ کے عمل سے ان پر نقش نگاری، ڈیزائننگ اور مینا کاری کا کام کرتی ہیں۔ اس کام کے لیے انتہائی مہارت درکار ہوتی ہے۔ تاہم گولڈ، چمک دمک اور متعدد رنگوں کے کرسٹلز چوڑیوں کی خوبصورتی کے لیے مینا کاری کے عمل میں شامل ہیں۔

حیدرآباد میں چوڑیوں پر نام لکھنے والے سینکڑوں کاریگر موجود ہیں جو شیشے کی رنگین تیلیوں اور آگ کی مدد سے انتہائی نفاست سے چوڑیوں پر نام کندہ کرتے ہیں سادہ چوڑیوں پر مختلف ڈیزائن بنائے جاتے ہیں۔ چوڑیوں پر سو سے زائد دیدہ زیب ڈیزائن بنائے جاتے ہیں جس کے نام بھی دلچسپ ہیں۔ مثلاً بندش، موشن بچی، بیل بچی، دلہن، نور جہاں، سادی ثریا اور طوفان شامل ہیں۔ مختلف ڈیزائنوں میں ڈھلنے کے بعد یہ چوڑیاں اور بھی زیادہ خوب صورت نظر آتی ہیں۔ ان مراحل کے بعد چوڑیوں کی فنشنگ کے بعد انہیں ڈبوں میں پیک کیا جاتا ہے۔ ڈبوں میں پیک ہونے کے بعد انہیں ہول سیلرز اور ڈیلرز کے حوالے کیا جاتا ہے جو انہیں ملک کے طول و عرض میں فروخت کے لیے بھیجتے ہیں جہاں خواتین ذوق و شوق سے ان خوبصورت رنگ برنگی چوڑیوں سے اپنے ہاتھوں کی کلائیوں کو سجاتی ہیں۔ حیدرآباد میں چوڑیوں کا کام مختلف علاقوں میں ہوتا ہے جہاں خواتین اور بچے اس گھریلو صنعت سے وابستہ ہیں جس میں مہر علی۔ لطیف آباد نمبر 8-12، فتح چوک، لیاقت آباد، گجراتی پاڑہ، حالی روڈ، ملت آباد، اسلام آباد، الیاس آباد، نورانی بستی، فردوس کالونی، اور چوڑی پاڑہ قابل ذکر ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق حیدر آباد میں تقریباً پانچ لاکھ افراد اس چوڑی کی صنعت سے وابستہ ہیں۔ ان میں سے اسی فیصد خواتین اپنے گھروں میں چوڑیاں بنا رہی ہیں اور ان کے محنت کش ہاتھ سادہ سے شیشے کو نازک سی چوڑیوں میں بدلنے کی طاقت رکھتے ہیں الرزاق بینگل فیکٹری کے دورے کے موقع پر اس کے مالک محمد شکیل نے ماہنامہ اطراف کراچی کے لیے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے سب سے پہلے ماہنامہ اطراف کراچی کے چیف ایڈیٹر محمود شام صاحب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے کہا محمود شام صاحب کا ماہنامہ اطرف میں چوڑی سازی صنعت حیدرآباد کے متعلق مضمون شائع کرنا قابل تحسین اقدام ہے۔ اس طرح چوڑی سازی کی صنعت سے وابستہ لاکھوں محنت کشوں مزدوروں کی ترجمانی اور درپیش مسائل زیر موضوع لائے جائیں گے۔ محمد شکیل نے بتایا میں دس سال سے چوڑی سازی کی صنعت سے وابستہ ہوں۔ اس صنعت کا وہ عروج نہیں رہا جو ماضی میں ہوتا تھا گیس اور بجلی کی حد سے زیادہ غیر اعلانیہ لوڈ شیڈنگ اور ڈالر مہنگا ہونے کے باعث خام مال کی قیمتیں بڑھنے کی وجہ سے چوڑی

خواتین چوڑیوں کو بیلنس کر رہی ہیں

خواتین چوڑیوں کو متوازن کرتے ہوئے

سازی کی صنعت زبوں حالی اور زوال کا شکار ہے۔ اکثر اوقات جنریٹر پر کام کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے پیٹرول اور ڈیزل کے اخراجات میں بھی اضافہ ہوگیا ہے۔ نئے گیس کے کنکشن نہیں مل رہے ہیں۔ جب گیس کے ریٹ بڑھتے ہیں تو ہماری چوڑی سازی کی صنعت براہ راست متاثر ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے چوڑیوں کی قیمتیں بھی بڑھ جاتی ہیں۔ اس سے چوڑیوں کی سیل پر بھی فرق پڑتا ہے۔ کسٹم ڈیوٹی بڑھنے کی وجہ سے افغانستان، سری لنکا، بنگلہ دیش سمیت جنوبی ایشیا کے تمام ممالک چوڑیوں کی برآمد رک گئی ہے۔ وسائل کی کمی کا مسئلہ جاری رہا تو نہ صرف محنت کشوں سے ان کا روزگار چھن جائے گا بلکہ حیدرآباد کی شناخت کا بڑا حصہ بھی ماضی کا حصہ بن جائے گا۔ آٹو میٹک چوڑی فیکٹریاں 50 میں سے 25 بند ہوگئیں۔ بیلن والے کارخانے تقریباً سب بند ہو گئے ہیں۔ آٹو میٹک کارخانے میں تیار ہونے والی چوڑیاں ہل والی چوڑیوں کے مقابلے میں سستی ہوتی ہیں۔ پورے پاکستان میں چوڑیاں حیدرآباد سے سپلائی کی جاتی ہیں۔ چوڑی کی مصنوعات کا کاروبار پورے ملک میں پھیلا ہوا ہے اس لیے جن لوگوں کو ملک کے مختلف شہروں میں مال بھیجا جاتا ہے وہاں کے کچھ کاروباری حضرات واجبات کی ادائیگی میں تاخیر کرتے ہیں یا جو لوگ یہ کاروبار چھوڑ دیتے ہیں وہ واجبات کی ادائیگی نہیں کرتے لاکھوں روپے لوگوں کی طرف واجب الادا ہو جاتے ہیں۔

چوڑی محنت سے وابستہ ورکرز کے مسائل
خوبصورت چوڑیوں کے پیچھے چھپا درد

جس معاشرے میں محنت کشوں کو دو وقت کی روٹی کے حصول کے لیے اپنے لہو کو پسینہ بنانا پڑے اور پھر اس مزدور کی اجرت اس کے پسینہ خشک ہونے سے قبل ادا نہ کی جائے تو وہ معاشرہ نا صرف معاشی اور سماجی طور پر عدم توازن کا شکار ہو جاتا ہے بلکہ وہاں طبقات کی ایک لامتناہی جنگ کا آغاز شروع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ صحت مند اور فلاحی ریاست کے قیام کے لیے سماج کے چھوٹے طبقے کو خصوصی توجہ دینے کی اہم ضرورت ہے۔ ہمارے معاشرے میں بھی کانچ کی یہ نرم و نازک اور کھنکھناتی چوڑیاں تیار کرنے والی محنت کش خواتین خود ان چوڑیوں کو پہننے سے محروم رہتی ہیں۔ یہ چوڑیاں کسی کلائی تک پہنچنے سے پہلے جن ہاتھوں سے بن کر گزرتی ہیں ان کے لیے اس کی کھنک کوئی کشش نہیں رکھتی۔ ان خواتین کے لیے اس صنعت کا روشن پہلو صرف یہی ہے کہ انھیں کام کے لیے گھر سے باہر نہیں جانا پڑتا اس کے علاوہ اس میں کوئی فائدہ نہیں چوڑی سازی کی صنعت سے وابستہ محنت کش مزدوروں کو بہت مسائل ہیں۔ جن میں غیر محفوظ ماحول غیر منصفانہ مزدوری کے طریقے، کم اجرت، ملازمت کے تحفظ کی کمی، کام کے طویل اوقات اور من مانی برطرفی جیسے مسائل ہیں کھلے عام مزدوروں کا معاشی استحصال کیا جا رہا ہے۔ چوڑی کا کاروبار ٹھیکیداری جیسی لعنت سے منسلک ہے جہاں مزدوروں کی اجرت ٹھیکیدار خود ہضم کر جاتے ہیں مزدوروں کو اپنے حقوق نہ ملنے کی ایک وجہ سرمایہ داروں اور سیاسی جماعتوں کا اثر و رسوخ ہے جس کے باعث مزدوروں کے لیے کام کرنے والی ٹریڈ یونینز اب موثر نہیں رہیں انہیں سوشل سیکورٹی کے تحت ملنے والی طبی سہولتوں سے دور رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح ٹیکس سے بچنے کے لیے فیکٹری مالکان اپنے مزدوروں کی تعداد کم ظاہر کرتے ہیں جس سے ایک جانب حکومت کو ٹیکس کی مد میں کروڑوں

کارکن سہولتوں
مراعات سے محروم

روپے کا سالانہ نقصان ہو رہا ہے تو دوسری جانب محنت کشوں کو (EOBI) کی مراعات سے بھی محروم رکھا جاتا ہے جس کی بنا پر بوڑھے ہو جانے والے محنت کشوں کے خواب آنکھوں میں چکنا چور ہو جاتے ہیں اور ان کے اچھے دنوں کی خواہشیں سسک سسک کے جان دے دیتی ہیں۔

حکومت پاکستان چوڑی سازی کی صنعت کے لیے فوری اقدامات کرے

حکومت پاکستان اس صنعت کو حکومتی سطح پر تحفظ فراہم کرے۔ اس صنعت کو فروغ دینے کے لیے ضروری ہے کہ اسے جدید خطوط پر استوار کیا جائے، آلات کی فراہمی کو یقینی بنایا جائے تاکہ وہ کام کے ساتھ ساتھ اپنی صحت اور زندگی کی بھی حفاظت کر سکیں۔ مالکان ورکرز کو ان کے بنیادی حق سے محروم نہ رکھیں، ایمپلائز اولڈ ایج بینیفٹس انسٹی ٹیوشن (ای او بی آئی) اور سوشل سیکورٹی کی رجسٹریشن کرائیں تاکہ غربت کی

خواتین چوڑیوں کو جوڑتے ہوئے

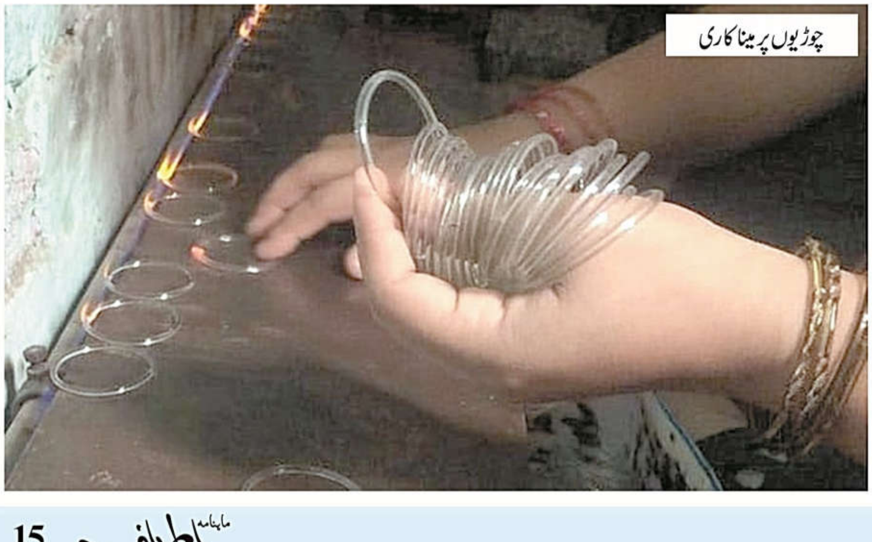

چوڑیوں پر مینا کاری

گھروں میں کام کرنے والی خواتین کو چوڑیاں بھیجی جا رہی ہیں

فائر مین کانچ آگ کی بھٹی میں ڈالنے کے لیے لے جا رہا ہے

لکیر سے نیچے اپنی زندگی گزارنے والے یہ محنت کش خوش حال ہوسکیں۔ اگر اعلیٰ حکام اور حکومتی عہدیدار چوڑی کی صنعت سے وابستہ لوگوں کے مسائل کے حل میں دلچسپی نہیں لیں گے تو جلد یہ صنعت زوال پزیر ہو جائے گی اور ہم سوائے افسوس کہ کچھ نہ کرسکیں گے۔ مزدوروں سے متعلق جو قوانین ہیں ان کا اطلاق چوڑیاں بنانے والی ان مزدور خواتین پر بھی ہو۔ الیکشن میں منتخب ہونے والی حکومت اپنی ذمے داری نبھاتے ہوئے چوڑی تیار کرنے والی محنت کش خواتین کو صنعتی مزدور تسلیم کرتے ہوئے سرکاری خرچ پر ان کا علاج کروائے۔ ان خواتین کو مضر صحت کیمیکل سے محفوظ رکھنے والی ادویات فی الفور مفت مہیا کی جائیں ۔ان خواتین کو حکومت کے اعلان کردہ کم سے کم سرکاری پیکیج کے مطابق اجرت دی جائے اور چوڑی سازی سے وابستہ فیکٹری ملازم اور خواتین کو وہ تمام مراعات دی جائیں جو صنعتی محنت کشوں کا بنیادی حق ہیں کام کے دوران ان خواتین کی انگلیوں وانگوٹھوں کے پرنٹس ختم ہوجاتے ہیں جس کے باعث ان خواتین کو شناختی کارڈ اور دیگر کاغذی کاروائی میں مشکلات پیش آتی ہیں لہذا حکومت کوئی سہل طریقہ کار وضع کرے۔ مزدوروں کے حقوق اور فلاح و بہبود کو لیبر قوانین اور ضوابط کو نافذ کرکے اس بات کو یقینی بتائے کہ تمام مزدوروں کو باعزت کام، سماجی تحفظ اور صحت کی رسائی حاصل ہو۔ اس وقت ملک میں بجلی اور گیس کا سنگین بحران ہے، جس کی وجہ سے کارخانے اور صنعتی یونٹ شدید دباؤ کا شکار ہیں، کارخانوں اور فیکٹریوں کو تالے لگ رہے ہیں، ہزاروں مزدور بے روزگار ہو رہے ہیں جس کے اثرات ان سے وابستہ خاندانوں اور زیر کفالت لاکھوں افراد پر پڑ رہے ہیں، توانائی کے اس بحران سے نکلنے کے لیے حکومت سنجیدگی سے نوٹس لے اور صنعتی علاقوں کو گیس اور بجلی کی لوڈ شیڈنگ سے مستثنٰی قرار دے تاکہ صنعتی ترقی کا پہیہ رواں دواں رہے۔ مزدوروں کی جدوجہد کو نتیجہ خیز بنانا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ ملک کی اقتصادی ترقی اور خوشحالی محنت کشوں اور ہنر مندوں کی انتھک کوششوں کے بغیر ممکن نہیں، مزدور ملک کی ترقی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خواتین کی شمولیت کے بغیر کوئی بھی معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہوسکتا۔ 8 مارچ کو خواتین کا عالمی دن منایا جائے گا جس کا مقصد خواتین کے حقوق سے متعلق آگاہی پھیلانا ہے اور ان کی خدمات کا اعتراف کرتا ہے۔ چوڑی کی صنعت سے وابستہ خواتین کی

عید کا چاند نظر آتے ہی چوڑیوں کی مانگ بڑھ جاتی ہے

خدمات قابل ستائش ہیں۔ خواتین کے ہاتھوں کو رنگوں سے سجانے والی چوڑیاں 72 ہاتھوں سے گزر کر تیار ہوتی ہیں۔ جب کانچ کی چوڑیوں کا ذکر ہوتا ہے تو ذہن میں ایک ایسی سہاگن کا تصور ابھرتا ہے جس کی کلائیاں کانچ کی ان چوڑیوں سے بھری ہوتی ہیں اور کلائیوں میں ان چوڑیوں کی چھنک ہی ایک سہاگن کا سہاگ سمجھا جاتا ہے۔ مہندی کے موقع پر متوقع سہاگن پیلے رنگ کی چوڑیاں پہنتی ہیں جبکہ شادی کے موقع پر سرخ رنگ کی چوڑیاں اس کی کلائی کی زینت بنتی ہیں نوجوان لڑکیاں باقاعدہ اسٹینڈ میں چوڑیاں لگا کر رکھتی ہیں اور جب بھی دل چاہا کسی بھی سوٹ کے ساتھ میچنگ کرکے چوڑیاں پہن لیں۔ باریک اور نازک کانچ کی چوڑیاں مشرقی عورت کا روایتی زیور ہے۔ اگر کسی نئی نویلی دلہن کی چوڑیاں کسی بنا پر ٹوٹ جاتی ہیں تو بدشگون سمجھا جاتا ہے اور دلہن کے ذہن پر ایک انجانا خوف سوار ہوجاتا ہے۔ ایک دلہن کو مکمل سہاگن نہیں سمجھا جاتا جب تک اس کی کلائیوں میں کانچ کی چوڑیاں نہ ہوں۔ عید کا چاند نظر آتے ہی خواتین چاند رات کو بازاروں کا رخ کرتی ہیں۔ عید اور چوڑیاں لازم و ملزوم ہیں ۔ چوڑیوں کے بغیر خواتین کی عید ادھوری ہوتی ہے۔ چاند رات کو چوڑیاں خریدنے کا اسپیشل اہتمام کیا جاتا ہے شادی ہو یا کوئی بھی تہوار چوڑیاں پہننا خواتین پسند کرتی ہیں اقلیتی برادری کے تہواروں کے موقع پر خواتین خصوصی طور پر رنگ برنگی، خوش نما ڈیزائنوں کی چوڑیاں پہننا پسند کرتی ہیں۔ 14 اگست کے دن لڑکیاں ہری اور سفید کانچ کی چوڑیاں پہن کر جشن آزادی مناتی ہیں چوڑی کی صنعت دیکھنا دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ امید ہے قارئین کو میری یہ تحقیقی تحریر پسند آئے گی۔ ❁

تیار چوڑیاں

چوڑیاں فروخت کے لیے تیار

اعترافِ خدمت اعزاز

2023 کی اعزاز یافتگان

ثروت نسیم شاہ
مخیر۔شاعرہ۔بلڈر۔
چیئر پرسن بینائی فاؤنڈیشن

ثروت سلطانہ ثروت
مصنف۔لیکچرر۔شاعرہ۔
35 سے زیادہ تصنیفات

ڈاکٹر ہما بقائی
اینکر پرسن۔ماہر تعلیم۔ریکٹر انسٹی ٹیوٹ
آف ملینیم ٹیکنالوجی اینڈ انٹر پرینیور شپ

نورالہدیٰ شاہ
دانشور۔
ممتاز ڈرامہ نگار

سسٹر کلارا حسین
پرنسپل، کانونٹ آف
جیسس اینڈ میری

ڈاکٹر صوفیہ احمد
ڈین۔ایف پی ایس
بقائی میڈیکل یونیورسٹی

زبیدہ مصطفیٰ
صحافی۔مصنف۔
سابق اسسٹنٹ ایڈیٹر روزنامہ ’ڈان‘

2022 کی اعزاز یافتگان

جسٹس عائشہ ملک
سپریم کورٹ کی پہلی خاتون جج

اٹلی کی گریزیہ ماریہ پاؤلا
36 سال سے سماعت سے
محروم بچوں کے لیے وقف

ڈاکٹر عبیرہ معراج
کووڈ میں دن رات مسیحائی میں مصروف

امت الصبور
پچاس سال سے باقاعدہ اشاعت
والے خواتین ڈائجسٹ کی مدیرہ

سامیہ لیاقت علی
پاکستان کے پہلے وزیر اعظم کی پوتی

منزہ سہام مرزا
پچاس سال سے باقاعدہ اشاعت والے
دوشیزہ۔سچی کہانیاں کی مدیرۂ اعلیٰ

2020 کی اعزاز یافتگان

سینئر میری لانگن
پرنسپل کانونٹ آف جیسس
اینڈ میری کلفٹن کراچی

کرشنا کوہلی
ممبر سینٹ آف پاکستان

ڈاکٹر ثانیہ نشتر
معاون خصوصی برائے وزیر اعظم

مس اکرم خاتون
فرسٹ ویمن بینک کی پہلی صدر

پروفیسر ڈاکٹر بلقیس گل
Director Institute of Sustainble Halophyte Utilization, University of Karachi

2019 کی اعزاز یافتگان

سلطانہ صدیقی
چیئر پرسن ہم ٹی وی

قمر النساء قمر
تحریک فلاح خواتین، کراچی

کلپنا دیوی
اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل سندھ

رخسانہ جبیں
وائس چانسلر سردار بہادر خان یونیورسٹی، کوئٹہ

نرگس لطیف
گل بہاؤ تحریک، چاندی گھر

2018 کی اعزاز یافتگان

سعدیہ راشد
ہمدرد فاؤنڈیشن

شہناز وزیر علی
زیبیسٹ

شمع خالد
افسانہ نگار

تارا عذرا داؤد
داؤد گلوبل فاؤنڈیشن

پروفیسر ڈاکٹر پروین شاہ
جامعہ شاہ عبداللطیف، خیرپور

2017 کی اعزاز یافتگان

بلقیس ایدھی
ایدھی فاؤنڈیشن

امینہ سید
آکسفورڈ یونیورسٹی پریس

سیما مغل
گرین اچ یونیورسٹی

طاہرہ رضا
صدر فرسٹ ویمن بینک

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ 6 مارچ 2024 کے 7 ویں سالانہ 'اعترافِ خدمت اعزاز' کی تقسیم کا انعقاد بیچ لگژری ہوٹل میں ہو رہا ہے۔ باہمی مشاورت سے اس سال جن معزز خواتین کا انتخاب کیا گیا ہے۔ ان کا تعارف 'اطراف' کی قلمی معاون جوان عزم صحافی اور تدریس سے وابستہ 'جہاں آراء' کروا رہی ہیں۔ پڑھئے اور اپنی رائے سے آگاہ کیجئے۔

ڈاکٹر راشدہ ارتفاق علی

86 سال کی عمر میں بھی تدریس میں فعال

پروفیسر ڈاکٹر راشدہ ارتفاق علی فروری ۱۹۳۸ میں انڈیا کے شہر کانپور میں پیدا ہوئیں۔ ابتدائی تعلیم میٹرک تک کانپور ہی میں حاصل کی۔ مزید تعلیمی سفر جاری رکھنے کے لئے ان کے والد نے انہیں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھیج دیا۔ جہاں سے انہوں نے انٹر کے بعد بی۔ایس، اور ایم۔ایس۔سی (MSC-Organic chemistry) کی ڈگری 1959 میں حاصل کی۔ اسی سال ڈاکٹر ارتفاق علی کے ساتھ رشتہ ازدواج سے منسلک ہوئیں۔ 1960 میں پاکستان آ گئیں۔ اسی اثنا میں ڈاکٹر ارتفاق کو اسکالرشپ ملی جن کے ہمراہ پروفیسر ڈاکٹر راشدہ بھی اپنی دس ماہ کی بیٹی کو ساتھ لئے آسٹریلیا چلی گئیں۔ آسٹریلیا میں دو سال گزارے۔ اس عرصے میں وہاں ایک فوڈ کمپنی اور ایک ریسرچ کے ادارے (CSIRO) Commonwealth Scientific and Industrial Research Organization میں کام کیا۔ 1963 میں واپس کراچی آ گئیں اور کراچی ملک پلانٹ اور پھر college of home economics سے منسلک رہیں۔ 1972 میں ڈاکٹر صاحب اور اپنی ۳ بیٹیوں کے ساتھ لیبیا جانے کا موقع ملا جہاں طرابلس یونیورسٹی میں پڑھایا۔ 1972 میں پھر کراچی کا رخ کیا اور کراچی یونیورسٹی میں شعبہ اپلائیڈ کیمسٹری سے منسلک ہوئیں۔ اور اپنے غیر ملکی علمی تجربات سے طالبعلموں کو خوب مستفید کیا۔ کراچی یونیورسٹی میں آپ نے Organic chemistry کا کورس جو غذا (food) سے متعلق تھا پڑھایا۔ بعد ازاں 1993 میں ڈاکٹر صاحبہ کی انتھک محنت، کاوشوں اور دیگر علم دوست رفقا کے تعاون سے ایک الگ شعبہ فوڈ اینڈ سائنس قائم کیا گیا۔ اور اب یہ ڈیپارٹمنٹ اتنی ترقی کر گیا ہے کہ یہاں داخلے کے لئے اعلیٰ میرٹ کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

تدریسی فرائض بہ احسن انجام دینے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر صاحبہ نے اپنا تعلیمی سفر بھی جاری رکھا اور 1980 میں ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔ بعد ازاں 1984 کراچی یونیورسٹی ہی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اب تک ڈاکٹر صاحبہ کے 100 سے زائد تحقیقی مقالے شائع ہو چکے ہیں۔ جبکہ 30 سے زائد ملکوں کا سفر کر چکی ہیں جہاں انہوں نے پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنے تحقیقی مقالے بھی پڑھے۔ ڈاکٹر صاحبہ کا یہ علمی سفر ابھی تک اسی جوش و جذبے کے ساتھ جاری و ساری ہے جیسا کہ انہوں نے شروع کیا تھا۔ پروفیسر ڈاکٹر صاحبہ کا کہنا ہے کہ کہ نیوٹریشن اور ہائی جین کی تعلیم اسکول کی سطح سے ہی دینی چاہیے اور اس سلسلے میں، میں تجربات سے معاشرے کو فائدہ پہنچانا چاہتی ہوں۔ زندگی کی 85 بہاریں دیکھنے کے باوجود آپ کبھی ہمت نہیں ہارتی اور اپنے فرض کی ادائیگی کو عبادت سمجھ کر ادا کرتی ہیں۔ آپ نے اپنی پوری زندگی تدریس و تحقیق کیلئے وقف کر دی ہے۔ ان خدمات کے اعتراف میں ڈاکٹر راشدہ ارتفاق کو فوڈ اینڈ ہائجین ایمبسڈر مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا اور اس ضمن میں ایک پروقار تقریب 9 جنوری 2024 کو کراچی یونیورسٹی میں منعقد کی گئی۔ اس موقع پر نگراں وزیر اطلاعات سندھ سید احمد شاہ صاحب نے پروفیسر ڈاکٹر راشدہ ارتفاق کو سول ایوارڈ دینے کا اعلان بھی کیا۔ بے شک ڈاکٹر صاحبہ ہمارے ملک کا عظیم سرمایہ ہیں۔ آپ کی مثال ایک سایہ دار شجر کی سی ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ نے اپنے علم دوستی کے جذبے کا اظہار بارہا ان خوبصورت الفاظ میں کیا ہے کہ "استاد کبھی ریٹائر نہیں ہوتے"۔ آپ کی ان بے لوث علمی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے آپ کو اعتراف خدمت اعزاز ایوارڈ کے لئے منتخب کیا گیا جس کی آپ یقیناً مستحق ہیں۔

جسٹس (ر) ڈاکٹر ماجدہ رضوی

ہائی کورٹ کی پہلی خاتون جج۔ آج بھی انصاف کے لیے متحرک

جسٹس (ر) ڈاکٹر ماجدہ رضوی صاحبہ کو پاکستان کی کسی ہائی کورٹ کی پہلی خاتون جج ہونے کا منفرد مقام حاصل ہے۔ آپ نے کراچی یونیورسٹی سے سیاسیات اور بین الاقوامی تعلقات میں ایم اے اور ایل ایل بی کیا۔ 1937 میں ہندوستان میں پیدا ہونے والی ماجدہ رضوی 1994 میں سندھ ہائی کورٹ میں جج کے عہدے پر فائز ہوئیں اور 1999 میں ریٹائر ہوئیں۔ جبکہ ایک کارپوریٹ وکیل کے طور پر 1963 سے 1994 تک پریکٹس کرتی رہیں۔ اور آج کل سپریم کورٹ آف پاکستان میں پریکٹس کر رہی ہیں۔

جسٹس (ر) ڈاکٹر ماجدہ رضوی صاحبہ عدالتی اور انتظامی امور کا ایک وسیع تجربہ رکھتی ہیں۔ آپ نے ایک جج کے طور پر، سنگل اور ڈی بی کے متعدد مقدمات کی صدارت کی اور تاریخی فیصلوں کی صورت میں انصاف فراہم کیا۔ جبکہ ایک وکیل کے طور پر عام شہریوں کے سینکڑوں مقدمات لڑے۔

مختلف سماجی کام کرنے والی تنظیموں کے ذریعے ضرورت مند لوگوں کو نا صرف مفت قانونی مشورے فراہم کیے بلکہ انہیں انصاف بھی دلایا۔ اس کے علاوہ آپ چیئر پرسن سندھ انسانی حقوق کمیشن (2016 سے 2023 تک) اور مارچ 2002 سے مارچ 2005 تک خواتین کی حیثیت سے متعلق قومی کمیشن کی سابق چیئر پرسن کے طور پر بھی اپنی نمایاں خدمات پیش کر چکی ہیں۔ جبکہ 2005 میں تنزانیہ میں انتخابات کی نگرانی کے لیے دولت مشترکہ ٹیم کی رکن کے طور پر بھی اپنے فرائض انجام دیئے۔

قارئین کو یہ جان کر بھی ایک خوشگوار حیرت ہوگی کہ جسٹس (ر) ڈاکٹر ماجدہ رضوی صاحبہ صرف قانون دان ہی نہیں بلکہ قلم کو بھی سنبھالنا بخوبی جانتی ہیں۔ آپ ایک بہترین لکھاری بھی ہیں اور معلمہ بھی۔ آپ نے پاکستان میں بطور قانون دان پریکٹس کی، بحیثیت استاد ہمدرد اسکول آف لا میں قانون کی تعلیم دی، اور کئی سال مقبول ہفت روزہ "اخبار خواتین" میں قانونی مشاورت پہ مبنی مضامین لکھے۔ قانونی مسائل سے آگاہی اور شعور فراہم کرنے کے لئے اور خواتین اور بچوں سے متعلق قانونی مسائل پر سیکڑوں آرٹیکل تحریر کر چکی ہیں۔ انسانی اور خاص طور پر خواتین کے حقوق کے قومی اور بین الاقوامی مسائل پر پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے آگاہی فراہم کرنا بھی آپ کی اولین ترجیحات میں سے ایک ہے۔ گویا کہ منصفہ، مصنفہ اور معلمہ ہر حیثیت سے آپ نے اپنا لوہا خوب منوایا ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے کئی ایک قومی اور بین الاقوامی کانفرنسوں میں شرکت کی اور متعدد ایوارڈز اور اعزازات کی حق دار قرار پائیں۔ آج کل آپ چیئر پرسن/ بانی ٹرسٹی پناہ ٹرسٹ۔ کراچی، رکن المحرب طبی امداد، چیئر پرسن ایویلیوایشن کمیٹی SIUT اور ممبر جوڈیشل کمیشن آف پاکستان کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دے رہی ہیں۔ آپ کی ان گراں قدر خدمات کے اعتراف میں 2005 میں آپ کو نوبل امن انعام کے لیے نامزد کیا گیا جبکہ 2024 میں "اعتراف خدمت اعزاز 2024" کے لئے آپ کا انتخاب ماہنامہ اطراف کے لئے بھی باعث مسرت و افتخار ہے۔

ڈاکٹر پروین موسیٰ میمن

ماہر تعلیم - 41 کتابوں کی مصنّفہ

ڈاکٹر پروین موسیٰ میمن سندھ کے ضلع تھرپارکر کے گاؤں ڈیپلو میں 1958 میں پیدا ہوئیں۔ آپ کے والد محمد موسیٰ میمن روینیوڈیپارٹمنٹ میں مختیارکار تھے۔ والد صاحب کے ٹرانسفرز کی وجہ سے زیادہ تر تعلیم سندھ کے مختلف شہروں مٹھی، عمرکوٹ، ماتلی، میرپورخاص، سانگھڑ اور حیدرآباد میں ہوئی۔ انٹرمیڈیٹ کے بعد رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئی اور پھر مستقل طور پر حیدرآباد کی یونیورسٹی آف سندھ سے وابستہ رہیں۔ آپ کے تعلیمی سفر میں 1973 میں میٹرک فرسٹ کلاس، 1975 میں انٹر فرسٹ کلاس کے بعد سندھ یونیورسٹی سے گریجویشن، 1983 میں ایم اے انگریزی ادب، 1988 میں ایم اے سندھی ادب (گولڈ میڈلسٹ) 2004 میں ایم فل (شعبہ سندھی، سندھ یونیورسٹی) اور بعدازاں 2012 میں پی ایچ ڈی کی ڈگری بعنوان ''سندھی نثر کی تاریخ میں عورتوں کا حصہ'' شامل ہیں۔ 1991 میں سندھ پبلک کمیشن کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کر کے ایجوکیشن اینڈ لٹریسی ڈیپارٹمنٹ میں لیکچرر مقرر ہوئیں اور نا صرف درس وتدریس کے شعبہ میں خوب نام کمایا بلکہ چھ درسی کتب بھی لکھیں۔ جس پر انہیں بورڈ آف انٹرمیڈیٹ کالیج ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ اور ہائر ایجوکیشن اسلام آباد سے تعریفی اسناد اور ایوارڈ سے بھی نوازا گیا ہے۔ جامعہ سندھ کے انسٹیٹیوٹ آف سندھیالوجی نے ''سندھیالوجی ادبی ایوارڈز 2020ء'' کے سلسلے میں تحقیق کے موضوع پر ڈاکٹر پروین موسیٰ میمن کی کتاب ''سندھی نثر جی تاریخ میں عورتن جو حصو'' کو ایوارڈ سے نوازا۔

ڈاکٹر پروین موسیٰ کے ادبی کیریئر کی ابتدا 1980 میں لکھے ہوئے افسانے ''چری (پاگل)'' سے ہوئی، اس کے بعد چند افسانے لکھے پھر ان کی توجہ مضامین لکھنے پر مرکوز ہوگئی۔ 100 کے قریب مضامین لکھے۔ 2004 میں ایم فل کے دوران تحقیقی مقالاجات لکھتے ہوئے تحقیق اور تنقید کے فن سے آشنا ہوئیں۔ اور آج تک اس فن میں طبع آزمائی کر رہی ہیں۔ اب تک آپ 41 کے لگ بھگ کتابیں لکھ چکی ہیں جن میں 22 مطبوعہ جبکہ ادب اور تاریخ کے موضوعات پر تقریباً 18 غیر مطبوعہ کتابیں بھی ہیں۔ علاوہ ازیں اب تک آپ کے 500 سے زائد مضامین اور مقالاجات مختلف اخبارات اور تحقیقی جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔

ایک ایسی لائق و فائق مصنفہ اور معلمہ ہیں جنہوں نے نہ صرف ماہر تعلیم کی حیثیت سے نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں بلکہ ایک ادیبہ کے طور پر جو تحقیقی تصانیف پیش کیں ان کو ملک بھر اور خاص طور پر سندھی زبان و ادب کے اداروں اور حلقوں میں بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔ ادب میں آپ مضمون نویسی، مقالانگاری، تحقیق، تنقید، کالم نگاری، لطیف شناسی، افسانہ نویسی، بچوں کا ادب اور دیگر اصناف نثر میں متواتر اپنا لوہا منوا رہی ہیں۔ آپ کا یہ علمی و ادبی سفر بڑی کامیابی اور چابکدستی سے جاری وساری ہے۔ ڈاکٹر صاحبہ کی یہ خدمات ماہنامہ اطراف کے نزدیک گرانقدر ہیں اس لیے ''اعترافِ خدمت اعزاز 2024'' آپ کی تعلیم وتدریس کے میدان میں آپ کی ان تھک محنت، جذبہ اور لگن کے نام کیا۔

ڈاکٹر الزبتھ نیامت

ماہر تعلیم ۔ مختلف مذہبی برادریوں کے درمیان افہام وتفہیم

سسٹر ڈاکٹر الزبتھ نیامت پرنسپل سینٹ جوزف کالج برائے خواتین) صدر کراچی (کے عہدے پر فائز ہیں۔آپ 1974 میں لاہور، پنجاب میں پیدا ہوئیں۔سندھ یونیورسٹی جامشورو سے فیکلٹی آف آرٹس میں بیچلرز کیا، جامعہ سندھ جامشورو ہی سے شعبہ اردو میں ماسٹر کیا۔اس کے بعد جامعہ کراچی سے الحاق شدہ نوٹر ڈیم انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن میں بیچلر آف ایجوکیشن مکمل کیا۔آسٹریلیا کیتھولک یونیورسٹی سے شعبہ تعلیم میں بین الاقوامی گریجویٹ سرٹیفکیٹ بھی حاصل کیا۔بعدازاں سندھ مدرستہ الاسلام یونیورسٹی کراچی سے ایم فل کی ڈگری حاصل کی۔تھیوفنی یونیورسٹی سے تعلیم، فلسفہ میں ڈاکٹر کی اعزازی ڈگری حاصل کی اور پاکستان بائبل کرسپنڈنس فیصل آباد، پاکستان سے مختلف مذہبی سرٹیفکیٹ حاصل کئے۔

ڈاکٹر الزبتھ پاکستان میں چرچ کی ایک متحرک رہنما کے طور پر مذہبی اور سماجی خدمات کا ایک وسیع تجربہ کھتی ہیں۔اس کے علاوہ آپ ایک ماہر مقرر، مصنفہ، شاعرہ، اور میوزک کمپوزر بھی ہیں۔پاکستان میں ایک مشہور ماہر تعلیم کی حیثیت سے مختلف گرجا گھروں میں چلنے والے تعلیمی اداروں میں بطور پرنسپل اور لیکچرر خدمات انجام دے رہی ہیں۔آپ ایک دردمند سماجی کارکن اور انسانی ہمدرد کے طور پر پاکستان کے مختلف دیہی اور شہری علاقوں میں خواتین اور بچوں کی ترقی اور بہبود کے لیے لائق تحسین ہیں۔

پاکستان کرسچن کونسل انٹرنیشنل کے زیر اہتمام انسانی حقوق کے عالمی دن (2022) کے موقع پر گورنر پنجاب کی طرف سے آپ کی بہترین خدمات پر ایوارڈ سے نوازا گیا۔ڈائریکٹوریٹ آف انسپیکشن اینڈ رجسٹریشن آف پرائیویٹ انسٹی ٹیوشنز اور سکول ایجوکیشن اینڈ لٹریسی ڈیپارٹمنٹ حکومت سندھ کی طرف سے بھی کیتھولک بورڈ آف ایجوکیشن اینڈ کنونٹس کے لیے ایک انتہائی پرعزم، شاندار، پرجوش، ہونہار ماہر تعلیم کی حیثیت سے آپ کی خدمات کے اعتراف میں آپ کو ایوارڈ دیا گیا۔اس کے علاوہ فیڈریشن آف پرائیویٹ اسکولز پاکستان کی جانب سے ایجوکیشن لیجنڈ ایوارڈ اور تجرباتی تعلیم کو فروغ دینے کے لیے انٹرنیشنل اسکول ایوارڈ کی حقدار بھی قرار پائیں۔صدر پاکستان ڈاکٹر عارف علوی اور وزیر اعلیٰ سندھ مراد علی شاہ سے ملاقات کا اعزاز بھی حاصل کیا اور پاکستان میں تعلیمی ترقی کے ممکنہ مختلف پہلوؤں پر تبادلہ خیال کیا۔

پاکستان میں عیسائیوں سمیت مذہبی اقلیتوں کی ترقی اور ان کے اقدار کو بلند کرنا آپ کے اہم مقاصد میں سے ایک ہے۔تاکہ ان کے ساتھ جو امتیازی سلوک، تشدد اور توہین مذہب جیسے مسائل اور الزامات سمیت مختلف مسائل اور چیلنجوں سے نبرد آزما ہوا جا سکے۔جیسا کہ پاکستان میں عیسائیوں اور دیگر مذہبی اقلیتوں کو اکثر سیاسی نمائندگی اور سرکاری اداروں میں شرکت کے حوالے سے چیلنجز کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔مختلف مذہبی برادریوں کے درمیان افہام وتفہیم اور تعاون کو فروغ دینے کے لیے بین المذاہب مکالمے میں مدد کرنا بھی آپ کی ایک اہم خدمت ہے۔

اس کے علاوہ آپ امن اور رواداری کو فروغ دینے اور مذہبی اقلیتی برادریوں کو تعلیم اور صحت کی سہولتوں تک رسائی فراہم کر کے بااختیار بنانے، انسانی حقوق اور مذہبی آزادی پر کام کرنے والے مختلف مذہبی رہنماؤں، مقامی اور بین الاقوامی غیر سرکاری تنظیموں کے ساتھ تعاون کرنے اور عوام کا معیار زندگی بلند کرنے کے لئے انہیں اقتصادی مواقع فراہم کرنے کے لئے بھی ہر دم کوشاں رہتی ہیں۔محترمہ ڈاکٹر الزبتھ نیامت ہمارے ملک کا سرمایہ افتخار ہیں اور متذکرہ تمام امور میں آپ کی خدمات قابل قدر ہیں۔آپ کی ان ہی خدمات کے اعتراف میں ماہنامہ اطراف نے بھی ''اعتراف خدمت اعزاز'' ۲۰۲۴ آپ کی نذر کیا جس کی آپ لازماً مستحق ہیں۔

ڈاکٹر طاہرہ ایس خان

ماہر امور خواتین ۔ بین الاقوامی مذاکروں میں پیش پیش

ڈاکٹر طاہرہ ایس خان کا شمار ملک کے نامور ماہرین تعلیم میں ہوتا ہے۔آپ نے 1978 میں قائداعظم یونیورسٹی، اسلام آباد سے ایم اے تاریخ اور 1981 میں ولانووایونیورسٹی، یوایس سے ایم اے سیاسیات کی ڈگری حاصل کی۔اس کے بعد 1995 میں یونیورسٹی آف ڈینور، کولوراڈو، امریکہ سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔آپ کے پی ایچ ڈی مقالہ کا موضوع'' صنف اور سیاست: جنوبی ایشیا میں خواتین سیاسی رہنما'' تھا۔آپ خواتین مسائل پر مبنی پانچ مطبوعہ اور تین غیر مطبوعہ کتابوں کی مصنفہ بھی ہیں۔

لیکن آپ کا سب سے اہم کارنامہ خواتین کے خلاف تشدد کے موضوع پر ایک قومی ایوارڈ یافتہ کتاب کی اشاعت ہے جس کا عنوان ہے'' عزت سے پرے'' (غیرت سے متعلق تشدد کی تاریخی مادی وضاحت) ہے۔ یہ کتاب آکسفورڈ یونیورسٹی آف پریس کی جانب سے 2006 میں شائع کی گئی۔اس کے علاوہ آپ کے تحریر کردہ متعدد تحقیقی مقالے اور مضامین ملکی اور بین الاقوامی جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔

اس کے علاوہ متعدد بین الاقوامی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں اپنے مقالے پڑھ بھی چکی ہیں۔

آپ گزشتہ تیس سالوں سے امریکہ اور پاکستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں پڑھا رہی ہیں، جن میں سے چند ایک اہم کراچی یونیورسٹی اور آغا خان یونیورسٹی (پاکستان)، یونیورسٹی آف ڈینور، میٹروپولیٹن اسٹیٹ یونیورسٹی ڈینور، یونیورسٹی کولوراڈو بولڈر اور کولمبیا یونیورسٹی نیویارک وغیرہ شامل ہیں۔ اپنے تدریسی کیریئر کے علاوہ ڈاکٹر صاحبہ نے قومی اور بین الاقوامی سطح پر خواتین/ انسانی حقوق کی تنظیموں کے ساتھ محقق اور ورکشاپس کے فعال سہولت کار کے طور پر کام کیا ہے۔جن میں چیانگ مائی (تھائی لینڈ) میں خواتین کے قانون اور ترقی پر ایشیا پیسفک فورم (APWLD)، خواتین کا عالمی مارچ کینیڈا، انسانی حقوق کمیشن آف پاکستان اور وومن ریسورسز سینٹر پاکستان وغیرہ شامل ہیں۔

آجکل ڈاکٹر طاہرہ ایس خان آغا خان یونیورسٹی، کراچی میں جز وقتی پروفیسر کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

2022 سے 2023 تک جز وقتی ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے سینٹر فار اسٹڈیز آف مسلم سوسائٹیز، کولمبیا یونیورسٹی سے منسلک رہیں۔

جبکہ 2016 سے 2018 کے درمیان جز وقتی ریسرچ اسکالرہی کی حیثیت سے انسٹی ٹیوٹ برائے تحقیق برائے خواتین، صنف اور جنسیت (کولمبیا یونیورسٹی) سے منسلک رہیں۔ڈاکٹر طاہرہ ایس خان کی تعلیم اور تحقیق کا بنیادی محور اسلام میں خواتین/جنس اور سیاست کے مسائل پر رہا ہے۔علاوہ ازیں آپ متعدد ملکی اور بین الاقوامی جامعات اور تحقیقی اداروں میں بلاتعطل اپنی خدمات سرانجام دیتی رہی ہیں، اور سیاست، مذہب، تاریخ اور خواتین کے مطالعہ کے موضوع پر مختلف کورسز پڑھاتی رہی ہیں۔جبکہ کئی ایک بین الاقوامی علمی وتحقیقاتی جرنلز کے ادارتی جائزہ بورڈز کے ساتھ وابستہ رہی ہیں۔آپ شعبہ تعلیم وتدریس اور سماجی خدمات کے سلسلے میں دنیا بھر میں مانی اور پہچانی جاتی ہیں اور پاکستان کا وقار بلند کرتی نظر آتی ہیں۔آپ کی ان بے لوث خدمات کے اعتراف میں کئی ایک اسکالرشپ اور اعزازات سے سے نوازا جا چکا ہے۔ماہ نامہ اطراف کی جانب سے بھی آپ کی گراں قدر کا اعتراف کیا گیا اور آپ کو اعتراف خدمت اعزاز 2024 کے لئے چنا گیا۔

ھنی رضا

ماہر تعلیم۔اسکول کی ناکارہ سیڑھیوں میں لائبریری

محترمہ ہنی رضا ایک نہایت ہی علم دوست اور علم نواز شخصیت ہیں۔آپ ایک گورنمنٹ اسکول ،،مسلم گورنمنٹ گرلز سیکنڈری اسکول نمبرا'' (ناظم آباد) کی پرنسپل اور ضلع وسطی کراچی کی ٹاون ایجوکیشن آفیسر بھی ہیں۔آپ 23 سال سے شعبہ تدریس سے وابستہ ہیں اور معیار تعلیم کو بہتر بنانے کے لئے جان توڑ کوششیں کرتی ہیں۔انٹر کے بعد ہی آپ کو شادی کے بندھن میں باندھ دیا گیا تھا لیکن تعلیم سے جڑا بندھن آپ نے پھر بھی ٹوٹنے نہیں دیا۔شادی کے پہلے سال ہی اللہ نے ایک بیٹی سے نوازا۔اس کے بعد آپ نے بی اے،ایم اے اکنامکس اور ایم ایڈ تک تعلیم حاصل کی۔ایک نجی اسکول میں بطور ہیڈ مسٹریس فرایض انجام دیئے۔2001 میں سندھ پبلک سروس کمیشن کا امتحان پاس کر کے سیکنڈری اسکول ٹیچر منتخب ہوئی اور کچھ ہی عرصے میں اپنی انتھک محنت اور لگن سے ہیڈ مسٹریس اور ٹاون ایجوکیشن آفیسر کے عہدے تک پہنچی۔دوران تدریس آپ نے کئی تربیتی کورسسز بھی کئے اور متعدد تعریفی اسناد اور ایوارڈز بھی اپنے نام کئے۔آپ نے اپنے اسکول کی جانب سے پورے سندھ میں لڑکیوں کی تعلیم پر ماڈلز بنوائے جس میں تیسری پوزیشن حاصل کی۔آپ کے بنوائے گئے ماڈلز کا اطلاق نا صرف کراچی بلکہ سندھ کے دیگر اسکولوں میں بھی کیا گیا۔

2019 میں جب محترمہ ہنی رضا نے اسکول میں ہیڈ مسٹریس کا عہدہ سنبھالا تو اسکول کی پوری عمارت ہی خستہ حالی کا شکار تھی جسے انہوں نے اپنی دانشمندی سے محدود وسائل ہی میں سنوارا۔وسائل اور سرمایہ کی کمی جیسے مسائل پر اپنی کفایت شعاری سے قابو پایا۔لیکن اسکول میں کوئی لائبریری نہیں تھی۔انہوں نے اس مسئلہ کا حل یہ نکالا کہ کیوں نا اس مقصد کے لئے اسکول کی سیڑھیوں کا استعمال میں لایا جائے۔سیڑھیوں کو وہ حصہ جو چھت کی جانب جاتا ہے۔استعمال میں نہیں تھا اور اس جگہ پر اسکول کا ٹوٹا پھوٹا اور نا قابل استعمال فرنیچر بھرا ہوا تھا۔لہذا ان سیڑھیوں کی صفائی اور مرمت کا کام شروع کروایا گیا۔وہاں سے تمام کوڑا کباڑ نکال کر گرل کی مرمت کروائی گئی جو کافی ٹوٹی ہوئی تھی۔دیواروں پر رنگ و روغن کروایا گیا اور ہوا اور روشنی کا مناسب بندوبست کر کے کتابوں کی الماریاں یہاں رکھ دی گئیں۔اس ضمن میں تمام اساتذہ کرام نے بھی بہت معاونت فراہم کی۔لائبریری کی سجاوٹ کے لئے کچھ ضروری سامان محترمہ ہنی رضا اور اساتذہ اپنے گھروں سے بھی لائے۔بس اب ان الماریوں سے جھانکتی کتابیں طالبات اور اساتذہ کے شوق مطالعہ کو ہوا دیتی ہیں۔

اب اس شوق کی تشفی کے لئے روزانہ اس چھوٹی سی زینہ لائبریری میں تمام طالبات اپنے اپنے لائبریری کے پیریڈ میں آکر ان کتابوں سے مستفید ہوتی ہیں۔

یہ چھوٹی سی زینہ لائبریری آپ کی علم دوستی اور بے لوث خدمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔آج کے دور میں محترمہ ہنی رضا جیسے انمول رتن کم ہی ملتے ہیں۔جو کہ اپنے فرائض منصبی کو بہ احسن وجوہ ادا کر کے طالبعلموں میں ذوق مطالعہ کو ابھارنے میں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔حال ہی میں ہنی رضا صاحبہ کو بہترین پرنسپل اور بہترین ٹاؤن آفیسر کے ایوارڈ سے بھی نوازا گیا ہے۔ماہ نامہ اطراف نے بھی اعتراف خدمت اعزاز 2024 آپ کی علم دوستی کے نام کرنے کا فیصلہ کیا۔

"ہم انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل اینڈ سوشل ریسرچ کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے پاکستانی خواتین کے تازہ ترین اور اعداد و شُمار پر مبنی ایک رپورٹ پروفیسر انور شاہین کی نگرانی میں مرتب کرکے نذر قارئین کی ہے۔ حالات میں کچھ بہتری نظر آتی ہے۔ مگر مزید محنت اور جدو جہد درکار ہے۔"

پاکستان میں مرد 50ء8 فی صد۔ عورتیں 49ء2 فی صد

مرتّبہ: پروفیسر انور شاہین

عالمی صنفی تفاوت کے اشاریوں کے اعتبار سے پاکستان 2022ء میں دنیا کے 146 ممالک میں 145 ویں نمبر پر تھا، اور ہم سے اگر کوئی ملک پیچھے تھا تو صرف وہ جنگ زدہ اور انتشار زدہ ملک افغانستان تھا۔ آج حکومت پاکستان عالمی سطح پر اس پست مقام کے تدارک کے لیے جو کچھ کر رہی ہے ان میں چار اہم عالمی میثاقوں کی توثیق اور عملدرآمد کی کوشش کے ساتھ اعداد و شمار مرتب کرنے کا کام بھی ہے جو نیشنل کمیشن فار اسٹیٹس آف ویمن کے زیر نگرانی ہو رہا

ہر 38 میں سے ایک پاکستانی ماں حمل اور پیدائش کے وقت خطرات سے دوچار

ہے۔ اسی کمیشن نے اپنی پہلی رپورٹ عورتوں کی حیثیت کے بارے میں 2023ء میں عام کی ہے، جس میں مناسب تفصیلات کا اچھی طرح احاطہ کیا گیا ہے۔ (یہ رپورٹ National Report on the Status of Women in Pakistan 2023 A Summary، انٹرنیٹ پر دستیاب ہے)۔

شرح افزائش آبادی

پاکستان کی آبادی 1951ء میں 37,769,478 تھی۔ یکم جنوری 2024ء تک یہ آبادی 237,729,732 یعنی کوئی ساڑھے چھ گنا بڑھ چکی تھی۔ اس کے پیچھے تیز شرح پیدائش سب سے اہم عنصر رہا ہے۔

1980ء کے عشرے کے اواخر میں بچوں کی پیدائش کی شرح فی عورت 7-6 تھی۔ 2024ء میں یہ کم ہو کر 3.3 ہوگئی لیکن آبادی کا مجموعی حجم زیادہ ہونے کے باعث ہر سال آبادی میں ہونے والا اضافہ انتہائی تشویشناک ہے۔ امریکی اداروں کے مطابق 2060ء میں پاکستان چالیس کروڑ نفوس کا ملک ہوگا۔

پاکستان آج آبادی کے اعتبار سے دنیا کا پانچواں بڑا ملک ہے اور کل عالمی نفوس کا 2.92 فیصد حصہ اس ملک میں رہتا ہے۔ اس میں مردوں کی آبادی 50.8 فیصد اور عورتوں کی آبادی 49.2 فیصد ہے۔ عورتوں کی کل آبادی ورلڈ ڈیٹا اٹلس کے مطابق 2023ء میں 119,229,040 تھی اور اس کی شرح نمو 2.78 فیصد تھی۔ Country meters کی رپورٹ کے مطابق پاکستان میں ایک سال میں لڑکیوں کی پیدائش کی تعداد 976,241 اور اسی سال اموات کی تعداد 246,689 تھی۔ ہر پیدا ہونے والی لڑکی کی اوسط متوقع عمر 67.9 سال ہے جبکہ مردوں کے لیے یہ عمر 64.2 سال ہے۔ یہ بہتری حالیہ عشروں ہی میں نظر آئی ہے لیکن عالمی سطح پر بھی عورتیں مردوں کے مقابلے میں زیادہ عمر پاتی ہیں۔

پاکستان کی آبادی میں بیرون ملک ہجرت ایک اہم آبادیاتی اشاریہ بن کر ابھری ہے اور ملکی آبادی کو کم کرنے میں اس کی اہمیت بڑھ رہی ہے۔ لیکن اس کے باوجود کل شرح پیدائش میں شرح اموات اور بیرونی ہجرت کے باعث ہونے والی کمی کے، آبادی کا روزانہ اضافہ

لڑکے کی متوقع عمر 64ء2
لڑکی کی 67ء9 سال

13,697 ہے جو سالانہ بنیادوں پر پچاس لاکھ (4,999,405) افراد کا اضافہ سمجھا جا رہا ہے۔ اس میں کمی کی کلید خواتین کی صحت، تعلیم، معاشی اور سیاسی عمل میں شرکت میں اور اپنے انسانی و تولیدی حقوق کے شعور اور ان کے حصول کے لیے سازگار ماحول میں پوشیدہ ہے۔ صحت کی سہولتوں تک خواتین کی کم رسائی یا ان کا خرچ برداشت

نہ کر سکنا ان کی صحت کے لئے شدید خطرات کو دعوت دیتا ہے تاہم دوران حمل ماہرین صحت سے مشورے اور رابطے کی شرح 1990 - 2020ء کے دوران 30 فیصد سے بڑھ کر 77 فیصد ہو گئی ہے۔ یہ امر اس پس منظر میں اہم ہے کہ ہر 38 میں سے ایک پاکستانی ماں کو حمل اور ولادت سے متعلقہ پیچیدگیوں یا اموات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

سماجی تبدیلی کے مثبت رجحانات کے زیر اثر نوجوان خواتین اب اپنے بچوں کی تعداد کو دو (2) تک محدود رکھنا چاہتی ہیں لیکن مجموعی نسوانی آبادی کی رائے کے پیش نظر یہ شرح چار (4) بنتی ہے جس کا مطلب ہے کہ آبادی میں اضافہ جاری رہے گا۔ ضبط حمل کے کسی بھی

شرح خواندگی۔ نوجوان مرد 81ء46۔ عورتیں 69ء33 فی صد

طریقے کا استعمال 2012ء میں شادی شدہ خواتین میں 34 فیصد میں پایا گیا اور تب سے اب تک اس میں کوئی قابل ذکر اضافہ نہیں ہوا ہے۔

ان حالات کی وجہ یہ ہے کہ خواتین کے لیے سماجی اشاریے بھی بہت زیادہ حوصلہ افزا نہیں ہیں۔

مثلاً خواندگی کو لیجیے۔ آج پاکستان کی کل بالغ آبادی کا 58.75 فیصد خواندہ ہے۔ کل ناخواندہ بالغان کی تعداد 63,313,456 میں ناخواندہ عورتیں 40,842,050 ہیں۔ جبکہ 22,471,407 مرد ناخواندہ ہیں۔ مستقبل کے رجحان کو دیکھیں تو نوجوانوں (15 - 24 سال) کی شرح خواندگی 79.59 فیصد ہے۔ اس میں بھی نوجوان مردوں کی

شرح 81.46 فیصد اور نوجوان عورتوں کی شرح 69.33 فیصد ہے۔ کیونکہ 2019-20ء میں اسکول نہ جانے والے لڑکوں کی تعداد 27 فیصد اور ایسی لڑکیوں کی تعداد 37 فیصد تھی۔ سارے صوبوں میں یہ صنفی فرق قائم ہے، اس کی کم سے کم شرح پنجاب میں ہے، پھر سندھ، خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں یہ فرق بتدریج بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ان تمام عوامل کا مجموعی نتیجہ یہ ہے کہ آج کل بالغ خواتین (15-64 سال) میں سے 53 فیصد نے کبھی اسکول کا رخ نہیں کیا اور انہی حوصلہ شکن اسباب کی وجہ سے نوجوان عورتوں (15-24 سال) کا تین چوتھائی حصہ کسی تعلیمی، تربیتی یا روزگار کا حصہ نہیں بن سکا، یہاں تک کہ آج بھی ایک تہائی عورتوں کو موبائل فون یا ڈیجیٹل ٹیکنالوجی کے کسی ذریعے کو استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔ ان حالات میں ان کی ترقی کی راہیں آج بھی کس قدر مسدود ہیں، اس کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ تاہم گذشتہ دو عشروں سے لڑکیوں نے تعلیم کے میدان میں لڑکوں کے مقابلے میں زیادہ پیشرفت دکھا کر صنفی تفاوت کو کم کیا ہے۔

معاشی عمل میں شرکت

عورتوں کی جمیعت محنت میں شرکت کی شرح 21 فیصد ہے جو عالمی سطح (39%) سے تقریباً نصف ہے۔ اس شرح میں گذشتہ بیس برسوں میں اضافہ ہوا ہے۔ آج پنجاب میں 31 فیصد اور بلوچستان میں 14 فیصد عورتیں جمیعت محنت میں ہیں۔ ان عورتوں کا قومی پیمانے پر روزگار زراعت سے 67 فیصد، خدمات سے 16 فیصد، اور

بلا اُجرت کام کرنے والی محنت کش خواتین 55 فی صد

مینوفیکچرنگ سے 14 فیصد وابستہ ہے۔ پروفیشنل عورتوں کا 88 فیصد تعلیم، 7 فیصد صحت، 2.5 فیصد سائنس اور ٹیکنالوجی سے جڑا ہوا ہے۔ بلا اجرت کام کرنے والی محنت کش خواتین اپنے گروہ کا 55 فیصد ہیں، جبکہ 19 فیصد عورتیں خود اپنے روزگار سے کمائی کرتی ہیں۔ اجرت حاصل کرنے والی خواتین کی وسطی (median) اجرت 12,000 روپے ماہانہ ہے جبکہ اس عنوان کے تحت آنے والے مردوں کی وسطی اجرت 18,900 روپے ماہانہ ہے۔ معاوضے میں یہ تفاوت صنفی امتیاز کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

سیاسی نمائندگی کی شرح ۲۰۱۸ء میں پاکستان کی قومی اور صوبائی اسمبلیوں میں کم سے کم ۳۸ فیصد اور زیادہ سے زیادہ ۴۲ فیصد رہی۔ لیکن اس میں خواتین کی مخصوص شدہ نشستوں ہی کا زیادہ حصہ تھا۔

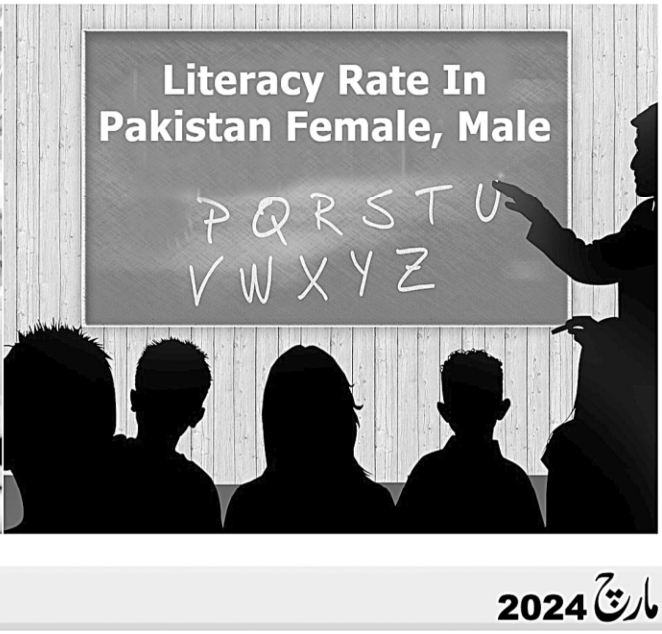

مارچ میں بر صغیر کے مسلمانوں نے تاریخ سے ایک یادداشت پر دستخط کیے تھے۔ 7سال بعد پاکستان حاصل بھی کرلیا۔ لیکن 76 سال میں اس ملک میں کیا کیا ناانصافیاں ہوئیں مظالم ہوئے۔ ریحانہ اعجاز۔ ’اطراف‘ کی قلمی معاون اپنے دل کے سب زخم کھول کر قارئین کے سامنے رکھ رہی ہیں۔ پڑھئے اور اپنی رائے دیجئے۔

23مارچ منائیں مگر بزرگوں کی قربانیاں نہ بھول جائیں

تحریر: ریحانہ اعجاز، ڈیفنس کراچی

یوم پاکستان ایک اہم عہد ساز دن کہ اُس دن قراردادِ پاکستان پیش کی گئی تھی جس کا مقصد ایک الگ آزاد وطن کے قیام کے لیئے تحریک چلانا تھا، اور محض اس قراردادِ پاکستان کی تحریک کو ہی منظوری ملنے میں سات سال کا طویل صبر آزما وقت لگا تھا، جس کے نتیجے میں ہمیں یہ

اس آزادی کی خاطر کتنے متوالوں نے جان کی نذرانے دیئے

آزاد مملکتِ خداداد حاصل ہوئی، یہ وہ یادگار دن ہے جس کی یاد میں خصوصی تقاریب کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

1956 میں دستور ساز اسمبلی میں پہلا آئین پیش کیا گیا اسی آئین میں 23 مارچ کو یومِ پاکستان کے طور پر منانے کا فیصلہ کیا گیا اور یہ وہ سنہرا دن ہے جسے ہم کم وبیش 70 سال سے مناتے آرہے ہیں۔

جب دل ایک ہی لے پر دھڑک رہے تھے کہ ”لے کے رہیں گے پاکستان، بن کے رہے گا پاکستان،، تب دل میں وطن سے محبت کے جذبات ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی طرح موجزن تھے اور وہ جذبات تو قائدِ اعظم کی رحلت کے ساتھ ہی دم توڑنا شروع ہو گئے تھے جب صرف ایک سال بعد ہی اس نومولود ریاست میں جنگ وجدل کا غلغلہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

جیسے تیسے کر کے مہاجروں کی ہجرت کے معاملات نمٹائے گئے تو چند سال بھی اس نوزائیدہ مملکت نے سکون سے نہ کاٹے تھے کہ ملکی ظلم و بربریت کی نئی داستانیں رقم ہونا شروع ہو گئیں جب پاکستان کے پہلے وزیرِ اعظم خان لیاقت علی خان کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

کبھی ملک کو معاشی بحران میں مبتلا کیا گیا تو کبھی جرائم، بدعنوانی اور سیاسی رسہ کشی میں اضافہ دیکھنے میں آیا تو کبھی آئین معطل کرتے ہوئے اپنے ذاتی مفادات میں اسلام کا نام استعمال کیا گیا،، تب سے اب تک ملکی حالات کی باگ ڈور بے شمار ہاتھوں میں رہی جن میں سے اکثریت نے اس ملک کو بیچ کھانے میں بھی کوئی کمی نہ رکھی، وقتاً فوقتاً ایسے لوگوں نے اس ملک کا نظام سنبھالا جنہوں نے اپنی تجوریاں بھرنے کی خاطر ملکی سلمیت، عزت وآبرو کو بھی داؤ پر لگا ڈالا۔

23 مارچ ہو یا چودہ اگست ہم صرف دن مناتے ہیں، دن یاد رکھنے والے تو کب کے منوں مٹی تلے جا سوئے۔

جب پاکستان کے نام سے ایک الگ آزاد اسلامی ریاست مطالبہ کیا گیا تو کیا کوئی لفظ ”پاکستان“ کے مفہوم سے آشنا بھی تھا؟

نہیں بالکل نہیں لفظ ”پاکستان،، کو اس وقت عروج حاصل ہوا جب قراردادِ پاکستان میں پاکستان کا نام تجویز کیا گیا۔

لفظ پاکستان کا مطلب کیا۔۔۔ لا الہ الا اللہ۔

لیکن افسوس صد افسوس اسلام کے نام پر حاصل کیئے جانے والے اس ملک میں وہ قومیں، وہ فرقے وہ رسم ورواج پنپ رہے ہیں جو صرف دوسروں کی تقلید میں اپنی ثقافت اپنی روایات کی پاسداری، اپنا کلچر سب بھول کر ماڈرن ازم کی بے جا دوڑ میں آگے اور آگے بڑھنے کے جنون میں فراموش کیئے جا رہے ہیں۔ ہماری نئی نسل اس تقلید سے بخوبی آشنا ہے اور بھرپور مستفید ہو کر اس اندھی تقلید کی شاہراہ پر رواں دواں ہے کیوں کہ یہ نئی نسل اس بات سے بے بہرہ ہے کہ اس آزاد ملک کو پانے کے لیئے اس کی سلامتی کی خاطر، اس آزادی کی خاطر کتنے متوالے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر بیٹھے ہیں، کتنی سہاگنوں نے بیوگی کا کرب سہا، کتنی بیٹیاں باپ کے بنا بے آسرا رہ گئیں، کتنی ماؤں نے اپنے جوان کڑیل بیٹے گنوا دیئے، کتنی بہنیں اپنے لاڈلے بھائیوں کی لاشوں پر نوحہ کناں ہوئیں، اور کتنی مائیں، بہنیں، بیٹیاں اس ملک کے حصول کی خاطر بھیڑیوں کا نشانہ بننے سے پہلے اپنی جان گنوا بیٹھیں کہ وطن سے محبت اور آزادی کا حصول ان سب کی رگ رگ میں یوں بہتا تھا کہ انہیں اپنی جان دینے میں بھی قباحت محسوس نہ ہوئی، اور دشمنوں سے اپنی عزت کا سودا نامنظور ٹھہرا، اور آج اسی ملک میں خود اپنے ہی اپنی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی عزت تار تار کرنے میں پل نہیں لگاتے، کیوں کہ نئی نسل یہ سب جانتی ہی نہیں، نہ ہی جاننا چاہتی ہے، اور نہ ہی کسی کے پاس ٹائم ہے یہ سب بتانے کا تو پھر گلہ کس سے کیجیئے کہ آجکل تو نصاب کی کتابوں میں بھی حصولِ پاکستان کے لیئے دی جانے والی قربانیوں کا ذکر خال خال ہی ملتا ہے، جدھر نظر اٹھائی جائے دہشت گردی، ظلم و بربریت، ناانصافی، چور بازاری، دھوکہ دہی، جھوٹ، بے ایمانی، کرپشن کا بازار گرم ہے، جب اپنے ملک میں یہ حال ہے کہ کسی کو کسی کے دکھ سے، ملک وقوم سے اپنے وطن کے ناموس سے کوئی سروکار نہیں تو ایسے ملک میں بسنے والے بے حس لوگوں سے، حکمرانوں سے، میڈیا سے فلسطین میں مسلمانوں پر

عوامی مینڈیٹ کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں

ہونے والے مظالم پر ہمدردی کی امید چہ معنی دارد؟

بھارت نے ملک دشمنی کی انتہا کر ڈالی اور ہم خیر سگالی کے جذبات تلے دب کر انہونے فیصلے کیئے جا رہے ہیں، کشمیری بہن بھائی دن رات اذیت کے بحرِ بیکراں میں ڈوبے ہوئے ہیں، آئے دن مائیں اپنے جوان جہان بیٹوں کی قربانیاں دے رہی ہیں، آج بھی جگہ جگہ ماؤں بہنوں کی عصمتیں، عزتیں داؤ پر لگی ہیں۔

ملک مہنگائی کی حدوں کو چھو رہا ہے۔

روزمرہ استعمال کی اشیاء کی گرانی حد سے تجاوز کر چکی ہے۔

ملک معاشی بحران کا شکار ہو چکا ہے۔ حکمرانوں میں کرسی کے حصول کے لیے رسہ کشی جاری ہے جس میں ہر طرح سے عوام وخواص پس رہے ہیں، عوامی مینڈیٹ کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں۔

ملکی سالمیت خطرے میں ہے اور۔۔۔۔۔ اور آفریں ہے ہم پر کہ ایسے میں بھی ہم 23 مارچ منا رہے ہیں۔ ❁

ممتاز ماہر تعلیم۔ دانشور۔ نقاد۔ پروفیسر ڈاکٹر رئیس احمد صمدانی نے جدہ میں قیام کے دوران بھی 'اطراف' کو یاد رکھا اور 'اطراف' کے عورت نمبر کے لیے عرق ریزی کی۔ اور قرآن پاک میں جن خواتین کا تذکرہ ہوا ہے۔ ان کے بارے میں تحقیق کی اور قارئین 'اطراف' کو بنیادی معلومات سے آگاہ کیا۔ ہم ان کے شکریے کے ساتھ تحریر نذر قارئین کررہے ہیں۔

خاندانی معاملات۔ عورتوں کے حقوق وفرائض۔ 'النساء' میں

تحریر: ڈاکٹر رئیس احمد صمدانی

اللہ تبارک وتعالیٰ کا سورہ 'الحجر' کی آیت ۲۶ میں ارشاد ہوا کہ 'ہم نے انسان کو کالی اور سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا۔ اس سے قبل اللہ نے جنات کو 'لو' والی آگ سے پیدا کیا۔ فرشتے پہلے ہی تخلیق پا چکے تھے۔ آدم کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خلیفتہ اللہ فی الارض قرار دیا اور فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں، ابلیس نے سجدے سے انکار کیا اور نافرمانی کے باعث راندۂ درگاہ ٹھہرا، آدم علیہ السلام کا ٹھکانہ جنت تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی بائیں پسلی سے ایک عورت 'حوا' پیدا کی۔ گویا آدم کے ساتھ حوا بھی لازمی تھیں۔ شیطان کے بہکانے پر ممنوعہ پھل کھالیا جس کی پاداش میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے دونوں کو جنت سے زمین پر بھیج دیا۔ دونوں کے ملاپ سے انسان جن میں مرد اور عورت شامل تھے وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتے چلے گئے اور دنیا پھیلتی چلی گئی۔

مسلمان مرد اور مسلمان عورتوں سے اللہ کا خطاب

اللہ کا مردوں کے علاوہ عورتوں سے خطاب، مسند احمد، ترمذی میں ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور بعض دیگر صحابیات نے کہا کیا بات ہے، اللہ تعالیٰ ہر جگہ مردوں سے ہی خطاب فرماتا ہے، عورتوں سے نہیں جس پر سُوْرَۃُ الْاَحْزَاب آیت 35 نازل ہوئی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے دونوں کو ایک ساتھ مخاطب کیا، فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، ، فرماں برداری والے مرد اور فرمانبردار عورتیں، راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں، بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور کرنے والیاں سب کے لیے اللہ تعالیٰ نے وسیع مغفرت اور بڑا ثواب تیار رکھا ہے''۔ اللہ کے مردوں اور عورتوں سے خطاب سے واضح ہے کہ اللہ کے نزدیک دونوں کی حیثیت برابر ہے، عبادت واطاعت، اخروی درجات وفضائل میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی تفریق نہیں، دونوں کے لیے یکساں طور پر میدان کھلا ہے اور دونوں زیادہ سے زیادہ نیکیاں اور اجر وثواب کما سکتے ہیں۔

قرآن مجید فرقان حمید میں جن خواتین کا تذکرہ مذکور ہے یہاں بعض کے بارے میں تفصیل سے اور بعض کے بارے میں اختصار سے بیان کیا جائے گا۔ ان خواتین میں کافر بھی ہیں جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی زوجہ واہلہ، حضرت لوط کی زوجہ 'واعلہ' ان کا ذکر قرآن مجید کی سورۃ تحریم میں آیا ہے جنہوں نے نبیوں کی زوجیت میں رہتے ہوئے بھی دشمنی کی اور ایمان کے بغیر ہی ان کا خاتمہ ہوا اور مسلمان نیک اور صالح عورتوں کا تذکرہ اللہ نے واضح الفاظ میں بعض کا بہت تفصیل سے کیا ہے۔ بعض خواتین تو ایسی بھی ہیں جن کے نام پر سورتیں موجود ہیں۔ جیسے حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ماجدہ کے نام پر سورۃ مریم۔ جب کہ قرآن کی سورہ النساء میں عورتوں کے حوالے سے تمام امور تفصیل کے ساتھ، واضح الفاظ میں، صاف صاف بیان ہوئے ہیں۔ یہ مدنی سورۃ ہے، کلام مجید میں ترتیب کے اعتبار سے چوتھی اور

حضرت عیسیٰ کی والدہ مریم۔ پاک دامن۔ متقی

نزول ترتیب کے اعتبار سے 92 ویں سورہ ہے۔ اس سورۃ کو سورۃ النساء کبریٰ یعنی بڑی سورۃ النساء بھی کہا جاتا ہے۔ جب کہ 28 ویں پارہ کی سورہ طلاق کو سورۃ النساء قصری یعنی چھوٹی سورۃ النساء کہا جاتا ہے۔ سورہ النساء جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے خواتین سے متعلق ہے۔ اس سورہ میں عورتوں کے مسائل، احکامات ومعاملات کا بیان ہے اس وجہ سے اس کا نام سورۃ النساء ہے۔ یہ سورۃ آپ محمد ﷺ کے مدینہ ہجرت کے بعد ابتدائی سالوں میں نازل ہوئی۔ اس کا اکثر حصہ جنگ بدر کے بعد نازل ہوا تھا، یہ وہ دور تھا جب ریاست مدینہ اپنے ابتدائی قیام اور استحکام، نیز نئے ریاستی ڈھانچے کی تشکیل کے شروع کے دور میں تھی۔ مسلمانوں کو زندگی گزارنے، ریاست کو مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنے، حکمرانی، اخلاقی ومعاشرتی طریقوں کے لیے کسی لائحہ عمل کی اشد ضرورت تھی، کفار مسلمانوں کے خلاف مسلسل سازشوں میں مصروف تھے۔ ایسی صورت میں سورۃ النساء نے ان تمام معاملات میں کھل کر اور تفصیلی ہدایات و رہنمائی فراہم کی۔ خاندانی معاملات، شرعی احکامات، عورتوں کے حقوق وفرائض، وراثت میں ان کا حصہ، نکاح و دیگر تمام معاملات اس سورہ میں بہت تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

ابوالبشر اماں حوا زوجہ حضرت آدم علیہ السلام

سورۃ النّسآء کی ابتدائی آیات میں پروردگار نے انسانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''اپنے رب سے ڈرو جس نے انسان کو پیدا کیا ایک جان سے اور پیدا کیا اسی میں سے جوڑا اس کا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں''۔ یہاں ایک جان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جب کہ ''اسی میں سے جوڑا اس کا'' جوڑے کا اشارہ اماں حوا کی جانب ہے، پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں 'یعنی جب آدم علیہ السلام اور حوا تخلیق پاگئے تو پھر ان دونوں سے بچے پیدا ہوتے گئے، دنیا پھیلتی گئی۔ اماں حوا کی پیدائش کے بارے دیگر سورتوں میں بھی بیان ہوا ہے لیکن اتنا ہی کہ آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے اماں حوا نے جنم لیا، پھر دونوں سے تمام مرد اور عورتوں کو پیدا کیا اور دنیا پھیلی۔

مریم بنت عمران (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ)

سورۃ آلِ عمران کی آیت ۳۴ میں اللہ تعالیٰ نے عمران کی اس عورت کا ذکر کیا ہے جس کی منت مانی گئی تھی کہ اگر میرے بیٹا ہوا تو میں اسے بیت المقدس کی خدمت کے لیے وقف کردوں گی لیکن جب اس کی مراد پوری ہوئی تو اس کے بیٹا نہیں بلکہ بیٹی پیدا ہوئی ، سورہ آل عمران کی آیت35 میں اس بات کا ذکر کچھ اس طرح سے ہے'' وہ اس وقت بھی سن رہا تھا جب کہا تھا عمران کی عورت نے اے میرے رب! بے شک میں نے نذر مانی ہے تیرے حضور کہ جو کچھ میرے پیٹ میں ہے، وہ تیرے نام پر آزاد ہوگا، سو قبول فرما مجھ سے، بے شک تو ہے ہر بات کا سننے والا، سب کچھ جاننے والا، پھر جب پیدا ہوئی اس کے ہاں وہ بچی تو بولی اے میرے رب میرے ہاں تو پیدا ہوئی ہے لڑکی جب کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ درحقیقت اس نے کیا جنا ہے اور نہیں ہے لڑکا اس لڑکی جیسا اور میں نے نام رکھا اس کا مریم اور میں پناہ میں دیتی ہوں اسے تیری اور اس کی اولاد کو بھی شیطان مردود سے بچانے کے لیے''۔ یہ لڑکی مریمؑ تھی جس کی پرورش اللہ نے زکریاؑ کے سپرد کرائی، زکریاؑ کا کہنا تھا کہ وہ جب بھی اس لڑکی کے پاس جاتے تو اس کے پاس کھانے پینے کا سامان دیکھتے تو کہتے کہ اے مریم یہ سب کچھ کہاں سے آیا تو وہ لڑکی کہتی اللہ کے ہاں سے۔ حضرت زکریا کی عمر طویل ہو چکی تھی کوئی سو سال کی، ان کی بیوی بھی بانجھ تھی لیکن انہیں حسرت ہوئی کہ اللہ انہیں بھی ایسی ہی اولاد سے نواز دے تو کیا بات ہے، اللہ نے زکریاؑ کی فریاد سنی تو بشارت دی زکریاؑ کو اللہ اسے اولاد سے نوازے گا اور ایسا ہی ہوا حضرت زکریاؑ کو بڑھاپے میں حضرت یحییٰؑ عطا کیے۔ زکریا نے اللہ سے کہا کہ اے میرے رب کیوں کر ہوگا میرے ہاں لڑکا جب کہ میں ہو چکا ہوں بوڑھا اور بیوی میری بانجھ ہے، اللہ کا جواب سورہ آل عمران کی آیت 40 میں ''جواب دیا'' اسی طرح'' اللہ کرتا ہے جو چاہے''۔ مریم رضی اللہ عنہا پر یہودیوں نے جو تہمت لگائی اس کی سختی سے مذمت کی گئی اور انہیں پاک دامن، متقی پرہیزگار خاتون قرار دیا گیا۔

> حضرت خدیجہؓ۔رسولؐ کے فرامین پر عمل کرنے والی

واہلہ (حضرت نوح علیہ السلام کی زوجہ)

قرآن مجید کی سورۃ 'تحریم'' میں چار عورتوں کا ذکر ہے، واعلہ (حضرت لوط علیہ السلام کی زوجہ)، آسیہ، مریم اور واہلہ (زوجہ حضرت نوح علیہ السلام)۔ واہلہ حضرت نوح علیہ السلام کی شریک حیات تھیں اور طویل عرصہ نبی کی زوجیت میں رہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کی زوجیت میں ہوتے ہوئے بھی دل سے ایمان نہیں لائیں۔ ان کے دل میں منافقت رہی۔ ایمان نصیب نہیں ہوا بلکہ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی دشمنی اور توہین و بے ادبی کے سبب بے ایمان دنیا سے کوچ کرگئیں۔ حضرت نوح علیہ السلام پہلے نبی ہیں جو شریعت لے کر آئے۔ وہ اپنی قوم کے درمیان پچاس سال رہے۔ حضرت نوح کو کشتی بنانے کا حکم ہوا، انہوں نے کشتی بنائی، سورہ ہود میں ہے حضرت نوح نے اپنے بیٹے کو کشتی میں سوار ہونے کو کہا اس نے انکار کیا، کہا کہ میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا وہ مجھے بچالے گا، کشتی تو اللہ کے حکم سے محفوظ رہی اور پہاڑ جودی پر ٹھہر گئی، قرآن نے حضرت نوح کی زوجہ کو خیانت کار قرار دیا، نبی کی زوجہ ہونے کے باوجود جہنم کی مستحق بن گئی۔ اللہ پاک نے کفر اختیار کرنے والوں میں زوجہ نوح اور زوجہ لوط کی مثال دی ہے۔

واعلہ (حضرت لوط علیہ السلام کی زوجہ)

سورہ تحریم میں حضرت لوط علیہ السلام کی شریک حیات واعلہ کا ذکر ہے۔ جب قوم لوط پر عذاب آیا اور اللہ نے پتھروں کی بارش کی، تو حضرت نوح علیہ السلام اپنے گھر والوں کو لے کر بستی سے باہر چلے گئے۔ چلتے ہوئے انہوں نے سب سے کہا کہ دوران سفر کوئی بھی باہر کی جانب نہ دیکھے، اگر ایسا کیا تو وہ شخص عذاب کا شکار ہو جائے گا۔ تمام لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی اس ہدایت پر سختی سے عمل کیا لیکن ان کی بیوی واعلہ نے خاموشی سے باہر کی جانب دیکھا، اسی لمحے عذاب کا ایک پتھر ان پر آلگا اور وہ ہلاک ہوگئیں۔ سورہ نمل میں ہے کہ حضرت لوط کی زوجہ خیانت کار نکلی اور عذاب میں مبتلا ہوئی۔

آسیہ بنتِ مزحم (مصر کے بادشاہ فرعون کی بیوی)

قرآن کی سورۃ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام اور آسیہ مصر کے بادشاہ فرعون کا قصہ بیان ہوا ہے۔ وہ انتہائی نیک، ہمدرد، خدا ترس خاتون تھیں۔ فرعون اس سے بالکل برعکس، مسلمانوں کا دشمن، اسلام کا دشمن تھا۔ فرعون کو ہمیشہ اپنی سلطنت چھن جانے کا ڈر وخوف رہتا تھا۔ کسی نے اس کے دل میں یہ ڈال دیا کہ اس کی سلطنت میں جو بچہ پیدا ہوگا وہ بڑا ہو کر فرعون کی سلطنت کا خاتمہ کردے گا۔ چنانچہ اس نے اعلان کردیا کہ اب جو بچہ بھی پیدا ہوگا اس کو ماردیا جائے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انہی دنوں پیدا ہوئے، ان کی والدہ نے خوف اور فرعون کے ڈر سے اپنے بچے کو ایک صندوق میں ڈال کر دریائے نیل کی لہروں کے سپرد کردیا، یہ صندوق جس میں حضرت موسیٰ بہت آرام اور اطمینان سے لیٹے تھے دریا کی لہریں انہیں جھولا جھلاتی ہوئی فرعون کے محل میں لے گئیں۔ کنیزوں نے ملکہ آسیہ کو اطلاع دی تو آسیہ نے بچہ کو خفیہ طور پر، فرعون سے مخفی رکھتے ہوئے محل میں چھپا دیا اور اس کی پرورش کرنے لگیں۔ آسیہ کا یہ عمل اللہ کو بھی پسند آیا، بلکہ یہ سارا عمل بچے کا دریا میں محفوظ رہنا، صندوق کا محل میں پہنچنا سب اللہ ہی کی جانب سے تھا۔ آسیہ کی نیکیوں کے باعث ہمارے پیارے نبی حضرت محمدﷺ نے جن چار عورتوں کو جنتی کہا ہے ان میں حضرت خدیجہؓ، فاطمہؓ، مریمؑ اور آسیہؓ شامل ہیں۔ قرآن کریم میں دو پارسا (نیک) عورتوں کا ذکر ہے جن میں سے ایک آسیہ ہیں، فرعون کی بیوی ہوتے ہوئے انہوں نے اسلام کو سچ جانا، حضرت موسیٰ پر ایمان لائیں، اللہ نے قرآن میں ان کا ذکر بطور مثال کے کیا ہے۔

عزیز مصر اور زلیخا

زلیخا عزیز مصر (فوطیفار یا پوتیفار) کی زوجہ اور عابیل کی بیٹی تھی اور بے اولاد بھی۔ اس کا تعلق مصر سے تھا۔ یہ بت پرست تھی، بائبل میں اس کا نام فوطیفار رہے، قرآن میں اس کا ذکر عزیز کے لقب سے آیا ہے اسی نے حضرت یوسف کو خریدا تھا۔ وہ شاہی خزانہ کا سربراہ تھا۔ اس کی بیوی کا نام زلیخا تھا، اسے راعیل بھی کہا گیا ہے۔ عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کو اپنے گھر میں رکھ لیا، جوان ہونے تک عزیز مصر کی بیوی زلیخا آپ کے حسن اور اچھے اخلاق پر فریفتہ ہوگئی۔ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو برائی کی دعوت دی، آپ اللہ کے خوف اور اس کی نشانیوں کو دیکھتے ہوئے گناہ کی جانب مائل نہ ہوئے اور اس کی دعوت کو ٹھکرا دیا، عزیز مصر نے بدنامی سے بچنے کے لیے آپ کو جیل میں ڈلوا دیا، قید خانے میں بھی آپ نے دعوت توحید کا سلسلہ جاری رکھا، جس کی وجہ سے قیدی آپ کی عزت کرتے تھے۔ آپ اپنی نیک سیرت، علم و دانش، خوابوں کی تعبیر اور دیگر اچھائیوں کی وجہ سے لوگوں میں پہچانے جانے لگے، ایک مرتبہ بادشاہ مصر نے خواب دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں اور انہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات خوشے سرسبز اور سات خوشے خشک ہیں، بادشاہ کے دربار میں سے کوئی بھی اس خواب کی تعبیر نہ بتا سکا، اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام سے رجوع کیا گیا، انہوں نے تعبیر بتائی کہ سات سال خوشحالی کے ہوں گے اور سات سال سخت قحط پڑے گا پھر خوشحالی ہوگی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت بادشاہ مصر کے دل میں گھر کرگئی، اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس بلا بھیجا، وہ تمام تر الزامات سے مکمل بری ہوئے اور ان کا سچ ہر ایک کی زبان پر جاری ہوا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی اور پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی شریک حیات تھیں۔ حضرت محمد ﷺ کی ازواج میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ تمام ازواج بیوہ و مطلقہ (طلاق شدہ) تھیں۔ آپ ہمارے نبی ﷺ کی سب سے چہیتی زوجہ تھیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے 'واقعہ افک' جس میں آپ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگایا گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ رضی اللہ عنہا کی برأت نازل فرمائی۔ یہ برأت قرآن کریم کے پارہ ۱۸ (قد افلح) کی 'سورۃ النور' کی آیت ۱۱ و ۱۲ میں بیان ہوئی ہے۔ منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دامن عفت و عزت کو داغ دار کرنا چاہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی برأت نازل فرما کر ان کی پاک دامنی اور عفت کو واضح تر کر دیا۔ نبی ﷺ ایک ماہ تک جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے برأت نازل نہیں ہوئی سخت پریشان رہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی اپنی جگہ بے قرار و مضطرب رہیں۔ اللہ نے اس واقعے کو اختصار و جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اور کہا اہل ایمان سے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر اتہام طرازی کی گئی تو تم نے اپنے پر قیاس کرتے ہوئے فوراً اس کی تردید کیوں نہ کی اور اسے بہتان صریح کیوں قرار نہیں دیا۔ اللہ نے یہاں یہ بھی کہا کہ 'اس بہتان پر انہوں نے ایک گواہ بھی پیش نہیں کیا'، پھر فرمایا آیت 17 میں فرمایا ''اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے اگر تم مومن ہو تو دوبارہ کبھی اس جیسی بات نہ کرنا''۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد (زوجہ اول محمد ﷺ)

حضرت محمد ﷺ کی زوجہ اول حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جو خواتین میں سب سے پہلے ایمان لائیں، ہمارے نبی نے فرمایا کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا مجھ پر تب ایمان لائیں جب لوگ منکر تھے انہوں نے میری اس وقت تصدیق کی جب لوگ مجھے جھٹلاتے تھے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول کے فرامین پر عمل کرنے والی تھیں۔ آپ ﷺ نے نبوت سے قبل ۲۵ برس کی عمر میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر ۴۰ برس تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ محمد ﷺ کی پہلی زوجہ تھیں۔ جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا حیات رہیں آپ ﷺ نے کوئی اور شادی نہیں کی، باقی تمام شادیاں ۵۰ برس کی عمر کے بعد کیں اور ۶۳ برس کی عمر میں آپ ﷺ پردہ فرما گئے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے نکاح میں آنے کے بعد ۲۵ برس تک حیات رہیں۔ سُوْرَۃُ الْاَحْقَافِ کے موضوعات میں کفار مکہ کی زیادتیاں اور حضور ﷺ کو طرح طرح سے پریشانیوں میں مبتلا کرنا، اس سال کو آپ ﷺ نے عام الحزن یعنی رنج کا سال بھی فرمایا، اس لیے کہ اس سال آپ کے چچا ابو طالب اور آپ کی شریک حیات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا، ان دونوں سے آپ کو بہت سہارا اور ڈھارس تھی، ان کی جدائی کے بعد کفار مکہ نے اور زیادہ پریشان کیا اور اذیتیں پہنچائیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش

حضرت زینب رضی اللہ عنہا جو نبی ﷺ کی پھوپھی زاد تھیں کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا، دونوں میں اختلاف رہا اور بات بن نہ سکی، معاملہ طلاق پر منتج ہوا، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ عرب ضرور تھے لیکن آپ غلام تھے جب کہ حضرت زینب رضی اللہ تعالی عنہا محمد ﷺ کے خاندان سے تھیں، زید جب چھوٹے تھے تو انہیں بطور غلام بیچ دیا گیا تھا، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حضور اکرم ﷺ سے نکاح کے بعد حضرت خدیجہ نے انہیں حضرت محمد ﷺ کو ہبہ کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے انہیں آزاد کر کے اپنا منہ بولا بیٹا (متبنیٰ) بنا لیا تھا، نبی ﷺ نے ان کے نکاح کے لیے حضرت زینب رضی اللہ عنہا جو آپ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں کو چنا، حضور ﷺ کی خواہش تھی اس لیے نکاح تو ہو گیا لیکن خاندان میں اس نکاح پر کچھ اختلاف بھی پایا جاتا تھا اس کی بنیادی وجہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا غلام ہونا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں، اس پر یہ سورت نازل ہوئی جس میں کہا گیا کہ اللہ اور رسول کے فیصلے کے بعد کسی کو یہ حق نہیں کہ اس میں دخل دے، بلکہ اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ اسے دل سے تسلیم کر لے۔ اس آیت کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا سمیت سب نے اس فیصلے کو تسلیم کیا۔ نکاح ہو گیا۔ لیکن دونوں میاں بیوی کے مزاج میں فرق تھا، ہم آہنگی نہیں تھی، اس میں خاندانی نسب، اور اس بات کا بھی دخل تھا کہ جب یہ بات شروع ہوئی تو دل میں اس کے لیے ناپسندیدگی تھی لیکن اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ سمجھ کر قبول کر لیا، وقت کے ساتھ ساتھ اختلافات بڑھتے گئے، نبی ﷺ کے علم میں ان دونوں کے اختلافات آتے رہے آپ ﷺ دونوں کو سمجھاتے رہے، یہاں تک کہ طلاق کا عندیہ بھی دیا گیا، آپ ﷺ نے طلاق دینے سے روکا اور نباہ کرنے کی تلقین فرماتے۔ علاوہ ازیں اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو اس پیش گوئی سے بھی آگاہ فرما دیا تھا کہ زید

کی طرف سے طلاق واقع ہو کر رہے گی اور اس کے بعد زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح آپ سے کر دیا جائے گا، اس کا ایک مقصد اس رسم اور خیال کی نفی کرنا بھی تھا کہ منہ بولا بیٹا، شریعت میں حقیقی بیٹے کی طرح نہیں ہے اور اس کا مطلقہ سے نکاح جائز ہے۔ اس آیت میں ان باتوں کی جانب بھی اشارہ کیا گیا، فرمایا اللہ نے آیت 37 میں ''پس جب کہ زید نے اس عورت سے اپنی غرض پوری کر لی، ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا، تاکہ مسلمانوں پر اپنے لے پالکوں کی بیویوں کے بارے میں کسی طرح کی تنگی نہ رہے جب کہ وہ اپنی غرض ان سے پوری کرلیں، اللہ کا یہ حکم تو ہو کر ہی رہنے والا تھا''۔ گویا حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح حکم خداوندی تھا، یہ نکاح معروف طریقے کے برعکس صرف اللہ کے حکم سے آسمانوں پر ہوا، نکاح خوانی، ولایت، حق مہر اور گواہوں کے بغیر ہی۔ یہ پہلے سے ہی تقدیر الٰہی میں تھا۔ حضرت زینب دنیا کی وہ واحد خاتون اور ہمارے نبی ﷺ زوجہ ہیں جن کا نکاح دنیا میں ہونے والے نکاحوں کی مانند نہ تھا بلکہ یہ ایسا نکاح تھا جس میں عام لوگوں کی شرکت نہیں تھی۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمانوں پر آپ کا نکاح ہوا جس پر حضرت زینب کو فخر بھی تھا اور ہونا بھی چاہیے تھا۔

آمنہ بنت وھب (والدہ محترم حضرت محمد ﷺ)

آمنہ بنت وھب ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی والدہ محترمہ تھیں۔ آپ کی والدہ کا نام وہب بن عبد مناف تھا، آپ کا تعلق بنوزہرہ سے تھا۔ آپ کا سلسلہ حضرت محمد ﷺ کے جدِ امجد عبد مناف بن قصی سے ملتا ہے۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی ظاہری وضع قطع میں ایک خوبصورت اور باوقار خاتون تھیں اور قبیلہ قریش میں بالعموم اور بنوزہرہ قبیلے میں بالخصوص ممتاز شخصیت کی مالک تھیں۔ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے خاندانی نسب و نسبت اور ذاتی حسن و جمال کے علاوہ بھی منفرد خصوصیات کی حامل تھیں جو آپ کو بنوزہرہ قبیلہ کی دیگر خواتین سے ممتاز کرتی تھیں۔ جن میں بالخصوص آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاک دامنی، شرافت، زکاوت، برد باری اور حلم شامل تھا۔ مکہ سے مدینہ کے سفر کے دوران ''ابوا'' موجودہ نام وادیِ الخُربیہ'' کے مقام پر آپ کی طبیعت خراب ہوئی اور آپ اللہ کو پیاری ہوئیں۔ ۵۷۷ء میں آپ کا اسی مقام پر انتقال ہوا اور اسی جگہ ایک چھوٹی سی پہاڑی پر دفن ہوئیں۔

ملکہ سبا (ملکہ بلقیس)

حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں مستقل طور پر رہنے والا پرندہ ہدہد بھی تھا۔ جس نے ایک دن سلیمان علیہ السلام کو ملکہ سبا، اس کے مثالی تخت اور اس کی قوم کی اطلاع دی۔ یہ بھی بتایا کہ وہ سورج کی پوجا کرتے ہیں۔ سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کے ذریعے ملکہ سبا کو خط پہچایا جس میں اسے ان کے دربار میں حاضر ہونے کا کہا گیا تھا، ملکہ سبا کو اپنی مملکت، مادی اسباب پر بڑا ناز تھا، ملکہ کا تخت اس کے آنے سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل میں پہنچا دیا گیا، ملکہ سبا جب سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہنچی تو اس نے اپنا شاندار تخت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں پہلے سے موجود پایا، وہ سلیمان علیہ السلام کی حکومت اور سج دھج دیکھ کر حیران رہ گئی، وہ متاثر اس حد تک ہوئی کہ اسلام قبول کر لیا۔ سورہ توبہ کی ایک خاص بات جو کسی اور سورت میں نہیں وہ یہ کہ اس کی آیت 30 کے درمیان میں بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیُم آیا ہے، دیگر سورتوں سوائے سورہ توبہ کے آغاز میں بسم اللہ لکھا اور پڑھا جاتا ہے لیکن یہ واحد سورۃ ہے کہ جس کے آغاز میں اور آیت 30 میں بسم اللہ آیا ہے۔ یہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کے واقعہ میں ہے۔ جب سلیمان علیہ السلام ہدہد کو حکم دیتے ہیں کہ وہ ملکہ سبا کو ان کا خط پہنچا کر آئے، اس طرح کہ اسے محسوس نہ ہو، ہدہد وہ خط ملکہ کو پہنچا دیتا ہے، بلقیس اپنے سرداروں سے مشورہ کرتے ہوئے کہتی ہے ''اے سردارو! ایک گرامی نامہ ڈالا گیا ہے، بے شک وہ سلیمان کی طرف سے ہے، اور بے شک اس کا آغاز اللہ کے نام سے ہے ''جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے'' اور یہ کہ تم میرے مقابلے میں سرکشی نہ کرنا''، ملکہ سبا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جانے کا پروگرام بناتی ہے ادھر جنات میں سے ایک 'دیو جن' نے کہا کہ میں آپ کو تخت لا دیتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں، یہی ہوا کہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل میں آئی تو اس کا تخت پہلے سے موجود تھا۔

ان خواتین کے علاوہ نبی آخر حضرت محمد ﷺ کی ازواج مطہرات جن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنہا کے علاوہ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت زینب بنت حزیمہ رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت صفیہ بنت حی بنت اخطب رضی اللہ تعالی عنہا، حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ تعالی عنہا اور حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا شامل ہیں۔ سورہ احزاب کی آخری آیت ازواج مطہرات کے بارے میں ہے، آیت 32 میں نبی ﷺ کی ازواج مطہرات سے خطاب ہے فرمایا ''اے نبی ﷺ کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم پرہیزگاری اختیار کرو تو نرم لہجے سے بات کرو کہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی برا خیال کرے اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو اور اپنے گھر میں قرار سے رہو، اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ کا اظہار نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو، اے اہل بیتِ! بس اللہ تو چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی دور کر دے اور تمہیں پوری طرح پاک صاف کر دے۔ یاد رکھو اللہ کی آیات اور سنت کی باتیں جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی ہیں وہ یاد کرو۔ بے شک اللہ لطیف اور باخبر ہے''۔ ان آیات کے سیاق و سباق سے واضح ہوتا ہے کہ اہل البیت سے مراد نبی ﷺ کی تمام ازواج ہیں اللہ نے پہلے نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کو برائی سے اجتناب کا کہا بعد میں انہیں نیکی اختیار کرنے کی ہدایت کی۔

ان کے علاوہ دیگر عورتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریک حیات ہاجرہ جو حضرت اسماعیل کی والدہ محترمہ تھیں، حضرت موسیٰ کی والدہ یوخابز، قرآن میں ام موسیٰ کے الفاظ دو مرتبہ استعمال ہوئے ہیں، بہن اور بیوی، عمران کی بیوی، ماریہ قبطیہ، حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت اسحٰق کی زوجہ اور حضرت عیسیٰ کی والدہ راحیل، حضرت یوسف اور بن یامین کی والدہ، عمران کی زوجہ، زکریہ کی زوجہ اور دیگر عورتوں کا کہیں کہیں اور سرسری ذکر آیا ہے۔ بعض خواتین کا نام نہیں لیا گیا بلکہ انہیں کسی حوالے سے مخاطب کیا گیا۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو جب عورتوں نے دیکھا تو انہوں نے یوسف کی خوبصورتی، وجاہت کو دیکھا تو اپنی انگلیاں دانتوں میں دے لیں۔ یہاں عورتوں کا نام نہیں لیا گیا صرف عورتیں ہی کہا گیا۔ ان عورتوں کا یہ عمل حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و خوبصورت ہونے کی جانب اشارہ تھا۔ (۱۵ فروری ۲۰۲۴ء، جدہ) ۞

سعیدہ افضل اُردو کی نامور افسانہ نگار۔ ناول نویس۔ اور ’اخبار جہاں‘ میں پہلے پہلے ”نفسیاتی مسائل اور ان کا حل“ پھر ”تین عورتیں تین کہانیاں“ کے مقبول سلسلوں کی خالق ’اطراف‘ کی درخواست پر اپنی خود نوشت ’عمر کا سورج‘ میں اپنی حسین یادوں کے پھول چُن رہی ہیں۔ اور ’اطراف‘ انہیں قسط وار پیش کررہا ہے یہ سلسلہ پاکستان کے قارئین کے ساتھ ساتھ سمندر پار پاکستانیوں میں بھی بہت پذیرائی حاصل کررہا ہے۔اپنے بچپن میں ان کے ارد گرد جنوبی پنجاب میں اور ساتھ ساتھ کراچی میں جو رہن سہن تھا۔ کھانے پینے کی روایات تھیں۔ ان دنوں کے استعمال کے برتن۔ رہائش کے ساز و سامان کو یاد کررہی ہیں۔ اس دَور کی اصطلاحات۔ لوک گیت۔ ایک سماں بندھ رہا ہے۔ بالکل ایسے جیسے ایک فلم چل رہی ہے۔ پڑھئے اور اپنی رائے دیجئے۔

پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار شریف کے قریب ان کی آل اولاد، رشتہ داروں کے ساتھ سعیدہ افضل اور عزیزہ افضل

چوڑا رخصت۔ کانچ کی چوڑیاں غالب

قسط نمبر 7

نامور ناول نگار اور صحافی سعیدہ افضل کی تحریر

بچپن میں، میں نے اپنے علاقے میں اسی چوڑے کی بہت اہمیت دیکھی ہے بابا غلام فرید صوفی شاعر کے کلام میں بہت جگہ اس زیور کا ذکر ملے گا جوان کے زمانے میں ہاتھی دانت کا بنا ہوا ہی ملتا تھا اور سہاگ کی نشانی سمجھا جاتا تھا۔

بقول خواجہ غلام فرید

سنگ یاں، سرتیاں، سیج وچھاون
بانہہ چوڑیلی، ور......گل، لاون
اِک مفت رہی مہجور

(مطلب کہ میری تمام سہیلیاں سیج بچھا چوڑے والے بازو سے اپنے سہاگ کے ساتھ گلے مل کر مسرور ہیں اور میں اکیلی رنجور ہوں کہ میرا سجن میرے پاس نہیں ہے)

اب بھی دیہات میں عورتیں چاندی کے زیور ہی پہنتی ہیں۔شہر سے چوڑے کا رواج رخصت ہوگیا ہے۔لڑکیاں اب کانچ کی چوڑیاں پسند کرتی ہیں۔

میرے بچپن یں منہاری جس کو گنورائی کہتے تھے سر پر ٹوکرا رکھے گاہے بگاہے گھر میں آجاتی تھی۔ وہ آہستہ سے ٹوکرا سر سے اتار کر برآمدے میں رکھ دیتی، جس میں پتلی سُتلی سے ہار کی طرح کانچ کی چوڑیاں دستوں میں پروئی ہوتیں۔ ہر دستہ مختلف رنگ کا ہوتا اور ایک دستے (سیٹ) میں بارہ بارہ کہ چوبیس چوبیس چوڑیاں ہوتیں۔تعداد مجھے اب ٹھیک سے یاد نہیں رہی۔

ان دنوں ڈیرہ میں خواتین کے لیے خود بازار جا کر چوڑیاں خریدنے کا رواج نہیں تھا۔ چوڑی والی ہی گھر پر آتی تھی، اسی طرح پھول والی جس کو ’آرائین‘ کہتے تھے شام کو پھولوں کی کھاری میں جو کوندر سے بنی ہوتی پھولوں کے گجرے رکھ کر لاتی تھی۔ جونہی وہ ٹوکری سے گیلا کپڑا ہٹاتی۔ سارے گھر میں موتیا، کرنا اور دیسی گلابوں کی تیز خوشبو پھیل جاتی۔ آرائین اس گھر میں خاص طور پر ہر شام کو ضرور گجرے

چوڑیوں والی۔ گجرے والی
گھروں پر ہی آتیں

لے کر جاتی جس گھر نئی نویلی دلہن ہوتی۔ اس زمانے میں کانچ کی چوڑیاں مشینوں پر نہیں بنتی تھیں۔ ونگ ڑے تھے (چوڑی گر) ان کو دستی مشین پر ہاتھ سے بناتے تھے۔ یہ مشینیں بجلی کے بغیر چلتی تھیں۔ کانچ کو پگھلا کر لکڑی کے گول رولرز پر چوڑیاں بناتے تھے۔ یہ اتنی نازک خوش رنگ اور چمکیلی ہوتی تھیں کہ آج کے دَور میں ہوتیں تو ہزاروں میں دستہ بکتا۔ یہ صنعت بھی پاکستان کے قیام کے کچھ ہی

عرصے بعد ختم ہوگئی۔

ڈیرہ کے لوگ چوڑیوں کو ونگاں کہتے۔ چوڑا ہاتھی دانت کا اور ونگاں کانچ کی ہوتیں، خواجہ غلام فرید نے انہی نازک چوڑیوں کے بارے میں میں اپنے اشعار میں کہا ہے۔

بجلی کے بغیر چلنے والی مشینیں۔ نازک چوڑیاں بناتیں

رتھ دھمیں، دھمیں ٹور
میڈا دستہ، نرم کرور دا
متاں، ونگاں لگن ٹکور
رتھ تے بہندی دڑک نہ سہندی
ہم طبع کم زور

مطلب کہ نازنین جو رتھ پر بیٹھی سفر کر رہی ہے۔ رتھ چلانے والے سے یہ کہہ رہی ہے کہ رتھ کو دھیمی رفتار سے چلاؤ میں نازک اندام ہوں اور رتھ کا جھٹکا نہیں سہہ سکتی اور میری کلائیوں میں جو چوڑیوں کا بلورین (سیٹ) دستہ ہے، وہ کرور کا یعنی نرم و نازک کانچ کا ہے۔ کہیں ٹھیس لگنے سے ٹوٹ نہ جائے۔

جنوبی پنجاب کے صوفی کلام کو خواجہ فرید سرائیکی کے شاعر تھے اور اسی وسیب کی بھرپور عکاسی ان کے اشعار میں ملتی ہے۔ ان کا مزار کوٹ مٹھن، میں ہے، ان کے کلام میں سرائیکی علاقے اور وسیب کے تمام رنگ روپ زیورات کے نام کلاسیک حیثیت کے ساتھ اور ریت پریت رسم و رواج یہاں کے باشندوں کی ذات پات اور روہی چولستان کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔

وچ روہی دے راہندیاں
نازک نازک جٹیاں
راتیں کرن شکار دلا دے
ڈیہنے دلوڑن مٹیاں

مطلب صحرا چولستان میں نازک نازک جٹیاں رہتی ہیں، جو شب کو دل شکار کرتی ہیں اور دن کو چھاچھ بلوتی ہیں۔ ڈیرہ غازی خان میں ہماری دیہاتی مزارعوں کی عورتیں، ہماری جٹیاں بھی چھاچھ بلوتی تھیں۔ اور چھاچھ بلوتے وقت زیر لب لوک گیت گنگناتی تھیں۔

چھاچھ بلونا تو ہمارے دیہات کے کلچر میں شامل ہے۔ میری دادی جب چھاچھ بلو کر رکھتیں۔ میں آتے جاتے پیتل کی گڑوی بھر بھر منہ

ساس تمہاری کانی۔ سسر تمہارا گنجا

سے لگاتی اور پی جاتی، اس کی مہک، اس کا ذائقہ، کسی اور شے میں نہیں یہ خدا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔

کیا ہی نعمتیں تھیں کہ ہم کو نصیب ہوئیں مگر ہمارے شہری بچوں نے

فریئر روڈ کا فلیٹ۔1948 (سعیدہ افضل بچپن)
میرے چچا اکبر خان، میں اور میری گیلری

ان کے ذائقے بھی نہیں چکھے۔

ڈیرہ کے ہر گھر میں تب مٹی مندھانی، پتھر کی چکی اور چرخہ ہوتا تھا، مثال دی جاتی کہ مٹی مندھانی ساس کے لیے، چرخے کی کات بزرگ عورت کے لیے، اور چکی کا پھیر (سختی) بہو بچاری کے لیے، چونکہ پرانے زمانے میں بہوؤں پر ساس کی شخصیت حاوی رہتی تھی۔

چکی کا پھیر بہو بچاری کے لیے

تبھی ایسی مثالیں بنتی تھیں۔

ساگ متھے دا بھاگ، میڈیں نوحریں کیتے
مکھن سنج سکھن، میڈیں دھی ریں کیتے

مطلب کہ ساگ کھانے والے تو بھاگوان ہوتے ہیں اس لیے اپنی بہوؤں کو دیتی ہوں اور مکھن ہے ہی کنجوس سی شے تو چلو بیٹیوں کے لیے سہی..... یہ ایک طنزیہ کہاوت ہے۔ ایسا ہی ایک لوک گیت

پیر حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے دربار پر ان کے خاندان کے بزرگ کے ساتھ (بغداد۔1949)

ہماری جٹی بچل گایا کرتی تھی۔

گھب گھب مٹی اے
چھاتیڈی کٹھی اے
مکھن تیڈا پیلا اے
سونے دا نہیلا اے

وچ روہی دے رہندیاں۔ نازک نازک جٹیاں

لوک گیت میں لیکن آگے طنز کرتی ہے

سس تیڈی کانی اے
ہٹی تے وکانی اے
سورا تیڈا گنجا اے
بیر نال ٹنگیا اے

مطلب کہ اے سہیلی جب تم دہی بلوتی ہو وہ اتنی زیادہ ہوتی ہے بھری ہوئی کہ تمہاری مٹکی سے گھب گھب کی آواز آتی ہے۔ مکھن بھی تمہارا پیلا (قیمتی) ہوتا ہے اور نہیلا بھی تمہارا سونے کا ہے۔ یہاں تو سب ٹھیک ہے لیکن......ساس تمہاری کانی ہے ایک آنکھ سے محروم ہے تبھی اس کی کوئی قیمت نہیں پڑنے والی یہ تو ہٹی (چھوٹی سی دکان) پر بیچنے لائق ہے، اور سسر تمہارا گنجا ہے سو بیری کے درخت سے ٹنگا ہوا ہے۔

لوک گیت عوامی جذبات کی عکاسی کرتے ہیں یہ اپنے عہد کے آئینہ دار ہوتے ہیں گھر کے نظام میں ساس کو بڑا مانا جاتا تھا ساس کا حکم چلتا تھا سو بہو خود کو مظلوم جانتی یہی سمجھتی کہ وہ ساس کا ظلم سہنے پر مجبور ہے۔ لہٰذا جلے دل کے پھپھولے لوک گیتوں میں پھوٹتی ہے منہ سے تو کچھ نہ کہہ سکتی تھی اپنی مظلومیت کا اظہار لوک گیتوں کو گنگنا کر کیا کرتی۔

پیلا مکھن گائے کے دودھ کا ہوتا ہے جو کہ بھینس کے سفید مکھن سے زیادہ صحت بخش اور قیمتی ہوتا ہے۔ اور نہیلا...... محض لکڑی کا کھدرا ڈنڈا نہیں ہوتا کہ جس کے گرد سُتلی لپیٹ کر مندھانی کو گھماتے رہو بلکہ یہ رنگین چتر کاری سے بنا ہوا جاذب نظر کلا ہوتا ہے جو اعلیٰ کاریگری کا شہکار ہوتا تھا۔ تب تو جام پور میں لکڑی پر اعلیٰ چتر کاری کا فن تاریخی حیثیت رکھتا تھا۔ بیٹیوں کے جہیز میں دینے کے لیے سنگاردان، زیورات کے ڈبے (دبلے) کھاٹ کے رنگین پائے مندھانی اور نہیلے۔ خاص طور پر جام پور سے بنوائے جاتے تھے۔

لوک گیت عوامی جذبات کی عکاسی کرتے ہیں

ممکن ہے ماضی میں رانیوں، مہارانیوں اور رئیسوں کے گھروں میں نہیلے سونے کے ہوتے ہوں گے تبھی تو لوک گیتوں میں ان کو سونے کا کہا گیا ہے۔ (جاری ہے)

☆ عورت کو مغرب میں کیا حقوق اور احترام حاصل ہے۔
☆ اسلام نے خاتون کو کیا مقام دیا۔
☆ انتہائی محترم اسکالرز اور محققین کے مضامین۔
☆ خواتین کی تمام انجمنوں اور ذاتی لائبریری کے لیے ناگزیر

قیمت: 1200 روپے

'اعتراف خدمت اعزاز' کی تقریب میں صرف 800 روپے۔ دو نسخے: 1500 روپے

تفصیلات کے لیے: راجہ شاہد۔ 0300-8210636

جہاں آراء۔ دوطلائی تمغے مبارک

’اطراف‘ انتہائی مسرت کے ساتھ قارئین کو بھی اس خوشی میں شریک کررہا ہے کہ ہماری قلمی معاون جہاں آراء نے جامعہ کراچی کے سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد میں دو گولڈ میڈل حاصل کیے۔ وہ طالب علم بھی ہیں۔ اور استاد بھی۔ بڑی ہمت کی بات ہے کہ انہوں نے ایم اے اکنامکس پرائیویٹ امیدوار کے طور پر کیا۔ ’اطراف‘ کی طرف سے انہیں دلی مبارکباد۔

جہاں آراء پاکستان اسٹڈیز میں دوطلائی تمغے

☆ اطراف رپورٹ

جامعہ کراچی کا 31 واں جلسہ تقسیم اسناد بروز ہفتہ 27 جنوری 2024ء کو منعقد کیا گیا، جس میں جہاں آراء کو پاکستان اسٹڈی سینٹر جامعہ کراچی میں فرسٹ کلاس فرسٹ پوزیشن حاصل کرنے پر دوطلائی تمغوں سے نوازا گیا۔ جن میں ایک تمغہ " ڈاکٹر فرمان فتح پوری گولڈ میڈل" محترم ڈاکٹر فرمان فتح پوری فیملی کی جانب سے اسپانسر کیا گیا تھا۔ تقریب کے مہمان خصوصی صدر پاکستان محترم ڈاکٹر عارف علوی صاحب تھے جنہوں نے طالبعلموں کو گولڈ میڈل پہنائے۔

جہاں آراء جامعہ کراچی پاکستان اسٹڈی سینٹر میں ایم فل کی طالب علم ہیں۔ حصول علم کے ساتھ ساتھ تقریباً دس سال سے شعبہ تدریس سے وابستہ ہیں۔ وہ اسکول، کالج (سرکاری ونجی) اور یونیورسٹی ہر سطح پر تدریس کے فرائض انجام دے چکی ہیں۔ وہ علم اور حلم کو لازم وملزوم قرار دیتی ہیں اور طالبعلموں کی کردار سازی میں اپنا بھر پور کردار ادا کرتی ہیں۔ ان کے سیکھنے سکھانے کا یہ عمل بڑی خشوع وخضوع کے ساتھ جاری وساری ہے۔

حصول علم کے ساتھ دس سال سے پڑھا بھی رہی ہیں

ماہنامہ ’اطراف‘ کے لیے اہم موضوعات پر دل نشیں تحریریں

انہوں نے بی اے کی تکمیل کے بعد ایم اے اکنامکس جامعہ کراچی سے پرائیویٹ امیدوار کے طور پر کیا۔ بعدازاں ایم اے پاکستان اسٹڈی اور اب ایم فل کی تکمیل کے لیے کوشاں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وقت کا درست مصرف پڑھنا اور پڑھانا ہے۔ آپ بحثیت مقرر بھی کچھ ادبی تقاریب میں شرکت کرتی ہیں۔ اس ضمن میں کئی تعریفی اسناد اور شیلڈز بھی لے چکی ہیں۔ آپ ایک اچھی لکھاری بننے کے لیے بھی کوشاں ہیں۔ اس ضمن میں وہ محمود شام صاحب کی بے حد شکر گزار ہیں کہ وہ انہیں لکھنے لکھانے کے بہترین مواقع فراہم کر رہے ہیں اور سیکھنے کے اس عمل میں نہایت معاون ثابت ہوتے ہیں اور ایک شفیق استاد کی حیثیت سے رہنمائی اور حوصلہ افزائی بھی فرماتے ہیں۔

جہاں آراء کا کہنا ہے کہ ان کی کامیابیوں کا ان کے والدین اور اساتذہ کے سر ہے۔ خاص طور پر پاکستان اسٹڈی سینٹر جامعہ کراچی میں داخلہ لینا ان کے نہایت خوش بختی کا باعث ہے۔ کیونکہ یہاں انہیں بہترین اساتذہ ملے ہیں جو کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کی دیگر صلاحیتوں کو نکھارنے میں بھی بہت معاون ثابت ہوتے ہیں۔

کانونٹ اسکولز۔ کب کیوں کیسے؟

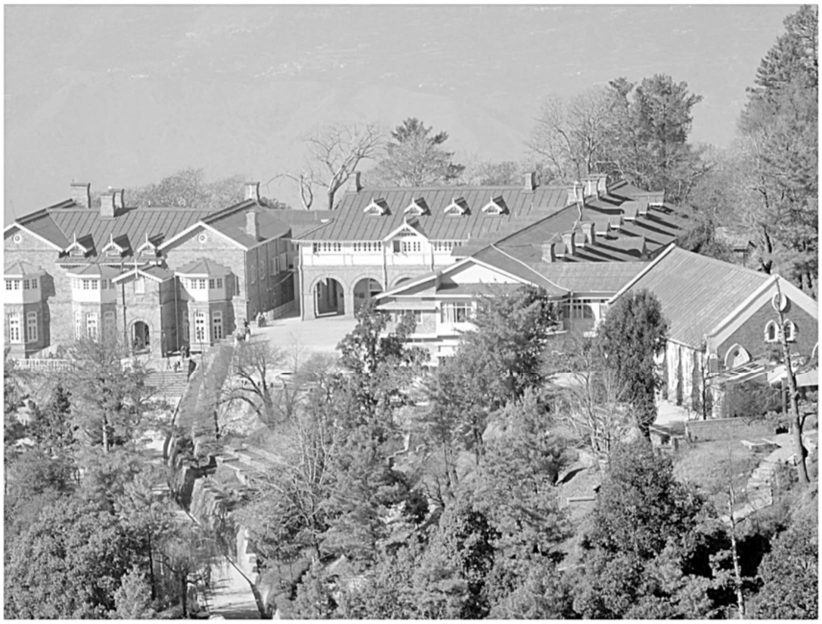

’اطراف‘ کی قلمی معاون ثمینہ جیرون کانونٹ اسکولز میں اُردو کی تدریس کا فرض انجام دیتی ہیں۔ ان سے ہم نے درخواست کی کہ وہ کانونٹ اسکولز کی تاریخ۔ اغراض و مقاصد سے قارئین اطراف کو آگاہ کریں۔ انہوں نے بہت مختصر مگر جامع تحریر عنایت کی ہے۔ ان اسکولوں کا تعلیمی معیار اور نظم و ضبط ہمیشہ قابل رشک رہا ہے۔ داخلے کے لیے سفارشات کا سلسلہ بھی رہتا ہے۔ پڑھئے اور اپنی رائے سے آگاہ کیجئے۔

انیسویں صدی۔ جیزز اینڈ میری اسکول کی بنیاد سیالکوٹ میں

تحریر: ثمینہ جیرون

یہی ہے عبادت یہی دین وایمان
کہ دُنیا میں کام آئے انساں کے انساں

روزِ اوّل سے ہی خلق خدا انسانیت کی خدمت کے لیے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی رہی ہے اور اسی کا ثمر ہے کہ آج بنی نوع انسان کے لیے حصولِ علم جوئے شیر لانے کے مترادف نہیں رہا۔ بے شمار لوگوں نے تعلیم کے شعبے میں اپنا حصہ ڈالا اور تعلیم عام کرنے میں اپنا اپنا کردار ادا کیا۔ انھی عظیم ہستیوں میں کانونٹ آف جیزز اینڈ میری سکولز کی سسٹرز بھی شامل ہیں۔

کانوینٹ آف جیزز اینڈ میری اسکولز کی مختصر تاریخ

کانونٹ سکولز کا آغاز انیسویں صدی میں رومن کیتھولک کے زیر سایہ فرانس سے ہوا۔ اس کا آغاز سینٹ کلوڈین تھیونٹ نے کیا۔ برصغیر پاک وہند میں بشپ جیکب کی مدد سے 5 سسٹرز آگرہ سے سردانہ اور پھر لاہور آئیں۔ پھر انہوں نے اپنے دو ماہ کے سفر کو مکمل کر کے سیالکوٹ میں قیام کیا۔ اس طرح سیالکوٹ میں جیزز اینڈ میری سکول کی بنیاد رکھی گئی۔ 1857 کی جنگ آزادی میں وسائل کی کمی کے باعث یہ سکول کچھ عرصے کے لیے بند ہو گیا مگر 1869 میں برٹش ملٹری کی مدد سے اسے پھر بحال کیا گیا اور تب سے آج تک یہ سکول تعلیم و تربیت میں رواں دواں ہے اور اسے تقریباً ایک سو چوّن سال ہو گئے ہیں۔

اس کے بعد لاہور اور مری میں بھی کانونٹ سکول بنائے گئے۔ تقسیم ہند 1947 کے بعد تمام سکول بند کر دیے گئے۔ سکولوں کے درمیان کوئی رابطہ نہ تھا۔ بھارت اور پاکستان کے سکولوں کو بھی الگ کر دیا گیا۔

1950 میں Mother Luisa Fernanda نے پاکستان اور بھارت کا دورہ کیا اور دونوں ممالک میں سکول دوبارہ شروع کیے گئے۔ اس وقت آئرلینڈ سے سسٹرز کی خدمات لی گئیں۔ اُن سسٹرز نے پاکستان کے سکولوں میں اپنی خدمات پیش کیں۔

پاکستان کی پروونیشل Mother Dominic Cahill تھیں۔ پہلے وہ پونے انڈیا میں تھیں پھر پاکستان میں آئیں۔

یکم اپریل 1955 میں پاکستان میں باقاعدہ آغاز

یکم اپریل 1955 میں پاکستان میں کانونٹ نے باقاعدہ Mother Dominic Cahill کی سرپرستی میں کام شروع کیا۔ ماریہ خیل میں 1956 میں سکول قائم ہوا پھر 1957 میں کراچی میں کانونٹ آف جیزز اینڈ میری میں کام کا آغاز ہوا۔ 1979 میں اسلام آباد میں ایک سکول نے اپنا کام شروع کیا۔ 1986 میں لاہور شادباغ میں کانونٹ نے اپنے کام کو آگے بڑھایا۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ میں بھی 1999 میں سینٹر قائم کیا گیا۔

ماریہ خیل 1956۔ کراچی 1957۔ اسلام آباد 1979

ان سکولوں کا سب سے بڑا مقصد مل جل کر رہنا اور ایک دوسرے کا احترام کرتے ہوئے ترقی کی راہ پر گامزن رہنا ہے۔ پاکستان کے کانونٹ سکول میں میٹرک اور کیمبرج دونوں سسٹم پڑھائے

جاتے ہیں۔ پاکستان بھر میں قابل اساتذہ سسٹرز کی مدد میں پیش پیش ہیں۔ رسمی تعلیم کے ساتھ ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں میں ان

کانونٹ اسکول میں میٹرک اور کیمرج دونوں سسٹم

سکولوں کا ثانی نہیں۔ کھیلوں کے علاوہ کشتی رانی، تقریری مقابلے، ڈرامہ نائٹ، مینا بازار، اندرون اور بیرون ملک تعلیمی دورے، آرٹ اینڈ کرافٹ، MUN ماڈل یونائیٹڈ نیشنز۔ آرٹ اور سائنس کی نمائش وغیرہ۔ یہاں پرائمری تک مخلوط طریقہ تعلیم ہے جبکہ مڈل سے ہائی سکول تک غیر مخلوط طریقہ تعلیم ہے اور صرف لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ ان سکولوں سے تعلیم حاصل کرنے والی بچیاں دنیا بھر میں اپنا لوہا منوا چکی ہیں۔ عالمی سطح پر وہ مختلف مضامین میں اوّل آتی ہیں۔

یہاں سے تعلیم پانے والی لڑکیوں میں محترمہ بے نظیر بھٹو، محترمہ

بے نظیر بھٹو۔ عاصمہ جہانگیر۔ عابدہ حسین۔ نرگس ماوروالا زیرِ تعلیم رہیں

عاصمہ جہانگیر، سیّدہ عابدہ حسین، حنا جیلانی، اور نرگس ماوروالا جیسی عظیم شخصیات شامل ہیں۔

کانونٹ کی ایک اور اہم خدمت Thevenet سنٹر ہے جو 3 فروری 2000 میں لاہور میں معذور بچوں کے لیے کھولا گیا۔ Sister Marie Cecil نے اس کے افتتاح کے موقع پر کہا" 1998 میں ایک والدہ مسز ناری سلیمان مجھے ملنے ائیں جن کا بیٹا معذور تھا۔ انہوں نے Sister Pilar سے کہا انہیں بھی اپنے بیٹے کو کانونٹ سکول میں پڑھانا ہے۔ سسٹر نے کہا ہمارے پاس ایسا کوئی انتظام نہیں۔ مگر میں ان کے خیال کی شکر گزار

رنگ نسل اور مذہب کی تفریق کے بغیر تعلیم دی جاتی ہے

ہوں جو Thevenet سنٹر کے آغاز کی وجہ بنا۔

کانونٹ کے سکولوں میں رنگ، نسل، اور مذہب کی تفریق کے بغیر تعلیم دی جاتی ہے۔ یہاں کی سسٹرز دن رات تعلیم و تربیت میں مصروف ہیں۔ تاکہ بچیاں دنیا میں کامیاب زندگی گزار سکیں اور معاشرے کی بہترین خواتین ثابت ہوں۔ ہم پاکستانی اور غیر ملکی سسٹرز کے بے حد ممنون ہیں جو اس کارِ خیر میں حصہ لے کر خواتین کے مستقبل کے لیے دن رات تگ و دو کر رہی ہیں۔

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

فیض کی صاحبزادی منیزہ ہاشمی سے انٹرویو

"ہماری خوش قسمتی ہے کہ فیس بک 'اطراف' کی دوست ہندوستان اعظم گڑھ میں مقیم علیزے نجف نے اپنا ایک اہم انٹرویو 'اطراف' کو بھی عنایت کیا ہے۔ بہت جامع۔ انتہائی اہم سوالات۔ جس سے صرف منیزہ ہاشمی ہی نہیں صرف فیض صاحب ہی نہیں۔ بلکہ ان دونوں کے عہد الگ الگ سامنے آتے ہیں۔ علیزے نجف کے شکریے کے ساتھ ہم یہ خصوصی تحریر نذر قارئین کر رہے ہیں۔ پڑھئے اور اپنی رائے سے آگاہ کیجئے۔"

فیض کی شاعری جب پڑھیں۔ نیا مفہوم ملتا ہے

منیزہ ہاشمی سے خصوصی گفتگو — تحریر: علیزے نجف

برصغیر میں اردو زبان وادب کی بساط پہ کئی ایسی شخصیات گزری ہیں جنھوں نے عالمی سطح پہ اس زبان کو نہ صرف منوایا بلکہ اس کی قدرومنزلت میں بھی اضافہ کیا ہے، فیض احمد فیض ایک ایسا ہی معتبر نام ہے جو غالب اور اقبال کے نام کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ان کی شاعرانہ عظمت کا اعتراف ان کی زندگی میں ہی عالمی سطح پہ کیا گیا۔ فیض احمد فیض کی دو صاحبزادیاں ہیں بڑی کا نام سلیمہ ہاشمی جو پاکستان کی صف اول کی مایۂ ناز آرٹسٹ ہیں منیزہ ہاشمی ان کی چھوٹی صاحبزادی ہیں، دونوں نے فیض کی نظریاتی وراثت کو اگلی نسل تک منتقل کرنے کے لئے انتھک جدوجہد کی ہے، اس کے لے وہ پچھلی ایک دہائی سے فیض فیسٹیول کا اہتمام کرتی آرہی ہیں۔ منیزہ ہاشمی کا تعلق ٹی وی انڈسٹری سے ہے انھوں نے اس شعبے میں چالیس سال خدمات انجام

ہمیشہ احساس رہا کہ میں کس کی بیٹی ہوں

دی ہیں، یہ معروف ومقبول پروڈیوسر وڈائریکٹر ہیں انھوں نے اپنی منفرد صلاحیت اور قائدانہ خوبیوں سے سکرین پہ آنے والے پروگرامز کو نیا زاویہ و دلکشی بخشی، انھیں پاکستان ٹیلی ویژن کے پہلے خاتون بیچ میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل ہے، اس کے علاوہ پہلی خاتون جنرل مینیجر، پہلی خاتون پروگرام ڈائریکٹر رہیں، کامن ویلتھ براڈ کاسٹنگ ایسوسی ایشن کے لئے تین بار نامزد ہوئیں اس کی پریسیڈینٹ بنیں اس کے لئے منتخب ہونے والی پہلی پاکستانی خاتون تھیں، الحمراء کی پہلی خاتون چیئر پرسن بھی رہیں، انھیں اب تک کئی اعزازات سے نوازا جاچکا ہے جس میں پرائڈ آف پرفارمنس' بھی شامل ہے۔ منیزہ ہاشمی ایک باوضع بااصول خاتون ہیں جنھوں نے ہر طرح کے حالات میں اپنی خاندانی جاہ وحشمت کو سنبھالے رکھا اس پہ آنچ نہیں آنے دی۔ فیض کا عکس ان میں صاف نظر آتا ہے، ان کی ہی طرح امید کی مشعل ہاتھوں میں تھامے شاہراہ حیات پہ آگے بڑھتی جارہی ہیں۔ یہ میرے لئے بڑے اعزاز کی بات ہے کہ انھوں نے مجھے انٹرویو لینے کا موقع عنایت کیا، اس وقت میں اپنے سوالات کی فہرست کے ساتھ ان کے سامنے ہوں، ہم اس انٹرویو کے ذریعے فیض احمد فیض کے بارے میں بہت کچھ جاننے کی کوشش کریں

گے ساتھ ہی ساتھ منیزہ ہاشمی کے خیالات ونظریات اور ان کی زندگی کے تجربات کے متعلق بھی باتیں کریں گے۔

علیزے نجف : ہم میں سے کسی کے لیے آپ اجنبی نہیں سو میرا پہلا سوال یہ ہوگا کہ آپ خود کو کس طرح دیکھتی ہیں فیض احمد فیض کی بیٹی ہونے

فیض صاحب اکثر جیل میں ہوتے گھر میں کافی مشکلات رہتیں

کی حیثیت سے اوروں کی طرح کیا آپ نے بھی خود سے کوئی توقع رکھی تھی ؟

منیزہ ہاشمی : مجھے یوں تو ہمیشہ اس بات کا احساس رہا کہ میں کس کی بیٹی ہوں، ہاں بچپن میں اس کا اندازہ نہیں ہوا کہ وہ کتنے بڑے آدمی ہیں کیا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ کیوں کہ بچپن میں وہ ہمارے ساتھ زیادہ رہے نہیں تھے وہ جیل میں جاتے تھے، آتے تھے ، پھر جاتے تھے ، کبھی شہر یا ملک سے باہر ہوتے تھے نوکری اور بعض دیگر وجوہات کی وجہ سے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے بیچ بچپن وہ کلوز تعلق نہیں بن سکا جو کہ پاس رہنے کی ہی صورت میں ممکن تھا۔ رہی بات یہ کہ میری خود سے کیا توقع تھی تو اس حوالے سے جو بات میرے ذہن میں ارہی ہے وہ یہ ہے کہ کراچی ٹیلیویژن سینٹر کی افتتاحی تقریب میں میں اور والد صاحب موجود تھے، الطاف گوہر صاحب سکریٹری آف انفارمیشن تھے اور فیض صاحب کے قریبی دوست تھے وہ والد صاحب سے ملنے کے لئے آئے تبھی میں نے ابا کو کہنی مار کر کہا کہ پلیز ان سے کہیں نا کہ مجھے ٹی وی جوائن کرنا ہے، انھوں نے میری طرف دیکھا پھر الطاف صاحب سے کہا کہ بھئی یہ ہماری بیٹی منیزہ ہیں انھوں نے ابھی بی اے کا امتحان دیا ہے اب فارغ ہیں ٹیلیویژن میں کام کرنا چاہتی وغیرہ وغیرہ۔ الطاف صاحب یہ سن کر مسکرائے اور کہا کہ کیوں نہیں ضرور۔ جہاں تک مجھے یاد ہے دو یا تین دن کے بعد مجھے خط موصول ہوا کہ آپ اسلام آباد پہنچیں آپ کو ٹریننگ کے لئے بلایا جارہا ہے، میں نے دل میں کہا لو بھئی ادھر کہا ادھر بات پوری

فیض کی صاحبزادی منیزہ ہاشمی سے انٹرویو

ہوگئی۔ آپ کے اس سوال کے جواب میں سب سے پہلے یہی سوچ میرے ذہن میں ابھری۔
مجھے ساری زندگی اس بات کا شدید احساس رہا کہ میں کس کی بیٹی ہوں یہ

والد صاحب سے واسطہ کم رہا۔ اس لیے والدہ کی خوبیاں میرے اندر زیادہ رہیں

احساس وقت کے ساتھ بڑھتا ہی گیا ہے میں نے ہمیشہ اس بات کا خیال رکھا کہ مجھے کس طرح سے اپنے معاملات انجام دینے ہیں اور کس طرح سے لوگوں کے ساتھ پیش آنا ہے، کیوں کہ میرے سر پر فیض احمد فیض کا بڑا ہاتھ ہے، مجھے کہیں بھی اس نام پہ کوئی حرف نہ آنے دینا تھا، لوگ مجھے فیض احمد فیض کی بیٹی کی عینک سے دیکھتے ہیں مجھے اس اعزاز کا وقار قائم رکھنا تھا۔ رہی بات توقعات کی تو وہ میں نے خود ہی خود سے لگالی تھی یا یوں

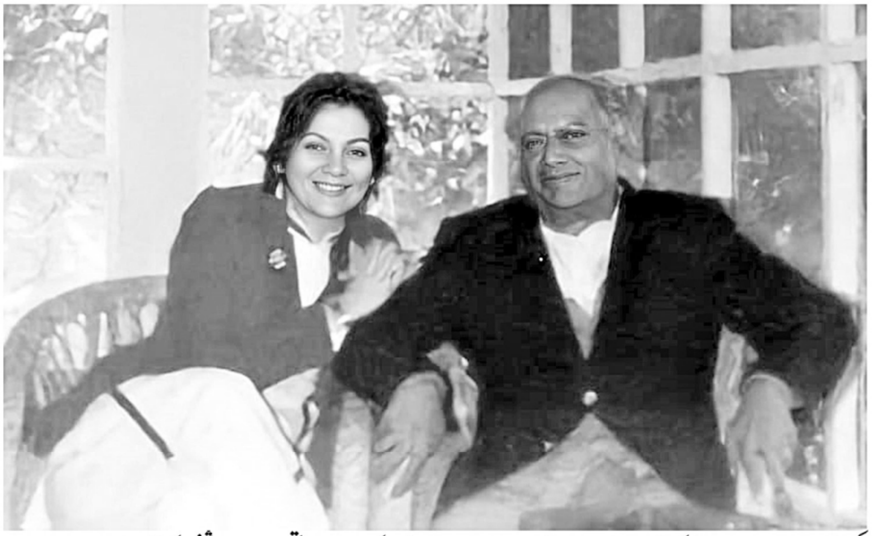

کہیں کہ خوب سے خوب تر بننے کی ایک بیماری ہے، مجھے ہمیشہ بہترین کی تلاش رہی خود کو ایک رزلٹ دیا اگلی مرتبہ اس سے بہتر پھر اس سے بہتر رزلٹ لانے کی تگ ودو میں رہی ہوں یہ نفسیات کہیں نہ کہیں اب بھی مجھ میں باقی ہے۔

علیزے نجف :لوگوں کی اکثریت آپ کو فیض احمد فیض کی بیٹی کی حیثیت سے جانتی ہے ایسے میں کیا آپ کے اندر کبھی یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ مجھے میری خدمات کے تحت جانا پہچانا جائے؟

منیزہ ہاشمی :بیٹا آپ نے بڑی خوبصورت یادوں کو کرید دیا ہے عمر کے اس زمرے میں آ کر میں اللہ کا صد ہا شکر ادا کرتی ہوں کہ میں اس معتبر نام سے پہچانی جاتی ہوں جس نام پہ کسی کی انگلی یہ کہنے کے لئے نہیں اٹھ سکتی کہ فیض نے اپنے مشن سے اپنے وژن سے اپنے خیالات سے کبھی بھی بے وفائی کی ہو، فیض احمد فیض کی بیٹی ہونا ایک بڑی ذمے داری ہے جس کو ہم نبھانے میں لگے ہوئے ہیں، پھر آپ نے وہی بات یاد دلا دی کہ ایک مرتبہ میں اور ابا کہیں بیٹھے ہوئے تھے وہ عادتاً میرا تعارف اس طرح کروانے لگے جس طرح کہ کرواتے رہے تھے بھئی یہ ہماری بیٹی منیزہ ہیں یہ اس زمانے کی بات ہے جب میں ٹیلی ویژن جوائن کر چکی تھی ، میں نے بے ساختہ ان سے کہا کہ ابا جی یہ آپ ہر وقت کیوں ہماری بیٹی ہماری بیٹی کہہ کر متعارف کرواتے رہتے ہیں آپ میری پہچان کے ساتھ میرا تعارف کروایا کریں نا۔ پھر میں نے نوٹس کیا کہ اس کے بعد جب بھی کوئی ملنے کے لئے آتا تو کہتے کہ بھئی یہ منیزہ ہیں ٹیلی ویژن کی بہت معروف ومشہور ڈائریکٹر و پروڈیوسر ہیں اور ہماری بیٹی ہیں، ہماری بیٹی سب سے آخر میں آ گیا۔ آج مجھے ان یادوں کو سوچتے ہوئے اس شخص پہ بے اختیار پیار آتا ہے کہ اس کے اندر کیا سادگی و معصومیت تھی۔

یہ بچپن کی نادان سوچ تھی بعد میں اس شخص کی عظمت کا جب اندازہ ہوا تو خود کو خود ہی ان کے پیچھے کھڑا کر دیا۔

اس عظیم انسان سے نسبت رکھنے کی وجہ سے میرے سامنے کامیابی و شہرت کے بے شمار دروازے کھلتے چلے گئے، مجھے اچھی طرح یاد ہے اس تعارف کی وجہ سے وزیر اعظم، صدر، منسٹر، بادشاہ، ملکہ نے کھڑے ہو

ٹی وی میں میری ترقی روکی گئی۔ غیر معیاری پروگرام دیے گئے

ہو کر ہمیں کس طرح سلام کیا ہے تالیاں بجائی ہیں ایک مرتبہ نہیں بیسیوں دفعہ ایسا ہوا ہے، میں نے نادانی میں کہہ دیا تھا کہ میرا ذاتی تعارف دیا کریں یقیناً وہ اس پہ مسکرائے ہوں گے، اب میں یہ قطعی طور پہ نہیں چاہتی کہ میرے فیض احمد فیض کی بیٹی ہونے کے تعارف کو ثانوی حیثیت دی جائے، مجھے اوپر رکھا جائے، میں چاہتی ہوں کہ مجھے ہمیشہ فیض احمد فیض کی بیٹی جیسے تعارف سے یاد کیا جائے، وہ میرے لئے صرف میرے باپ ہی نہیں بلکہ کل جہان ہیں۔

علیزے نجف : آپ کے والدین نے آپ کی شخصیت سازی کس طرح سے کی کیا ان کے کوئی اصول بھی تھے؟

منیزہ ہاشمی :مجھے نہیں یاد کہ کبھی میرے ماں باپ نے ہمیں بٹھا کر یہ سمجھایا ہو کہ یہ نہیں کرنا وہ نہیں کرنا، اس طرح سے رہو، ایسے پیش آؤ وغیرہ وغیرہ میرا مزاج ذرا شرارتی اور چلبلا سا تھا تو یہاں وہاں بھاگتی پھرتی تھی شرارتیں کرتی رہتی تھی تو اس کے لئے میری ماں بس یہ کہتی کہ کیا ہوا ہے؟ سکون سے بیٹھو کہیں چوٹ نہ لگ جائے وغیرہ وغیرہ ، جو عمومی طور پہ مائیں بچوں سے کہتی ہیں بچپن کے دور کی یادوں میں بس مجھے اپنی ماں کا صبح اٹھنا گھر کی مصروفیات سے فارغ ہو کر دفتر جانا وہاں سے واپس آنا ہی یاد آتا ہے ، اس کے علاوہ کچھ خاص یاد نہیں میری والدہ ہی میرا رول ماڈل تھیں، ابا کے جیل جانے کی وجہ سے ہمارے گھر میں کافی مشکلات تھیں گھر پہ صرف والدہ ہوتی تھیں جو ہمارا خیال رکھتیں وہ ہماری ضروریات کو پورا کرنے کے لئے جاب کرتی تھیں، ہم چھوٹے تھے بے شک اس عمر میں دوسرے بچوں کی طرح ہماری بھی کچھ ضروریات و خواہشات ہوا کرتی ہوں گی جس کو پورا کرنے کے لئے صرف میری ماں تھی، ہوسکتا ہے والد صاحب کے کوئی دوست پیسے دے جاتے ہوں مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں، مجھے بس اتنا معلوم ہے کہ ہمارا ایک صاف ستھرا گھر تھا وہ اب بھی اسی طرح موجود ہے کبھی آپ آؤ تو میں آپ کو لے چلوں گی لاہور، وہ گھر دکھاؤں گی اس گھر پہ فیض احمد فیض کے نام کی تختی بھی لگی ہوئی ہے، پہلے ہم تانگے سے اسکول جایا کرتے تھے پھر سائیکل وغیرہ سے ان وقتوں میں صرف ہماری والدہ ہمارے ساتھ تھیں ایسے میں مجھے نہیں یاد کہ انھوں نے کبھی ہمیں بٹھا کر کوئی خاص نصیحت کی ہو نہ زندگی کے حوالے سے نہ ہی ملک کے حوالے سے، میں اپنی بات کر رہی ہوں سلیمہ کی نہیں اس نے ابا کے ساتھ کافی وقت گزارا ہے ٹریول بھی کیا ہے، میرے ذہن میں اپنے والدین کے حوالے سے صرف ابزرویشن ہے جس میں کہ پیار و محبت اور روٹین کی زندگی شامل ہے۔

علیزے نجف: کہتے ہیں کسی انسان کے عادات واطوار پہ جینز کا بھی بہت گہرا اثر ہوتا ہے آپ اپنے والدین کی کن خوبیوں کو پیدائشی طور سے اپنے اندر محسوس کرتی ہیں ؟

منیزہ ہاشمی : اب میرے اندر جینیٹکلی کیا ہے کیا نہیں ہے یہ تو کوئی سائنسدان ہی بتا سکتا ہے (مسکراہٹ) میرے اندر تو میری والد کی خوبصورت عادات میں سے ایک بھی نہیں ہے، تحمل، صبر، خاموشی، غصہ نہ کرنا، برداشت کا مظاہرہ کرنا یہ سب کچھ میرے اندر نہیں ہے، ہاں یہ الگ بات کہ وقت کے ساتھ تھوڑا بہت میرے اندر آ گیا ہے ہاں اگر کوئی جینیٹک اثر آیا ہے تو میری والدہ کا زیادہ آیا ہے کیوں کہ میری والدہ انگریز تھیں وہ بہت Disciplinarian تھیں، کافی اسٹرکٹ، صاف گو تھیں جو کہ میں بھی ہوں وہ تھوڑا غصہ بھی کرتی تھیں میں بھی کرتی ہوں لیکن وقت کے ساتھ کافی کم ہو گیا ہے، وہ بہت ایماندار، پروفیشنل تھیں میں اس معاملے میں بھی بالکل ان کے جیسی

ہوں، والد صاحب سے ذرا کم انٹریکشن رہا پھر میری شادی ہوگئی وہ کبھی اسلام آباد تو کبھی لاہور میں رہے پھر بیروت چلے گئے، اس لئے ان کے ساتھ وقت گزارنے کا زیادہ موقع نہیں ملا۔

میرے والد پنجاب سے تھے اس لیے پنجاب کی محبت میری جینز میں شامل ہے، پنجابی میری زبان ہے مجھے بے حد پیار ہے پنجابی زبان و کھانوں سے۔ اس کے علاوہ لوگ کہتے ہیں کہ میرے چہرے میں فیض احمد فیض نظر آتے ہیں، میں اپنے بڑے بیٹے کے ساتھ رہتی ہوں میری پوتی نے ابھی کچھ دو مہینے پہلے مجھے ہنستے ہوئے دیکھا پھر بے اختیار کہہ اٹھی O my God you look like Nana faiz میں نے کہا ....what وہ مجھے اٹھارہ سالوں سے دیکھ رہی ہے کبھی ایسا اس نے نہیں کہا ، اس نے کہا آج آپ میں نانا فیض کی جھلک دکھائی دی۔ میرے کمرے میں ان کی ایک بڑی سی تصویر ہے میں ان کے سامنے کھڑی ہو جاؤں تو ایک دم سے لوگ کہتے ہیں کہ ماشاءاللہ آپ دونوں میں کتنی مشابہت ہے، میری بہن کا چہرہ میری ماں سے کافی مشابہ ہے، بس چہرے کے خدوخال کی حد تک میں اپنے والد سے ملتی ہوں اور دوسرے معاملوں میں میں اپنی ماں کے جیسی ہوں۔

علیزے نجف: ایک وقت تھا جب فیض احمد فیض بشمول آپ کا خاندان مشکل حالات سے دوچار تھا آج جب کہ پوری دنیا فیض احمد فیض کی عظمت کا اعتراف کرتی ہے ان دونوں ادوار میں لوگوں کے رویوں سے آپ نے کیا سیکھا کیا برا وقت خوبیوں کو گہن لگا دیتا ہے جو بھی نظریں چرانا شروع کر دیتے ہیں؟

منیزہ ہاشمی: جی بالکل ہم نے بہت برے وقت بھی دیکھے ہیں اور الحمدللہ بہت اچھے وقت بھی دیکھے ہیں، اس میں سیاست کے اتار چڑھاؤ کا بڑا گہرا عمل دخل رہا ہے، بے شک اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں مشکل وقت ہم نے دیکھا اپنے بچپن میں ابا کے جیل جانے کی وجہ سے بھی بشمول ہماری والدہ کے ہمیں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، مارشل لاء کے زمانے میں بہت سختی تھی اور فیض کا نام لینے پہ بھی پابندی تھی اس وقت میں پی ٹی وی سے جڑی ہوئی تھی، ایک گہری نظر تھی جو مجھ پہ مرکوز رہا کرتی تھی کہ کہیں میں غلطی کروں اور وہ میری گرفت کریں اس چکر میں میری کئی مرتبہ پرموشن بھی روکی گئی، غیر معیاری پروگرامز مجھے دئے گئے اس کے علاوہ اور کئی طرح کی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا یہ سب کچھ گیارہ سال چلتا رہا جو کہ میرے لئے پروفیشنلی بہت اذیت ناک تھے۔ اس کا اثر میرے بچوں پہ بھی پڑا۔ ان کی اسکولنگ کا زمانہ تھا مجھے اچھی طرح یاد ہے میرا چھوٹا بیٹا عدیل ایک دن اسکول سے گھر آیا اور کہنے لگا کہ امی what is this میں نے کہا کیا ہوا تو اس نے کہا کہ میرے ٹیچر کہہ رہے تھے کہ تمھارے نانا غدار ہیں یہ غدار کیا ہوتا ہے؟ اس دس سال کے بچے کو کوئی کیا سمجھائے کہ یہ سیاسی معاملات کیا ہوتے ہیں اور وہ غدار نہیں ہیں تو یہ ٹیچر اس طرح کی باتیں بچوں سے کیوں کر رہا ہے ، انھیں بنچ پہ کھڑا کر دیتے اور کہتے یہ دیکھو یہ غدار کا نواسا ہے وغیرہ وغیرہ اس طرح کی باتیں بچوں کے ساتھ ہوئیں۔ ایک طرف مجھے آفس کی ٹینشن ہوتی تھی دوسری طرف گھر آ کر دونوں بچوں کی فکر ہوتی تھی ، ایک مارشل لاء کے ہٹنے کے کچھ وقت بعد پھر دوسرا مارشل لاء نافذ ہو جاتا اور وہ ہٹا پھر بنگلہ دیش کا قضیہ پیدا ہوا یوں کہہ سکتے ہیں کہ حکومت کی تبدیلی کے ساتھ تھوڑا بہت حالات بدلتے تھے پھر وہی ٹینشن کچھ نہیں پتہ ہوتا کہ کب وہ آئیں اور ابا کو جیل لے کے چلے جائیں۔ اسی دوران وہ آٹھ سال کے لئے ملک بدر ہوئے اور وہ آٹھ سال انھوں نے بیروت میں گزارے، میں اپنی آفس کی ذمے داریوں کی وجہ سے اس دوران ان سے ملنے نہیں جا سکی ہاں سلیمہ گئیں تھیں ابا سے ملنے بیروت اور کچھ دن ان

ملک میں ذی شعور لوگوں کا قحط ہے

کے ساتھ بھی گزارے بھی تھے ، مجھے اپنے نہ جا سکنے کا بہت ملال رہا۔ بہر حال وقت کیسا ہی ہو گزر ہی جاتا ہے یہ وقت بھی گذرا پھر اچھا وقت آیا ساری غلط فہمیاں دور ہوئیں، ابا کو ان کا جائز مقام ملا اب الحمدللہ ہر زبان پہ فیض کا نام ہے چاہے وہ صدر ہوں یا وزیر اعظم یا سینیٹر سبھی کی زبان پہ ان کے اشعار اور ان کے لئے عزت ہے اب حیرت ہوتی ہے کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جو ان کی مخالفت میں زمین آسمان ایک کئے ہوئے تھے اب وہی ان کے سامنے عقیدت سے سر جھکا رہے ہیں، دھند چھٹنے کے بعد حقائق اپنا آپ منوا ہی لیتے ہیں پاکستان کے سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے ہمارے حالات میں بہت اتار چڑھاؤ آئے ہیں اسی کے ساتھ ہمارے حالات میں بھی تبدیلی آئی ہے، اس وقت تو خیر میں ریٹائر ہو چکی ہوں ان سب چیزوں کا مجھے اب کوئی خاص فرق بھی نہیں پڑتا الحمدللہ فیض کو چاہنے و ماننے والے پاکستان سمیت پوری دنیا میں موجود ہیں۔

علیزے نجف: آپ بارہا کہتی آئی ہیں کہ میرے والد کی شخصیت کے

سلیمہ بیروت جا کر ابا سے ملی تھیں۔ میں نہیں جا سکی

اسرار ان کے جانے کے بعد مجھ پہ منکشف ہوئے ایک بچے کی طرح کچھ معصوم شکایتیں بھی آپ کو ان سے تھیں آج وہ اس دنیا میں نہیں رہے تو آپ ان کی کمی کو کس طرح محسوس کرتی ہیں؟

منیزہ ہاشمی: آپ پشیمانی کی بات کر رہی ہیں تو یہ میرے دل میں ہر گھڑی ہر لمحے ہوتی ہے اور میری آنکھوں میں آنسو بھی آتے ہیں کہ میں نے ان سے یہ کیوں نہیں پوچھا۔ میں ان کی کمی کو بہت شدت سے محسوس کرتی ہوں آج پاکستان کی سیاست میں پچھلے دو سالوں سے جو کچھ چل رہا ہے، دوسری طرف غزہ کے جو حالات ہیں دیکھ کر دل میں عجیب سا درد ہوتا ہے، اور یوکرین کی پچھلے دو سالوں سے جو حالت زار ہے. جی چاہتا ہے کہ کوئی تو ایسا ملے جس سے یہ پوچھ سکوں یہ کیا ہے؟ کیوں ہے؟ کوئی تو مجھے اس کا حل بتائے تو مجھے کوئی ایسا نظر نہیں آتا جس سے میں ان موضوعات پہ تشفی بخش باتیں کر سکوں۔ اس طرح کے انسان میرے لئے صرف میرے والد صاحب تھے ، مجھے ان کی یاد ہر وقت ہر گھڑی آتی ہے کہ وہ ہوتے تو مجھے شاید اس سوال کا جواب دیتے، اوروں کا تو نہیں پتہ لیکن مجھے اس ملک میں ذی شعور لوگوں کا ایک قحط معلوم ہوتا ہے۔ والد صاحب کے جو اچھے صاحب شعور دوست تھے ظاہر وہ بھی چل بسے ایسے میں ہم ہی اس جگہ پہ ہیں لیکن ظاہر ہے جب ہمیں خود نہیں پتہ تو ہم کسی اور کو کیا بتا سکیں گے۔ ملک اور دنیا کے حالات اور زندگی کے اسرار و رموز کو سمجھنے میں جب کبھی الجھن ہوتی ہے تو دل بے اختیار والد صاحب کو ڈھونڈتا ہے نظریں انھیں افق پہ تلاشنا شروع کر دیتی ہیں جو کہ ناکام ہو کر واپس آ جاتی ہیں۔

علیزے نجف: آپ کے گھر میں ایک زبردست ادبی ماحول تھا آپ کے گھر میں ادبی شخصیات کی محفلیں سجا کرتی تھی پھر آپ ادب کے اس کینوس پہ اپنے حصے کا رنگ بھرنے کے بجائے ٹی وی انڈسٹری کی طرف کیسے آ گئیں ؟

منیزہ ہاشمی : ہاں بالکل ہمارے گھر کا ادبی ماحول تھا بڑے بڑے لوگ آ رہے تھے ، جا رہے تھے جس میں سنگر ، لکھاری، ادیب بھی ہوتے تھے، تقریبا سبھی شعبے کے لوگ آتے تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ میری ان سے جان پہچان دعا سلام وغیرہ ضرور رہی لیکن زیادہ ان کے قریب نہیں ہو پائی نہ ہی میرا رجحان ان کی طرف ہوا، البتہ میری بہن آرٹ کی طرف مائل ہو گئیں اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ وہ بڑی تھیں ان پہ سب کی نظر کرم زیادہ تھی میں چھوٹی تھی میں نے خود ہی اپنے راستوں کا تعین کیا (مسکراہٹ (مجھے بس یہ شوق تھا کہ میں ہر فیلڈ میں پہلی "خاتون اچیور" بنوں میں اس مقام تک پہنچوں جہاں مجھ سے پہلے کوئی خاتون نہیں پہنچ سکی ہو۔

میں 1967ء پاکستان ٹیلی ویژن کے اس بیچ میں شامل رہی جو پہلا خاتون بیچ تھا اس وقت میں اور میری ہمشیرہ سکرین پہ آنا شروع ہوئیں، یوں مجھے پہلی خواتین ہونے کا شرف ملا (اس دوران میرا بی اے کا رزلٹ کلیئر ہوا تھا میری ملاقات میرے شوہر سے ہوئی شادی کی بات چل نکلی میری والدہ نے کہا کہ جب تک تم فنانشلی انڈیپنڈنٹ نہیں ہو جاتی میں تمھیں شادی کی پرمیشن نہیں دوں گی کیوں کہ میں نہیں چاہتی کہ تم کسی پہ ڈیپینڈنٹ رہو، بی اے کے بعد میں نے پی ٹی وی جوائن کر لیا اس کے بعد ہماری شادی ہو گئی) ، پھر یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا میں پہلی خاتون جنرل مینیجر تھی ، پہلی خاتون ڈائریکٹر پروگرام تھی ، میں پہلی خاتون ڈائریکٹر ٹریننگ تھی، وہاں سے باہر نکلی تو میں کامن ویلتھ براڈ کاسٹنگ ایسوسی ایشن کے لئے تین مرتبہ نامزد ہوئی پریسیڈنٹ بنی، یہ انٹرنیشنل اعزاز حاصل کرنی والی میں پہلی پاکستانی خاتون تھی، الحمراء کی پہلی خاتون چیئر پرسن رہی، میری خدمات کو سراہتے ہوئے مختلف اعزازات سے نوازا گیا جس میں "پرائڈ آف پرفارمنس" بھی شامل ہے، وقت کے ساتھ راستہ ہموار ہوتا گیا اور میرا شوق بھی پورا ہوتا رہا، میرا ماننا یہ ہے کہ ہم جب سچی جستجو خود میں پیدا کر لیتے ہیں تو مواقع پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ میں نے ٹی وی انڈسٹری میں چالیس سال کام کیا ہے پی ٹی وی سے ریٹائر ہونے کے بعد پھر سے انھوں نے مجھے بطور کنسلٹینٹ ہائر کر لیا ہے اس کے علاوہ فیض فیسٹیول جو ہر سال ہوتا ہے اس کی میں مینیجر و

آرگنائزر بھی ہوں ادب سے میرا بس اتنا ہی تعلق تھا کہ میں کتابیں پڑھ لیتی تھی

علیزے نجف : آپ کے گھر میں کتاب اور اسکرین کا بہترین امتزاج

پایا جاتا ہے کہا جاتا ہے اسکرین کی دنیا نے لوگوں کے ہاتھوں سے کتابیں چھین لی ہیں اور اسے دشت نورد بنا دیا ہے یہی وجہ ہے کہ نوجوان نسل کی اکثریت فکری بے سمتی کا شکار ہے اس بارے میں آپ کیا کہنا چاہیں گی؟

منیزہ ہاشمی : جی ہاں بے شک میں اس بات کو مانتی ہوں کہ یہ جو آلہ ہے ہمارے ہاتھوں میں اس نے ہماری زندگی کو آسان بھی کیا ہے اور مشکل بھی کیا ہے ، میرے اپنے پوتے و پوتیاں بھی اسی میں لگے رہتے ہیں ، کووڈ کے دوران ان کی وجہ سے کافی آسانی ہوگئی تھی لیکن اس کے بعد اس کا استعمال ایک ایڈکشن بن گیا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ کوویڈ سے پہلے (میرے ماشاءاللہ تین پوتے دو پوتیاں ہیں جو کہ یونیورسٹی، کالج و اسکول میں ہیں (میرے پوتے پوتیاں کتابیں لے کر کافی شوق سے پڑھا کرتے تھے لیکن اب ان کا زیادہ وقت سکرین پہ ہی گذرتا ہے ، چیٹ جی پی ٹی ، اے آئی نے یہ بتا دیا کہ دنیا کتنی تیزی سے ترقی کر رہی ہے۔ میں حیران رہ جاتی ہوں ابھی پتہ نہیں کیا کچھ آنا باقی ہے ، ایسے میں جب میں صبح کے وقت چائے کی پیالی کے ساتھ اخبار لے کر بیٹھتی ہوں تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے حالاں کہ وہ خبریں شام کو ہی میں سوشل میڈیا پہ دیکھ چکی ہوتی ہوں لیکن اخبار کو ہاتھ میں لے کر پڑھنے کا مزہ ہی کچھ اور ہے ، بچے کہتے ہیں کہ کیا دادو آپ پرانے فیشن کے ساتھ جی رہی ہیں۔ میں کہتی ہوں ہاں بیٹا یہ مجھے پسند ہے ، اس تبدیلی کے منفی اثرات پہ بے شک ہمیں افسوس ہوتا ہے لیکن وقت کے ساتھ ہمیں بدلنا ہی پڑے گا ہم خواہ اس کی کتنی ہی کیوں نہ مخالفت کرلیں ہم اس کو روک نہیں سکتے۔ بے شک اس نے دنیا میں بہت ساری مثبت تبدیلیاں پیدا کی ہیں اس لئے ہم اسے یکسر نظر انداز نہیں کر سکتے ، میں خود اس عمر میں اس کے ذریعے دنیا سے جڑی ہوئی ہوں ، اس کے ذریعے مجھے بھی بہت آسانی ہوتی ہے اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سکرین آج بہت ناگزیر اور نافع شئے ہے ہاں بس ہمیں اس کا صحیح استعمال کرنا سیکھنا ہوگا۔

علیزے نجف : آپ کو کیا لگتا ہے کہ فیض احمد فیض کے نظریات و خیالات کی تشکیل میں کن عناصر نے اہم کردار ادا کیا تھا آپ ان کے نظریات کو کس طرح دیکھتی ہیں؟

منیزہ ہاشمی : اب یہ کہنا میرے لیے کہ ان کے نظریات اور خیالات کی تشکیل کس طرح ہوئی پس پردہ کیا عناصر رہے ، اس حوالے سے میں سمجھتی ہوں کہ میری کوئی حیثیت ہی نہیں ہے کہ میں ان کی کوئی بات کروں ، اس بارے میں کوئی رائے قائم کروں ، جتنا میں نے ان کو جانا ہے ان کی شاعری پڑھ کے اور لوگوں سے سن کے تو میں یہ سمجھتی ہوں کہ وہ ایک

تبدیلیاں دیکھیں لیکن
زیادہ تر ناخوشگوار

ہیومنسٹ انسان تھے جس طرح لوگ کہتے ہیں کہ عام ادمی کے ساتھ بھی ان کا ایک الگ لگاؤ تھا ہر طبقے کے لوگوں سے ان کا ایک خاص رشتہ تھا اور پھر وہ رشتہ ان کی شاعری میں بھی لوگوں کو نظر اتا ہے کم از کم مجھ سے آج تک کسی نے یہ ذکر نہیں کیا کہ فیض صاحب نے کبھی غصہ کیا ڈانٹا ، اور غیر مہذب لہجے ولفظ کی تو بات ہی نہیں کر سکتے ، چاہے سامنے والا شخص کوئی بھی ہو ان کا کتنا مخالف ہی کیوں نہ ہو ان کے چہرے پہ ناپسندیدگی کبھی نظر نہیں آتی تھی حالانکہ کئی سارے ایسے لوگ رہے ہیں جو ان کے پیچھے ان کے خلاف باتیں کرتے تھے لیکن انہوں نے ہمیشہ خندہ پیشانی سے ان سے بات کی ، ہونٹوں پہ ہلکی مسکراہٹ بھی ہوتی ، بے شک ان کے دل میں کچھ نہ کچھ تو ہوتا ہوگا کہ یہ میرے بارے میں ایسی رائے کیوں رکھتا ہے یا ایسے کیوں سوچتا ہے کیوں کہ یہ تو انسانی وصف کے خلاف ہے کہ اپ دل میں یہ نہ سوچیں کہ یہ شخص مجھے پسند نہیں کرتا ، لیکن اس کی وجہ سے ان کے چہرے پہ یا ان کی طبیعت میں یا ان کے خلوص میں کبھی فرق نہیں آیا۔ میں یہ سمجھتی ہوں کہ یہ خداداد صفت ہے ایسے لوگ میں سمجھتی ہوں ہوتے ہی نہیں ہیں یا بہت کم ہوتے ہیں۔ اشفاق صاحب جو کہ بہت مشہور لکھاری صاحب بصیرت انسان رہے ہیں اشفاق صاحب اور فیض صاحب کے درمیان شدید نظریاتی اختلاف رہے ہیں ، یوں کہ ایک دائیں نظریات کا حامی تھا دوسرا بائیں نظریات کا۔ اشفاق صاحب کا بہت مشہور قول ہے جو انھوں نے خود لکھا بھی ہے انہوں نے کہا کہ " اگر فیض رسول پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے دور میں ہوتے اور اگر کہیں کوئی لڑائی ہوتی تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم آواز دیتے جاؤ فیض کو بھیجو وہ جا کے وہاں امن پیدا کرے گا" ان سے اختلاف رکھنے والے لوگ اگر ان کے بارے میں یہ بات کرتے ہیں کہ ان کے اندر اتنی پیس اور اتنی امن پسندی تھی کہ وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ کوئی لڑے یا کوئی ایسی بات کرے تو ان کی امن پسندی اور صلح جوئی کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوسکتی ہے۔

میرے والد ایک انتہائی اصول پسند انسان تھے انھوں نے اپنے اصولوں سے کبھی سمجھوتہ نہیں کیا پاکستان میں رہتے ہوئے مارشل لا کے زمانے میں جب ان پہ پریشر پڑھا تو اپنے خیالات ونظریات سے پیچھے ہٹنے کے بجائے انھوں نے ملک کو چھوڑنے کو زیادہ بہتر سمجھا بے شک یہ بھی ایک تکلیف دہ فیصلہ تھا کہ وہ بیروت میں آٹھ سال رہے جب کہ وہاں بھی جنگ کی سی حالت تھی لیکن انھوں نے یہ مشکل فیصلہ کیا اور اپنے اصولوں پہ آخری وقت تک قائم رہے۔ یہی اصول پسندی مجھ میں بھی آئی میں بھی اصولوں کے لئے سخت رویہ اپنانے سے گریز نہیں کرتی ہوں میری بہن بھی بالکل ایسی ہی ہیں۔

علیزے نجف : پچھلی آٹھ دہائیوں کی تہذیب ومعاشرت کے سبھی پہلو آپ کی نگاہوں کے سامنے ہیں اس دورانیے میں واقع ہونے والی مجموعی تبدیلیوں کے بارے میں آپ کیا رائے رکھتی ہیں؟

منیزہ ہاشمی : ہاں آٹھ دہائیاں ابھی مکمل تو نہیں ہوئی ہیں مکمل ہونے کو ہیں میں اس وقت عمر کے اعتبار سے 78ویں کے ہندسے میں داخل ہو چکی ہوں رہی بات تبدیلیوں کی ، خاص طور سے سیاسی تبدیلیوں کی تو ہمارے ملک پاکستان کی سیاست ہمیشہ ہی سے ہچکولے لیتی رہی ہے 1972 میں جب ذوالفقار علی بھٹو حکومت میں ائے تو اس وقت بھی حالات کچھ اچھے نہیں تھے لیکن اچھائی کی ایک امید بندھ گئی تھی اس کے بعد ڈیموکریسی کو مضبوط کرنے کے لئے پاکستان کا پہلا آئین بنا اسلامک سمٹ ہوئی۔ 1976 تک اس لحاظ سے پاکستان کی حالت کافی اچھی رہی ، اس کے بعد بھٹو خاندان ڈگمگانے لگا ، مولوی لوگ سیاست میں آگے آنے لگے اور 1977 میں پھر مارشل لاء آگیا اس کے بعد مسلسل کئی سالوں تک یہ کشمکش جاری رہی پھر بے نظیر بھٹو کے آنے کے بعد اس میں کچھ استحکام پیدا ہوا۔ غرضیکہ پاکستان کی جمہوریت ہمیشہ ہی مسائل کی زد میں رہی آج بھی یہی صورتحال ہے ، کوئی بھی حکومت اپنی مدت پوری نہیں کرسکی ہے ، قرضوں کا ایک الگ بوجھ ہے معاشی اعتبار سے بھی پاکستان کی کمر وقت کے ساتھ ٹوٹتی جا رہی ہے ، وہ اپنے اخراجات کے لئے

کبھی اس ملک کا کبھی دوسرے ملک کا محتاج رہا ہے، اس وقت بھی الیکشن ہونے کو ہے لیکن روایتی گہما گہمی کا کچھ پتہ نہیں، ہر کوئی بے گمان ہوا بیٹھا ہے، ملک کی سیاست آمریت اور جمہوریت کے بیچ ڈانواں ڈول ہو رہی ہے ، بے شک ہم نے معاشرتی سطح پہ تبدیلیاں دیکھی ہیں لیکن یہ تبدیلیاں زیادہ تر ناخوشگوار ہی رہی ہیں ان حالات میں بس ہم دعا ہی کر سکتے ہیں۔

علیزے نجف : پچھلی ایک دہائی سے فیض فیسٹیول آپ لوگ منعقد کر رہے ہیں اس حوالے سے کچھ بتائیں کہ یہ کیسا پروگرام ہوتا ہے؟

منیزہ ہاشمی : ہاں یہ آٹھواں فیض فیسٹیول ہونے جا رہا ہے جو فروری میں ہونا طئے ہے، اس فیسٹیول کا آغاز 2011 میں ہوا تھا ہم نے فیض احمد فیض کی سالگرہ کے دن کو فیض کی یاد میں پہلا پروگرام کیا تھا پھر اس کے بعد ہم نے ایک آدھ سال کی پلاننگ کرنے کے بعد 2012 میں فیض فیسٹیول کے طور پہ اسے باقاعدہ آرگنائز کرانا شروع کیا، ابتدا میں یہ بہت چھوٹا تھا لیکن وقت کے ساتھ یہ بڑا ہوتا چلا گیا اب تو ماشاءاللہ یہ کافی بڑے پیمانے پہ منعقد ہوتا ہے، درمیان میں کوویڈ کی وجہ سے دو سال نہیں ہو سکا ، پچھلے سال 2023 میں ہونے والا فیض فیسٹیول ماشاءاللہ بہت کامیاب رہا جس میں ہر عمر کے لوگ بچے بوڑھے جوان سبھی آئے تھے ، ہاں جوانوں کی تعداد پہلے سے کئی گنا بڑھ چکی ہے یہ اس بات کی بڑی مثال ہے کہ فیض کی شاعری اور ان کے نظریات و خیالات ہر عمر کے لوگوں کو اپیل کرتے ہیں ، اس پروگرام میں ہم فیض احمد فیض کی شخصیت کے سارے پہلو پہ روشنی ڈالتے ہیں۔ فیض احمد فیض کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں وہ عوامی بھی تھے سیاسی بھی تھے ، وہ ہیومنسٹ بھی تھے ، جرنلسٹ بھی تھے آرٹ سے بھی ان کا تعلق تھا اس لئے ہم اس پروگرام میں کلچر اور ان سے جڑے ہیریٹیج کی باتیں کرتے ہیں جس میں صرف رقص و موسیقی ہی شامل نہیں ہے بلکہ کئی سارے ادبی سیگمنٹ بھی ہوتے ہیں، ان کی شاعری پڑھی جاتی ہے ان کے خیالات و نظریات پہ بحث کی جاتی ہے۔ چوں کہ میں اس پروگرام کی منتظم اعلی ہوں اس لئے اس کو مینیج کرنے اور آرگنائز کرنے کی بیشتر ذمے داری میرے ہی کندھے پہ ہوتی ہے۔ 13 فروری کو فیض صاحب کی سالگرہ ہوتی ہے اس لئے اس تاریخ کے قریبی ویک اینڈ پہ ہم اس تین روزہ فیض فیسٹیول کا انعقاد کرتے ہیں الحمدللہ اب تو باقاعدہ ایک ٹیم ہے، ہر گزرتے سال کے ساتھ اس کے اسپانسرز بھی بڑھ رہے ہیں جس سے اس کی مقبولیت اور کامیابی دونوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کچھ سال پہلے یونیسکو نے گورنمنٹ پنجاب لاہور شہر کو سٹی آف لٹریچر قرار دیا تھا اس وجہ سے پنجاب گورنمنٹ کا بھی ہمیں کافی تعاون حاصل رہتا ہے۔

علیزے نجف : آپ کے والدین کے بارے میں کسی نے کہا کہ فیض، فیض احمد فیض نہ ہوتا اگر اس کے پیچھے ایلس نہ ہوتی سوال یہ ہے کہ لوگ بنیاد کے پتھر کو کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں؟

منیزہ ہاشمی : یہ بات صحیح ہے کہ فیض کو فیض بنانے میں ایلس فیض کا بھی ایک بہت بڑا کردار تھا، وہ بنیاد کا پتھر تھیں جو موجود تھا لیکن نظر نہیں آتا تھا، ابا کی بہت قریبی دوست شیلا سندھو تھیں جو کہ آپ کے شہر دلی کی تھیں انھوں نے ایک مرتبہ کہا تھا ''فیض سب کو نظر آتا ہے لیکن فیض کے پیچھے کھڑی ایلس کسی کو نظر نہیں آتی''، میں بھی سمجھتی ہوں کہ فیض کی کامیابی میں ان کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے، وہ اس رشتے کو لے کر کافی پروٹیکٹیو اور سپورٹیو تھیں وہ انگریز تھیں انگریز اصولوں کے بہت پابند ہوتے ہیں۔ میں بہت چھوٹی تھی ابا کے جیل میں ہونے کے دوران مجھے ان کا رونا آج بھی یاد ہے، بعض اوقات ابا کی کچھ خبر نہیں ہوتی کہ وہ کہاں ہیں، کہاں نہیں ہیں، ابتدائی چار پانچ سال بہت مشکل تھے اس حوالے سے اگر دیکھا جائے وہ عورت بہت ہمت کے ساتھ اس شخص کے ساتھ کھڑی رہیں، ان کے سامنے کئی سارے چیلنجز تھے معاشی مشکلات بھی تھیں اس دوران ضرور ایسے موقعے آئے ہوں گے جب وہ انگلینڈ واپس جا سکتی تھیں وہاں پہ ان کا خاندان تھا وہاں کی شہریت بھی ان کے پاس تھی ایسے میں وہ ہمیں وہ اچھی طرح وہاں پال سکتی تھیں خود بھی ایک اچھی زندگی گزار سکتی تھیں لیکن انھوں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا نہ ہی انگلینڈ کی شہریت چھوڑ کر پاکستان کی شہریت لی۔ وہ ساری زندگی برٹش ہی رہیں اس کا فائدہ ہمیں ملا کہ ہمیں برٹش پاسپورٹ مل گیا، ایلس فیض ساری زندگی فیض احمد فیض کے ساتھ ہر اچھے برے وقت میں کھڑی رہیں، جب ابا بیروت گئے تو وہ بھی ان کے ساتھ رہیں ایک چھوٹے سے فلیٹ میں وہ رہتے تھے وہاں پہ پاکستانی لائف سٹائل کی طرح نہ نوکر چاکر تھے نہ آسائشیں تھیں ، کیوں کہ وہاں کے بھی حالات اچھے نہیں تھے بم دھماکے ہو رہے تھے جس دکان پہ گئے اگلے دن وہ دکان اڑی ہوئی تھی۔ ادھر ادھر جا نہیں سکتے تھے ، پھر وہ تیونیشیا چلے گئے فیض ایک درویش صفت انسان تھے ، کبھی کینیڈا کبھی افریقہ تو کبھی انگلینڈ میں رہے ، والدہ کے پاس پ برٹش پاسپورٹ تھا تو اس حوالے سے انھیں بھی آسانی حاصل تھی ، وہ ہمارے لئے بھی فکر مند ہوتی تھیں لیکن جب ہماری شادیاں ہو گئیں تو ان کی یہ فکر ختم ہو گئی۔ جب انھیں ''لینن پیس پرائز'' کے لئے نامزد کیا گیا تو پاکستان حکومت نے کہا کہ آپ اگر اسے ریسیو کرنے جائیں گے تو پھر واپس مت آئیے گا وہ ایک بڑا اعزاز تھا وہ اسے ریسیو کرنے کے لئے گئے اور لندن میں ہی رک گئے ہم بھی ان کے ساتھ تھے ، ان کے ساتھ انگلینڈ میں دو سال رہے۔ ایک افراتفری والی زندگی رہی میری والدہ ایلس فیض بن کر ہمیشہ ان کے ساتھ رہیں جب فیض راہی عدم ہو گئے تو پھر بھی وہ پاکستان میں رہیں ان کی بھی وفات پاکستان میں ہوئی اور ان دونوں کی قبریں بھی ایک ساتھ ہیں۔ اس سب کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بے شک ایلس فیض نے فیض کو فیض بنانے میں بہت بڑا کردار ادا کیا تھا بطور بیوی اور والدہ انھوں نے بہت سارے محاذ کامیابی کے ساتھ سر کئے۔ فیض احمد فیض کی قد آور شخصیت کے سامنے بھلے ہی وہ کسی کو نظر نہ آئیں لیکن ان کا ایک اپنا مستند کردار ہے جس کو تاریخ کبھی رد نہیں کر سکتی۔

اخبار کو ہاتھ میں لے کر
پڑھنے کا مزا اور ہے

علیزے نجف : آپ اپنی اب تک کی گزری ہوئی زندگی کے بارے میں کیا کہنا چاہیں گی آپ نے جس طرح یہ زندگی گزاری؟

منیزہ ہاشمی : میں سمجھتی ہوں کہ میں نے بہت مطمئن زندگی گزاری ہے، جب اچھا وقت رہا تو الحمدللہ ہمیشہ شکر کیا اور جب مشکل وقت آیا تو کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ یہ کچھ چھوڑ دوں ، کوشش ترک کرنے کی روایت ہمارے خاندان میں ہی نہیں تھی تو مجھ میں کہاں سے یہ عادت پیدا ہوتی، خواہ حالات جیسے بھی رہے میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی تدبیر کر کے اس مشکل سے باہر خود کو نکال لیتی جیسا کہ فیض صاحب نے بھی کہا ہے

دل نا امید تو نہیں ناکام ہی تو ہے
لمبی ہے غم کی شام مگر شام ہی تو ہے

ہم نے تو بہت بعد میں یہ شعر پڑھا لیکن لگتا ہے کہ اس شعر کی روح ہمیشہ سے میرے اندر تھی مجھے ہمیشہ سے یہ پتہ تھا کہ کچھ بھی ہو جائے گیو آپ نہیں کرنا ہے کبھی نہ کبھی تو روشنی ائے گی رت بدلے گی۔ میں سمجھتی ہوں کہ فیض کے یہاں سب سے زیادہ امید کی بات ہوتی ہے یہ ان کا بہت بڑا کنٹریبیوشن ان کی شاعری کی شکل میں موجود ہے۔ وہ اپنی شاعری کی ابتدا چاہے جس طرح بھی کریں لیکن اس کا اختتام امید پہ ہی ہوتا تھا، "مجھ سے پہلی سی محبت میرے محبوب نہ مانگ "اس نظم کے آخر میں بھی وہ امید کی کرن دکھاتے ہیں میں نے اپنی زندگی میں اگر کچھ بھی سیکھا ہے تو وہ یہی سیکھا ہے کہ آپ چلتے رہو چلتے رہو راستے مل ہی جائیں گے ، منزل کبھی نہ کبھی قدموں تلے ضرور ہو گی۔ میرا یقین بہت مکمل ہے اپنے دین پہ اپنے خدا پہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہ کہ میں سمجھتی ہوں کہ اگر میں چلتی رہی اگر میں صحیح راستے پہ چلتی رہی تو ضرور ایک دن منزل تک پہنچ جاؤں گی۔ میں نے اپنی زندگی کے تقریباً تمام فیصلے خود ہی کیے ہیں والد صاحب ہمارے ساتھ زیادہ رہے نہیں والدہ بھی کبھی ہوتیں کبھی نہیں ہوتیں کچھ مجھے خود پہ اعتماد بھی تھا میں نے خود اپنا شوق پہچانا اور نکل پڑی، اس لئے تقریبا تمام فیصلے چاہے وہ پڑھائی کے ہوں شادی کے ہوں چاہے وہ نوکری کرنے کے چاہے وہ بچوں کے حوالے سے ہوں وہ باہر جانے کے چاہے وہ نوکری کرنے کے ہوں تمام نشیب و فراز کے سامنے میں ڈٹی رہی آگے بڑھتی رہی اس وقت اگر میں مڑ کے دیکھتی ہوں بیٹا تو ان 77 ساڑھے 77 سالوں میں کیا کھویا کیا پایا کا حساب کرتی ہوں تو پایا زیادہ ہے کھویا کم ہے، کھویا ظاہر ہے پیارے دوست چلے گئے والدین چلے گئے اور اپنے کئی عزیز رشتہ دار چلے گئے ہیں خیر جانا تو سبھی کو ہے یہ ایک الگ دکھ ہے۔ رہی بات پانے کی تو الحمدللہ بہت کچھ پایا ہے اللہ نے بے تحاشا عزت قدر و منزلت سے نوازا ہے ، لوگ بہت احترام کرتے ہیں ، بعض تو بہت ڈرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ میں اصولوں کے معاملے میں بہت سخت ہوں اگر کسی نے کسی کام کو اس طرح نہیں کیا جس طرح کہ کرنا چاہئے تو میں کھڑے کھڑے ہی اس کا تجزیہ کر کے اس کی خامیاں اس پہ واضح کر دیتی ہوں ، اب اسے منفی سمجھیں یا مثبت یہ میری زندگی کا حصہ ہے ، سامنے کوئی بھی ہو میں اس کی پرواہ کئے بغیر اپنی بات کہہ دیتی ہوں ایک موقع پہ ایک جرنیل نے مجھ پہ آواز اونچی کرتے ہوئے کہا کہ آپ فیض کی بیٹی ہیں آپ کو اس کا احساس ہے بھی یا نہیں

میں نے بھی ترکی بہ ترکی کہہ دیا کہ کیا کروں اپنا باپ بدل دوں آپ نے جو کرنا ہے کرلیں میں اپنا باپ نہیں بدل سکتی ، کمرے میں جتنے لوگ موجود تھے سب حق دق رہ گئے کہ میں کس کے سامنے بول رہی ہوں۔ میرے مزاج میں تھوڑا سختی بے شک ہے لیکن بس اپنے اصول اور نظریات کی حد تک۔ میں نے بہت کام کئے ہیں ہر حالت میں میں نے امید کی ڈور تھامے رکھی خواہ حالات کیسے بھی رہے لیکن میں نے ذرا توقف کے بعد ہی سہی لیکن اپنا سفر جاری رکھا، میں بہت فوکسڈ انسان ہوں اس بات پہ یقین رکھتی ہوں کہ اللہ میرے ساتھ ہے یہی وجہ ہے کہ میں نے ایسے ایسے بھی کام کیے ہیں جو شاید کوئی اور کر سکتا، الحمدللہ میں نے ہر محاذ کو سر کیا اور کامیابی حاصل کی۔

علیزے نجف : آج جب آپ تنہا ہوتی ہیں گذرے سالوں کے شب و روز کا حساب کرتی ہیں تو وہ کون کون سے لمحے ہیں جو آپ کے لبوں پہ مسکراہٹ لا دیتے ہیں اور کن لمحوں کا کرب دل کو اداس کر دیتا ہے؟

منیزہ ہاشمی : بے شک میں اس وقت عمر کے اس حصے میں ہوں جب کہ میں ریٹائر ہو چکی ہوں اور گھر کی ذمے داریوں سے بھی فارغ ہو چکی ہوں پوتے پوتیاں بھی بڑے ہو گئے ہیں میں بہت خوش قسمت ہوں کہ میرے دونوں ہی بچے بہت سعادت مند ہیں ، ماشاءاللہ میری دونوں بہوئیں بھی بہت پیاری ہیں ایک بیٹے کے ساتھ میں رہتی ہوں دوسرا بھی تھوڑی دور پہ رہتا ہے۔ ہمارے خاندان کے بیچ بہت محبت و احترام کا رشتہ ہے ، پوتے پوتیاں تو میری جان ہیں ، سب کی اپنی اپنی مصروفیات ہیں کوئی کالج کوئی یونیورسٹی میں ہے ایک پوتی ماشاءاللہ اس وقت پڑھائی کے لئے ملک سے باہر ہوتی ہے ، ہم ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارتے ہیں ہاں جب میں فرصت سے اپنے کمرے میں ہوتی ہوں تو اس وقت کوئی فلم دیکھ لیتی ہوں ، کوئی اور کام کر لیتی ہوں اس وقت فیض فیسٹیول کی تیاریاں چل رہی ہیں چوں کہ میں ہی اس کی منتظم اعلی ہوں تو اس حوالے سے بھی بہت زیادہ مصروفیات ہوتی ہیں۔ جب یہ فیسٹیول ہو جائے گا تبھی سکون کا سانس لے پاؤں گی۔

اس کے علاوہ میں اپنی صحت و فٹنس کو لے کر کافی "کانشئیس" ہوں تو میں باقاعدہ ایکسر سائز کرتی ہوں ہفتے میں تین بار یوگا بھی کر لیتی ہوں مجھے آرتھرائٹس ہے تو ڈاکٹر نے کہا ہے کہ آپ کو پانی میں کچھ دیر کھڑے ہونا اور چلنا ہے تو موسم اچھا ہو تو سوئمنگ بھی کرتی ہوں۔ اکیلے رہنے کے لئے میرے پاس زیادہ وقت نہیں رہتا جب کہ دل کرتا ہے کمرے میں بند ہو کر اخبار پڑھوں ، لیپ ٹاپ پہ فلمیں دیکھوں ، اور دوسرے مشاغل کے لئے وقت نکالوں بلکل خاموش رہوں تو اتنا وقت بہت کم ملتا ہے کیوں کہ دوستوں سے ملنا ملانا ان سے گپیں مارنا چلتا رہتا ہے۔ اس وقت جب کہ بیٹا میں آپ سے بات کر رہی ہوں تو ایسے میں کئی ایسی یادیں ذہن میں ابھری ہیں جس سے کہ مسکراہٹ بھی آتی ہے اور دل خوش بھی ہوتا ہے وہیں کچھ ایسی باتیں بھی یاد آتی ہیں جس سے کہ دل اداس ہوتا ہے خوشگوار یادیں بے شمار ہیں اپنے پوتے پوتیوں کی مسکراہٹیں ، ان کا میرے گلے لگ کر پیار کرنا ، پھر اپنے بچوں کو دیکھنا اور یہ سوچنا کہ یہ بھی میری گود میں ہوا کرتے تھے اب ماشاءاللہ میرے سے بھی دو دو ہاتھ اونچے ہیں ، کبھی ادھر سے ہوا کا جھونکا یاد بن کر گزر را کبھی ادھر سے

ہر فیض فیسٹیول
ماشاءاللہ کامیاب رہا

کوئی اور خیال ذہن میں آ گیا ، لیکن خیر یہ سب لمحے گذر چکے ہیں لیکن کہیں نہ کہیں یہ یادیں بھی انسان کا اثاثہ ہوتی ہیں ، تنہا ہونے کا زیادہ وقت تو نہیں ملتا کیوں کہ میں ابھی بھی انھیں لوگوں کے درمیان

میں ہوں جن سے متعلق یادیں ہوتی ہیں اور کچھ لوگ نہیں بھی رہے لیکن اللہ کا شکر ہے ، بہت اچھی زندگی گزر رہی ہے۔

علیزے نجف : کسی انسان کا فیض شناس بننے کے لئے اس کی سوچ و نظریات کو کسی خاص زاویے میں ہونا ضروری ہے یا ایک عام انسان بھی

فیض کے ہاں ہمیشہ
امید کی بات ہوتی ہے

بآسانی ان کے تحریر کردہ لفظوں کی گرہوں کو کھول سکتا ہے؟

منیزہ ہاشمی : آپ نے بالکل صحیح کہا کہ فیض کو سمجھنے کے لئے اپنے ذہن کو کھلا رکھنا ضروری ہے کیوں کہ فیض احمد فیض کو پڑھنا بالکل آسان کام نہیں ہے ، خود میرے لئے بھی یہ آسان نہیں رہا ، میری استاد جو کہ میری بہت اچھی دوست بھی ہیں ڈاکٹر سیدہ فاطمہ زہرہ میں نے ان سے فیض احمد فیض کو پڑھا ہے ماشاءاللہ بہت قابل شخصیت ہیں کئی زبانوں پہ انھیں عبور حاصل ہے وہ فیض احمد فیض کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ دیکھیں فیض احمد فیض جنھیں چار زبانوں پہ عبور حاصل تھا اردو ، انگریزی ، فارسی ، عربی جب وہ شاعری کہے گا تو ان زبانوں کے مخلوط استعارے و تشبیہ استعمال کرے گا تو اس کو سمجھنا کیسے آسان ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے خود ان کی سطح پہ کھڑے ہو کر ان کی سوچ کی پرتوں کو کھولنا ہوگا ، اس لئے میرا خیال ہے کہ فیض کو پڑھنے کے لئے ایک استاد کا ہونا ضروری ہے۔ اس کے لئے پہلے آدمی کے اندر اس بات کو جاننے کا شوق ہونا چاہئے کہ وہ کیا کہنا چاہ رہے ہیں اور ان کا ذہنی پس منظر کیا ہے۔ اس بات کا قطعاً مطلب یہ نہیں کہ انھوں نے سادہ اور آسان نظمیں نہیں کہیں ہیں ، انھوں نے بہت ساری ایسی نظمیں کہی ہیں کہ جس کو کہ ایک عام انسان بھی تھوڑی سی کوشش کر کے سمجھ سکتا ہے۔ میں نے بہت سے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے اور خود تجربہ بھی کیا ہے کہ آپ فیض کی کسی بھی نظم کو جب پڑھتے ہیں تو اس وقت آپ کے موڈ کے حساب سے اس کے معنی و مفہوم کچھ اور ہوں گے پھر پندرہ بیس دن کے بعد جب آپ دوبارہ اس نظم کو پڑھیں گے تو اس وقت کے موڈ کے اعتبار سے اس کے الگ معنی و مفہوم ہوں گے۔

فیض کو اس دنیا سے رخصت ہوئے چالیس سال کا عرصہ گذر گیا ہے لیکن آج بھی انکی لکھی ہوئی نظموں کو پڑھتے ہوئے بارہا احساس ہوتا ہے کہ گویا یہ نظمیں آج کے لئے لکھی گئی ہیں اب پاکستان کا ہی حال دیکھ لیں یا غزہ کا دل میں ایک ایک درد کی سی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ ان کی اکثر نظموں میں بے شک دکھ ہے ، کرب ہے ، اداسی ہے لیکن امید کی ایک کرن ہے جو صبح کے طلوع ہونے کی بات کرتی ہے وہ کہتی ہے کہ بے شک یہ شام بہت غم آلود ہے لیکن کوئی بات نہیں شام ہی تو ہے جو کہ گزر جائے گی۔ فیض احمد فیض کی شاعری کی بے شمار تہیں ہیں ، رنگوں کی پرت ، ساتھ ہی آوازوں کی اور موسیقی کی بھی پرتیں ہیں اب یہ آپ کے اوپر ہے کہ آپ اسے کیسے سمجھتے ہیں اور ضروری نہیں کہ ہر کوئی اسے ازخود سمجھ سکے اس لئے استاد کی رہنمائی انسان کے لئے آسانی پیدا کرتی ہے۔

علیزے نجف : اس انٹرویو کے ذریعے آپ کیا پیغام دینا چاہیں گی؟

منیزہ ہاشمی : میرا وہی پیغام ہے جو فیض کا پیغام ہے امن کا پیغام انسان دوستی کا پیغام ہے محبت کا پیغام ہے اگر ہم سب اس دنیا میں محبت اور امن سے رہنے لگ جائیں تو یہ دنیا بہت ہی خوبصورت بہت ہی پیاری بن جائے گی کہ جب ہم اس دنیا کو چھوڑ جائیں گے تو ہمیں اس بات کا اطمینان ہوگا کہ ہماری نسلیں محفوظ جگہوں پہ ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے اس وقت دنیا میں ہر طرف بدامنی اور نفرت کو بڑھاوا دیا جا رہا ہے اور انسان دوستی پہ اپنے خود غرضانہ مفادات کو مقدم رکھا جا رہا ہے۔ ہر فرد و ہر قوم کو اس حوالے سے اپنا جائزہ لینے کی اشد ضرورت ہے۔

آزاد کشمیر کی مثالی استاد

’اطراف‘ کے عورت نمبر 2024 کے لیے دیرینہ قلمی معاون جویریہ یاسمین آزاد کشمیر کی ایک مثالی استاد کی عظیم خدمات سے آگاہ کررہی ہیں۔ ہم نے ہی ان سے گزارش کی تھی کہ ایک ایسی خاتون سے قارئین اطراف کو متعارف کروائیں جو قوم کی تقدیر بدلنے کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتی ہیں۔ آپ کے شہر میں بھی اگر ایسی مائیں بہنیں بیٹیاں مصروف خدمت ہیں تو ان کے کوائف ارسال کیجئے۔

وحیدہ یاسمین۔ ایک جذبہ ایک جنوں

تحریر: جویریہ یاسمین، میرپور آزاد کشمیر

اطراف کے ایک شُمارے میں محترمہ ہنی رضا کے حوالے سے پڑھا کہ انہوں نے سرکاری اسکول کی تعمیر و ترقی اور اس میں لائبریری کے قیام کے لیے مخلصانہ کوششیں کیں تو دفعتاً اپنی بڑی بہن وحیدہ یاسمین

دُشوار گزار پہاڑی علاقے میں صدر معلّمہ کے فرائض

کا خیال آیا۔ جنہوں نے سرکاری ملازمت کے دوران بہترین خدمات سرانجام دیں۔ شام صاحب سے تذکرہ کیا تو انہوں نے تفصیلاً لکھنے کی ہدایت کی تاکہ دوسرے لوگ بھی سیکھ سکیں کہ کم وسائل

بیرون ملک چلی جانے والی معلمات کو بھی تنخواہیں مل رہی تھیں

مالی مشکلات اور سرکاری رکاوٹوں کے باوجود صادق جذبے کے ساتھ کیسے مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

وحیدہ یاسمین۔ شاندار تعلیمی ریکارڈ کی حامل ہیں۔ میٹرک کے امتحان میں آزاد کشمیر بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کی انٹر اور بی اے کی سطح پر بھی اعلیٰ گریڈ حاصل کیے۔ بی ایڈ کے امتحان میں بھی پہلی پوزیشن حاصل کی۔ اس کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اُردو کیا کہ اُردو زبان و ادب کا شغف ورثے میں بھی ملا اور مطالعے کا ذوق بھی عمدہ پایا ہے گھر میں اپنی ذاتی لائبریری بنا رکھی ہے جس میں نادر کتب کا ایک معقول ذخیرہ ہے۔

اُردو ادب سے دلچسپی کے ساتھ ریاضی میں بھی مہارت رکھتی ہیں۔ ابتدا شہر کے مضافات کے ایک سرکاری اسکول میں بطور سینئر معلّمہ تقرری ہوئی تو تعلیمی قابلیت کے پیشِ نظر اُردو اور انگریزی کے مضامین پڑھانے کو دیے گئے۔ اسکول میں ریاضی کی ماہر ٹیچر نہ ہونے کی وجہ سے قریب کے بوائز اسکول سے ایک صاحب ریاضی پڑھانے آتے تھے ان سے معمولی رہنمائی کے بعد اپنے سارے عرصہ تعیناتی میں ریاضی میٹرک کی اضافی کلاسز بھی لیتی رہیں اور اُردو انگریزی کے ساتھ ریاضی میں بھی سو فیصد نتائج حاصل کیے۔

بعد ازاں ترقیاں پا کر آزاد کشمیر کے ضلع کوٹلی کے سرحدی علاقے کے ایک ہائی اسکول کی صدر معلّمہ کے طور پر تعیناتی عمل میں آئی جہاں پہنچنے کے لیے دُشوار گزار پہاڑی علاقے کے علاوہ تین جگہ گاڑی بھی تبدیل کرنا پڑتی تھی اور کوئی صدر معلّمہ وہاں جانے کو تیار نہ ہوتی تھی

لیکن وحیدہ یاسمین نے اپنی تعیناتی کے تین سال وہاں انتہائی ذمہ داری کے ساتھ گزارے اور باقاعدگی سے اپنے فرائض منصبی ادا کیے۔

2010 کے اواخر میں ان کی ٹرانسفر میرپور شہر کے سیکٹر C/4 کے ہائی اسکول کا چارج سنبھالا تو حیرت زدہ رہ گئیں کہ شہر کے مرکز میں واقع اسکول کی عمارت ۔اسٹاف ۔تدریس ۔صفائی ہر چیز کی حالت پریشان کن حد تک ناگفتہ بہ تھی لیکن دھن کی پکی تھیں اور پھر والد صاحب کا یہ قول بھی حرزِ جاں بنا رکھا تھا کہ پاکستان کے پیالے میں ڈالنے والا ہاتھ بننا ہے۔

سو کرنے کے کاموں کی ترتیب وار ایک فہرست بنائی اور کام میں جت گئیں اسٹاف لسٹ دیکھ کر معلوم ہوا کہ چند معلمات عرصہ دراز سے حاضر نہیں ہوتیں اور ایک دو تو بیرون ملک جا چکی ہیں لیکن ان کی تنخواہ سرکاری خزانے سے باقاعدگی سے جاری ہے۔ تو محکمہ نے کارروائی کروا کے بیرون ملک شفٹ ہو جانے والی معلمات کی عرصہ غیر حاضری کی تنخواہیں ان سے وصول کر کے سرکاری خزانے میں جمع کرائیں اور دیگر غیر حاضر معلمات کی

سرکاری اسکولوں کی تعلیم۔تعمیر۔ تزئین کا معیار بلند تر کر دیا

حاضری کو یقینی بنایا۔

شہر کے مضافاتی سیکٹر کے سرکاری ادارے میں زیادہ تر کم آمدنی والے گھرانوں کی بچیاں ہی زیر تعلیم تھیں لیکن پرائمری حصے میں داخلہ بہت کم تھا زیادہ تر والدین قریب موجود پرائیویٹ اسکولوں میں بچیوں کو داخل کراتے اور پھر پانچویں کے بعد سرکاری اسکول کا رُخ کرتے تھے چنانچہ سب سے پہلے نرسری اور پرائمری پر توجہ دی۔ بہن بھائیوں اور دیگر مخیّر حضرات کے تعاون سے وہاں صاف ستھرا نیا فرنیچر رکھوایا مختلف طرح کے کھلونے اور گیمز رکھی گئیں تا کہ بچے جب پڑھائی سے بور ہوں تو ان کے ساتھ کھیل کر پھر سے تازہ دم ہو جائیں۔

شعبہ پرائمری کے بچوں کی تعلیمی کارکردگی کو چیک کرنے کے لیے معروضی طرز پر باتصویر پرچہ جات خود بنا کر اسٹاف کو دیے اور ان کو تربیت دی کہ کس طرح نصاب میں بچوں کی دلچسپی بڑھائی جا سکتی ہے۔ نتیجتاً پہلے ہی سال پرائمری حصے میں بچیوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ دیکھنے میں آیا جو بتدریج بڑھتا رہا۔

ایک اور مسئلہ غربت کی وجہ سے یونیفارم کی فراہمی کا بھی تھا۔ ادارے میں ٹیوٹا کا سلائی سینٹر موجود تھا۔ جہاں لڑکیوں کو کپڑے

غریب طالبات کے لیے یونیفارم کی مفت فراہمی کا انتظام

سلائی کرنا سکھایا جاتا تھا۔ چنانچہ اپنی جیب اور مخیّر اسٹاف ممبران کے تعاون سے یونیفارم کے کپڑے کے تھان خریدے گئے داخلے کے وقت آنے والے والدین کو ہدایت کی جاتی کہ وہ سلائی سینٹر میں جا کر بچی کا ناپ دیں اور چند دن میں اسکول میں تیار یونیفارم مفت حاصل کر لیں۔

اپنی جیب سے۔ بہن بھائیوں کی مالی امداد اور عوام علاقہ اور دوست احباب سے رابطہ کر کے ایک ٹرسٹ قائم کیا جہاں جمع ہونے والی رقم

طالبات کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ٹرسٹ قائم کیا

سے نادار طبقات کو یونیفارم۔ جوتے اور سردیوں میں شال اور سویٹر بھی فراہم کیے جاتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ اسی ٹرسٹ سے طالبات کی ماہانہ فیس کی علاوہ پرائمری مڈل اور سیکنڈری بورڈز کے واجبات بھی ادا کیے جاتے۔

اسکول میں ایک بک بینک قائم کیا جہاں بچیاں اپنی پرانی کلاس کی کتابیں چھوڑ کر نئی کلاس کی کتابیں حاصل کرتیں اور کچھ نئی کتابیں بھی لے رکھی جاتیں جو نادار طالبات کو مفت فراہم کی جاتیں۔ خود اپنے والد مرحوم کے نام سے نادار طالبات کو وظائف جاری کیے جو سوفی صد اپنی جیب سے ادا کرتی رہیں۔ صدر معلم اور ایڈمن افس کے لیے فرنیچر بینکوں میں ہونے والی نیلامی سے خرید کر رکھا کہ کم قیمت میں معیاری فرنیچر مل جاتا ہے۔

اسکول میں پانی کا مسئلہ دیرینہ تھا واٹر سپلائی سے آنے والا پانی طالبات کی ضروریات کے لیے ناکافی تھا جن کے لیے ہفتے میں تین چار ٹینکر منگوانا پڑتے تھے۔ اس کے لیے اسکول کے صحن میں بورنگ کروا کر اس مسئلے کو مستقل بنیادوں پر حل کیا۔ حکومتی امداد اور ٹرسٹ سے حاصل ہونے والی رقوم سے اسکول کی عمارت کے مرمتی کام کے علاوہ چار دیواری تعمیر کرائی جس کے اندر درخت لگوائے اور پھولوں کی کیاریاں بنوائیں تاکہ ایک تو گرمی کا مقابلہ کیا جا سکے۔ نیز ماحول کو بھی خوشگوار بنایا جا سکے۔

ادارے کے اندر درجہ چہارم کے صرف دو ملازمین تھے ایک چوکیدار اور ایک نائب قاصد جو اتنے بڑے احاطے کی صفائی کے لیے ناکافی تھے۔ اس سلسلے میں بلدیہ سے رابطہ کر کے وہاں کے ملازمین کے ذریعے پودوں کی کانٹ چھانٹ اور گراؤنڈ کی صفائی کا انتظام کیا گیا۔

اسکول میں ہال نہیں تھا لیکن گراؤنڈ میں شامیانے لگوا کر ضلعی سطح کی تقاریب باقاعدگی سے منعقد کی گئیں۔ اسکول کی لائبریری میں بچیوں کی عمر اور دلچسپی کے لحاظ سے اور اپنی جیب سے کتب خرید کر رکھی گئیں اور بچیوں میں شوق مطالعہ پیدا کرنے کے لیے کلاس وائز ان کے لائبریری دن رکھے گئے جن میں طالبات لائبریری کے اندر بیٹھ کر کتب کا مطالعہ کرتیں۔

اساتذہ اور طالبات کی سہولت کے لیے اُردو انگریزی ڈکشنریاں خود خرید کر لائبریری میں رکھیں نیز اساتذہ کے لیے معاون کتابیں بھی فراہم کیں اور 2018 میں جب اسی ادارے سے ریٹائرڈ ہوئیں تو یہ ادارہ نہ صرف اپنی ظاہری شکل وصورت میں نمایاں تھا بلکہ سیکنڈری بورڈ کی سطح پر ہونے والے امتحانات میں بھی متعدد بار پوزیشنز حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔

آج ریٹائرمنٹ کے بعد اسکول کے فلاحی کاموں کے لیے دامے درمے قدمے سخنے ہر طرح سے حاضر رہتی ہیں۔ ❁

ڈاکٹر رضوانہ انصاری۔ مسیحا۔ قلم کار

پروفیسر شاداب احمد صدیقی حیدر آباد میں ’اطراف‘ کی نمائندگی پورے خلوص اور انہماک سے کررہے ہیں۔ ’عورت نمبر‘ کے لیے حیدر آباد کی معروف ڈاکٹر رضوانہ انصاری سے انہوں نے ہماری درخواست پر خصوصی گفتگو کی۔ پاکستان میں خواتین کے مقام۔ حقوق اور محرومیوں کے بارے میں ان کے خیالات جانے۔ ڈاکٹر صاحبہ ’جنگ‘ میں ان ہی موضوعات پر باقاعدہ تحقیقی مضامین لکھتی ہیں۔ ان کی تحریریں کتابی شکل میں ’خواب من‘ کے عنوان سے شائع ہوچکی ہیں۔

خوبصورت دنیا کے خواب دیکھنے والی قلم کار

مصنّفہ۔ سماجی کارکن ڈاکٹر رضوانہ انصاری سے خصوصی گفتگو

تحریر: پروفیسر شاداب احمد صدیقی

معروف مصنّفہ سماجی کارکن ڈاکٹر رضوانہ انصاری حیدر آباد میں ادب کے حوالے سے ایک جانی مانی شخصیت ہیں آج کل آپ روزنامہ جنگ کراچی میں کالمز لکھ رہی ہیں۔ ماہنامہ ’اطراف‘ کراچی خواتین نمبر کے لیے ان سے انٹرویو کیا۔

صنفی امتیاز کے حوالے سے پاکستان 142 ویں نمبر پر

سوال۔ سب سے پہلے اپنی تعلیم کے بارے میں بتائیے کب اور کہاں سے حاصل کی۔

جواب۔ ابتدائی تعلیم پنجگور بلوچستان سے حاصل کی۔ والد صاحب کا تبادلہ حیدر آباد ہوا اور پھر یہیں مستقل سکونت اختیار کرلی، حیدر آباد میں ہی اسکول، کالج اور لیاقت میڈیکل یونیورسٹی سے ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کی۔ مزید ٹریننگ کراچی سے حاصل کی۔

سوال۔ آپ نے مضامین لکھنے کا آغاز کب اور کہاں سے کیا؟

جواب۔ ابتدا میں تو کالج میگزین میں مضامین تحریر کیے۔ اس کے بعد ریڈیو پروگرامز کیے۔ پہلی تحریر اخبار جہاں میں شائع ہوئی، اس کے بعد مڈ ویک میگزین اور آج کل روزنامہ جنگ میں مختلف نوعیت کے مضامین لکھ رہی ہوں۔ اس کے علاوہ انٹرنیٹ ویب سائٹ ’ہم سب‘ میگزین میں لکھ رہی ہوں۔

سوال۔ آپ کی کتنی کتب شائع ہوچکی ہیں؟

جواب۔ میری پہلی کتاب ’’خواب من‘‘ ہے جبکہ دوسری کتاب کی تیاری ہے۔

سوال۔ آپ نے کون سے موضوعات پر لکھا؟

جواب۔ میری تحریروں کا موضوع زندگی ہے۔

سوال۔ آپ کی کتاب ’’خواب من‘‘ کی تھیم کیا ہے؟

جواب۔ ’’خواب من‘‘ کی تھیم ایک خوبصورت دنیا کے خواب ہیں۔ وہ دنیا جہاں ظلم نہ ہو۔ مایوسی نہ ہو۔ زیادتی نہ ہو۔ امن ہو اور سماجی تشدد نہ ہو۔ ’’خواب من‘‘ میں زیادہ تر عورتوں، بچوں اور سماجی مسائل پر لکھا ہے۔ اپنے احساسات کو قلم کے ذریعے الفاظ کی شکل دی ہے۔

سوال۔ کیا شاعری بھی کرتی ہیں؟

جواب۔ شاعری کا جہاں تک تعلق ہے وہ صرف اپنی ڈائری تک محدود ہے۔

سوال۔ آپ کے پسندیدہ شعراء کون ہیں؟

جواب۔ فیض احمد فیض، علامہ اقبال، منیر نیازی، پروین شاکر اور امجد اسلام امجد۔

سوال۔ ہمارے معاشرے میں عورتوں کا کیا مقام ہے؟

جواب۔ ہمارے معاشرے میں عورتوں کے مقام کی بات کی جائے تو سب سے پہلے ہمارے مذہب اسلام نے تو بہت اونچا مقام اور حقوق دیے ہیں مگر ہمارا معاشرہ ایک پدرسری معاشرہ ہے اس لیے یہاں عورت کو دوسرے درجے کی مخلوق سمجھا جاتا ہے۔ یہ صنفی امتیاز کا شکار معاشرہ ہے۔ صنفی امتیاز کے حوالے سے دنیا کے 146 ممالک میں ہمارے ملک کا 142 واں نمبر ہے۔

سوال۔ خواتین کے کون سے حقوق انہیں نہیں مل رہے ہیں؟

جواب۔ خواتین کو تعلیم حاصل کرنے سے محروم کیا جارہا ہے۔

ڈاکٹر رضوانہ انصاری۔ مسیحا۔ قلم کار

اس کے علاوہ خواتین کو صحت کی سہولتیں حاصل نہیں ہیں۔ عزت اور توقیر کے ساتھ زندگی گزارنے کا حق حاصل نہیں۔ خواتین

معاشرے کے غیر منصفانہ رویوں کا شکار ہیں۔

سوال۔ خواتین کو جنسی ہراساں کرنے اور فحش حرکات کے واقعات میں اضافہ کیوں ہو رہا ہے؟ ان کے سد باب کے لیے

خواتین تعلیم اور شعور سے محرومیاں ختم کریں

کیا اقدامات کرنا چاہئیں؟

جواب۔ ہمارے معاشرے میں مرد طاقتور اور عورت کمزور سمجھی جاتی ہے۔ فرسودہ رسم و رواج اور تربیت کا فقدان بڑ وجوہات ہیں۔ خواتین کے کردار اور شخصیت پر وار کرنا آسان سمجھا جاتا ہے۔ ہر گالی کا عنوان عورت ہے۔ جس تیزی سے پاکستانی معاشرے میں بگاڑ آ رہا ہے اور لوگوں میں فرسٹریشن بڑھ رہے ہے تو ایسے واقعات روزانہ کا معمول بنتے جا رہے ہیں۔ کاروکاری، ونی، سوارا اور کم عمری کی شادی جیسی فرسودہ رسومات میں دن بدن اضافہ تشویش کا باعث ہے۔ غیرت کے نام پر قتل بھی ایک گھناؤنا جرم ہ۔ اگر کسی خاتون پر بدکاری کا شبہ ہو تب بھی بسا اوقات تحقیق کے بغیر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں مرد حضرات اپنی طاقت کا ناجائز استعمال کر کے خواتین پر جسمانی تشدد، ریپ جیسے گھناؤنے جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ایسے افراد کو سخت اور عبرتناک سزائیں دی جائیں۔ قوانین پر سختی سے عملدرآمد کیا جائے۔ خواتین اپنے دفاع کے لیے مضبوط اعصاب کے ساتھ معاشرے کے ظالم مردوں سے جاہلانہ رسومات اور اپنی عزت کے تحفظ کے لیے ہمت و حوصلہ سے کام لیں۔ اپنی بقا کی جنگ خود لڑیں۔ تعلیم اور شعور سے اپنی محرومیوں کو ختم کریں۔

سوال۔ جسمانی تشدد سے بچنے کے لیے خواتین کو کیا کرنا چاہئے؟

جواب۔ گھریلو اور جسمانی تشدد سے بچنے کے لیے خواتین زیادہ تعلیم حاصل کریں آگہی اور معاشی طور پر مستحکم ہوں۔ اپنی

بنیادی صحت پر بھرپور توجہ دینا چاہئے اور ممکن ہو تو مارشل آرٹ سیکھنا چاہئے۔

سوال۔ لفظ عورت کو ایک جملے میں بیان کریں؟

جواب۔ عورت خالق کائنات کی سب سے خوبصورت تخلیق ہے جس میں ترتیب، توازن، تعظیم اور توقیر کے ساتھ محبت، محبت اور صرف محبت ہے۔

سوال۔ کیا آپ خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے بھی کچھ کام کر رہی ہیں اور کون سے کام ہیں؟

جواب۔ میں سندھ ڈیولپمنٹ سوسائٹی SDS کے ساتھ کام کرتی ہوں جو عورتوں اور بچوں کی صحت اور تعلیم کے ساتھ انہیں ہُنر مند بناتے ہیں میں بطور ڈاکٹر اور میرے ہم خیال احباب مل کر بچوں اور خواتین کی صحت کی نگہداشت کے لیے کام کر رہے ہیں۔ مختلف علاقوں میں میڈیکل کیمپس لگاتے ہیں۔ میں SOS ولیج اور ویمن جیل میں بھی کام کرتی ہوں۔ میں سپریم کورٹ کی Oversight کمیٹی کی ممبر بھی ہوں جو عورتوں اور بچوں کی جیل میں ان کی صحت، صفائی اور دیگر سہولتوں کی جانچ کرتی ہے۔ اس کے علاوہ میں مختلف علاقوں میں جا کر انہیں گرم کپڑے، یونیفارم اور کتابیں وغیرہ فراہم کرتی ہوں۔

سوال۔ خواتین کے اہم مسائل کون سے ہیں؟

جواب۔ تعلیم کی کمی، خراب صحت، شعور و آگہی کا فقدان، معاشی مسائل ہیں۔

سوال۔ 8 مارچ کو خواتین کے عالمی دن کے حوالے سے آپ

خواتین میں بیداری کے لیے ’اطراف‘ قابل تحسین

کیا پیغام دیں گی۔

جواب۔ تعلیم و ہنر حاصل کریں۔ اپنی صحت پر توجہ دیں۔ بچوں کی تربیت کریں اور اپنی طاقت و قوت کو پہچانیں۔ انشاء اللہ آنے والا کل بہت شاندار ہوگا۔ آپ کا مستقبل روشن و تابناک ہوگا۔

سوال۔ ماہنامہ ’اطراف‘ کراچی مارچ کے مہینے میں خواتین نمبر شائع کر رہا ہے۔ آپ ماہنامہ ’اطراف‘ کراچی کی کاوش کے لیے کیا کہنا چاہیں گی؟

جواب۔ ماہنامہ ’اطراف‘ کراچی کے چیف ایڈیٹر محمود شام کو خراج تحسین پیش کروں گی کہ انہوں نے خواتین کے مسائل اُجاگر کرنے کے لیے یہ مثبت اقدام کیا ہے۔ آپ کی کاوش قال ستائش ہے۔ خواتین نمبر سے معاشرے میں خواتین میں شعور و آگہی اُجاگر ہوگی اور ان کا وقار بلند ہوگا۔

نازیہ آصف کا اسلوب تحریر بہت دل نشیں بھی ہے اور باکمال بھی۔ 'اطراف' کی خوش قسمتی کہ ان سے رابطہ ہوا۔ انھوں نے 'اطراف' کی قلمی معاونت کا حق ادا کردیا ہے۔ 'عورت نمبر' کے لیے ان سے درخواست کی گئی کہ وہ اپنے شہر کی نامور۔ نیک دل خواتین سے متعارف کروائیں۔ تو انھوں نے عہد حاضر اور عہد رفتہ کی قلمکار۔ سماجی بہبود کے لیے سرگرم۔ قانون دان خواتین کی صلاحیتوں سے بہت لگن سے آگاہ کیا ہے۔ پڑھئے اور اپنی رائے دیجئے۔

گجرات کی بیٹیاں کسی سے کم نہیں ہیں

تحریر: نازیہ آصف، گجرات

قارئین! تخلیق آدم کے عمل میں حوا پوشیدہ تھی۔اور عیسیٰ کی تخلیق میں یہ ثابت ہوا کہ ''ایک حوا کے اندر آدم پوشیدہ تھا''۔ یوں آدم وحوا کی تخلیق سے توازن وجود میں آیا۔ دنیا بنی۔ نظام زیست وجود میں آیا۔ نوح نے اپنی کشتی میں ہر جوڑے کو پناہ دے کر اس توازن کی اہمیت پہ مہر لگادی۔
علامہ اقبال نے اسی بات کو کتنے خوبصورت انداز میں بیان کیا۔

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں

یعنی زندگی میں حرارت سے لے کر رنگ و روپ سب عورت کے باعث ہے۔ عورت محبت کا استعارہ ہے، جو وجہ تخلیق کائنات ہے۔ اللہ پاک نے ایک طرف تو اس کے قدموں میں جنت رکھ کے اس کا مقام بلند کیا تو دوسری طرف اس نے بیوی کی صورت میں آدم کے ایمان کو مکمل کیا۔ اس کی گود کو تربیت گاہ بنایا جس میں نبیوں سے لے کر ولیوں تک اور چنگیز خان سے لے کر سقراط اور ارسطو جیسے فلاسفروں نے تربیت پائی۔
اس سلسلے میں اس دھرتی کے کچھ خطے خاصے مردم خیز رہے ہیں۔ جن میں میرا سوہنا شہر ''گجرات'' بھی کسی سے پیچھے نہیں۔ سب سے زیادہ نشان حیدر تو اس خطے میں تھے ہی، مگر اس خطے کی بیٹیاں بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں۔ میں ذکر کرنا چاہوں گی چند ایسی مایہ ناز خواتین کا جنھوں نے اس معاشرے کی اقدار کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑے باوقار طریقے سے خود کو منوایا اور دنیا بھر میں اپنی پہچان بنائی۔ سب سے پہلے ذکر کرتے ہیں۔

1۔ محترمہ کرشنا صوبتی

محترمہ کرشنا صوبتی 16 فروری 1924 کو گجرات کے نواحی قصبے "جلالپور صوبتیاں" میں پیدا ہوئیں۔ کچھ عرصہ اندرون شہر، صرافہ بازار میں بھی قیام کیا۔ لاہور کے فتح چند کالج سے تعلیم پائی۔ تقسیم ہند کے وقت اگرچہ وہ یہاں سے ہجرت کر کے دہلی منتقل ہوگئیں، مگر ان کی اپنے گاؤں یا وطن سے محبت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ جب انھوں نے قلم سنبھالا تو وطن کی مٹی کا قرض چکانے کی خاطر اپنے گاوں کے ہی نام کو اپنے نام کا حصہ بنالیا۔ کرشنا صوبتی صاحبہ نے لکھنے کا آغاز ہندی زبان میں شاعری سے کیا، مگر پھر وہ افسانے اور ناول کی طرف مائل ہوگئیں۔ وہ اپنی تحریروں میں تقسیم کا دکھ، عورت کے ساتھ صنفی زیادتی پر کھل کے اظہار کرتی ہیں۔

ہندی ادب کی عظیم خاتون۔ کرشنا صوبتی گجرات کی پیدائش

انھوں نے اپنے ناول "مترومرجانی" جو 1966" میں شائع ہوا تھا۔ شادی شدہ عورت کے جنسی مسائل کو موضوع بنایا۔ اس کے بعد آنے والے ''ناول زندگی نامہ'' میں انھوں نے ماقبل از تقسیم کے قوموں کے درمیان محبت واتحاد کو اجاگر کیا۔ ان دونوں ناولوں نے بہت پذیرائی حاصل کی۔
ان میں ساہتیہ اکیڈمی اعزاز،1980 میں ناول "زندگی نامہ" پر دیا گیا اور 1996 میں انھیں اکادمی کا سب سے بڑا اعزاز ساہتیہ اکادمی فیلوشپ سے نوازا گیا۔ اسی طرح ادب کی خدمات پر انھیں 2017 میں گیان پیتھ ایوارڈ، سے بھی نوازا گیا۔
کرشنا صوبتی صاحبہ کو ہندی ادب کی'' گرانڈے ڈیم''، یعنی عظیم خاتون کہا جاتا ہے۔
ان کے ناولوں میں......ڈار سے بچھوری۔ سورج مکھی اندھیرے کے، یاروں کے یار ہیں۔ نفیسہ، سکہ، بادل گیا، بادلوں کے گھیرے ان کے شاہکار افسانوں میں شمار ہوتے ہیں۔
ان کی تخلیقات کا ایک مجموعہ "صوبتی ایکا صوہابتا" کے نام سے بھی شائع ہوا تھا۔ ان کی تخلیقات کا ترجمہ انگریزی روسی اور سویڈش زبانوں مین بھی کیا گیا۔
علم وادب کے آسمان کا یہ درخشندہ ستارہ 26 جنوری 2220 کو دہلی کے ایک ہسپتال میں بجھ گیا۔

2۔ ثریا سلیم صاحبہ

''نظر سے ان کے دل کی ترجمانی اب بھی ہوتی ہے
نگاہ ناز کی جادو بیانی اب بھی ہوتی ہے
محبت میں وہی بے چینیاں ہیں آج بھی باقی
تڑپ اٹھنے سے دل کی نیم جانی اب بھی ہوتی ہے

کرشنا صوبتی

روبینہ خالد

شکیلہ مستور چوہدری

چھپاتی لاکھ ہوں میں اشک ہائے سوزِ غم لیکن
درِ نوکِ مژگاں سے ترجمانی اب بھی ہوتی ہے
غمِ دل میں ثریا کی زباں بے تاب ہے ورنہ
لبِ خاموش سے افسانہ خوانی اب بھی ہوتی ہے"

یہ جولانیاں تھیں محترمہ ثریا سلیم کے قلم کی، جو پیدا تو حیدرآباد دکن میں ہوئیں۔انھوں نے گورنمنٹ کالج فوارہ چوک گجرات کے قیام کے بعد اس کی پہلی پرنسپل ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔بعد میں ان کی تبدیلی کے احکامات بھی جاری ہوئے مگر انھوں نے یہی قیام کرنے کا فیصلہ کیا۔وہ پھر کبھی ہندوستان نہیں گئیں۔وہ علم و ادب سے محبت کرنے والی خاتون تھیں۔ان کی شاعری میں غم والم، حزن و ملال کو بخوبی محسوس کیا جا سکتا ہے۔آپ کی یہ غزل رسالہ "تعمیرِ نو" میں 15 جنوری 1959 کو چھپی۔

3۔ ثریا ملک صاحبہ

چاند کی چاندنی کی طرح بظاہر اجلی مگر اندر سے ہفت رنگ لکھاری ،سماجی و سیاسی کارکن ، ناول نگار " ثریا ملک صاحبہ " کو سرزمین

وزیرالنساء چوہدری

گجرات کی پہلی خاتون ناول نگار ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔آپ کا ناول بعنوان" تعبیر "اعوان پبلشرز گجرات نے شائع کیا تھا۔

آپ کو صرف شہر کی پہلی ناول نگار ہونے کا اعزاز ہی حاصل نہیں بلکہ آپ نے گجرات کی مزدور پیشہ خواتین کے لیے پہلی بار " سوشل ویلفیئر سوسائٹی" بنا کر اپنے اخلاص عمل کو ثابت کر دیا کہ وہ صرف لفظوں میں ہی نہیں بلکہ دل میں بھی درد رکھتی ہیں۔

4۔ شمیم قریشی صاحبہ

آپ نے اردو ادب میں اعلیٰ تعلیم پائی۔اردو زبان سے آپ کو بہت رغبت تھی۔آپ کی 1955 میں لکھی گئی غزل کے ماہنامہ "تعمیر نو "میں چھپے چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

اب جو عشاق کے اطوار بجھے جاتے ہیں
میکدے کے در و دیوار بجھے جاتے ہیں
شعلہ عشق لپک کر انھیں روشن کر دے
آج اس شوخ کے رخسار بجھے جاتے ہیں
ساقیا کچھ تو ہوں آبادیٔ دل کے ساماں
شیشہ خالی ہو تو میخوار بجھے جاتے ہیں۔

(شمارہ ماہ جنوری 1959)

اس کے علاوہ کئی ایسی ہستیاں تھیں جو اپنے وقت پر چمک کر آسودہ خاک ہو گئیں۔افسوس! کہ تلاش و بسیار کے باوجود بھی ان سے متعلق کچھ زیادہ معلومات دستیاب نہ ہو سکیں۔

ثریا نسیم ۔ثریا ملک۔ شمیم قریشی۔
عہدِ رفتہ کی ممتاز قلمکار

لیکن نظام قدرت ہے کہ زندگی موت کا یہ کھیل تا حشر یوں ہی جاری رہے گا۔جو چلا جاتا ہے اس کی جگہ لینے اس بھی بہتر لوگ آ جاتے ہیں۔

اب آتے ہیں عہد موجود میں، اور تذکرہ کرتے ہیں عہد حاضر کی چند نابغہ روزگار ہستیوں کا۔

1۔ صغریٰ صدف

صغریٰ صدف

سب سے پہلے ذکر کرتے ہیں علم و ادب کے فلک پہ گجرات شہر کی پہچان صغریٰ صدف صاحبہ کا، جو 28 فروری کو گجرات کے دور افتادہ گاؤں کوٹلہ (پوڑ) میں پیدا ہوئیں۔یہ وہ وقت تھا جب بیٹیوں کو پڑھانا لکھانا مناسب خیال نہیں کیا جاتا تھا۔آپ کے خاندان میں واحد پڑھے لکھے انسان آپ کے والد صاحب تھے، جنھوں نے آٹھویں جماعت تک تعلیم پائی تھی۔آپ کی خوش قسمتی کہ وہ علم کی اہمیت کو سمجھتے تھے جنھوں نے آپ کے علم و ادب سے لگاؤ کو دیکھتے ہوئے آپ کا بھرپور ساتھ دیا۔

دَورِ حاضر کے ستارے۔صغریٰ صدف۔شاہین مفتی۔وزیر النساء چوہدری۔
شکیلہ مستور چودھری۔روبینہ خالد۔ثمینہ فخر پگانوالہ۔اسما طارق۔ڈاکٹر صبح میر

آپ نے گورنمنٹ کالج فوارہ چوک سے بی اے کیا۔اس کے بعد پنجاب یونیورسٹی سے نفسیات سماجیات اور فلسفہ میں ایم اے کیا۔

آپ نے لکھنے کی ابتدا اردو شاعری سے کی بعد میں پنجابی کی طرف آ گئیں۔آپ ایک افسانہ نگار شاعرہ، محقق، کالم نگار ہیں۔اس کے علاوہ آپ نے پی ٹی وی پر طویل عرصے تک کمپیئرنگ بھی کی۔آپ پنجاب انسٹی ٹیوٹ آف لینگویج، آرٹ اینڈ کلچر میں ڈائریکٹر جنرل کے عہدے پر خدمات انجام دے رہی ہیں۔آجکل یہ ادارہ پنجابی شاعروں کے کلام کو ترجمے کے ساتھ چھاپنے کا کام کر رہا ہے۔اس کے علاوہ "ترنجن" نام سے ایک میگزین بھی نکالا جا رہا ہے۔

آپ کہتی ہیں کہ قدرت پر میرا ایمان ہے اور قدرت نے مجھے ان راستوں پہ ڈالا جن کی مجھے خبر بھی نہ تھی، بس ان چیزوں کا خمیر میرے اندر موجود تھا"۔ یہ حقیقت ہے کہ کچھ مخصوص لوگوں پر اللہ پاک کی خاص رحمتیں بھی ہوتی ہیں مگر انسان انھیں اپنی ہمت و محنت سے ہی کھوجتا ہے۔آپ کو پنجابی زبان سے خاص شغف ہے صوفی اور صوفی ازم پر مقالہ بھی لکھا جسے بعد ازاں کتابی شکل بھی دی گئی۔آپ کی اردو پنجابی کی کتابوں میں

1۔میں کیوں مانوں ہار 2۔مائے نی میں کنوں آکھاں 3۔مورکھ من 4۔جدا ہیں جاہتیں اپنی 5۔تیری خوشبو راتی ہے 6۔فیض کا عمرانی فلسفہ شامل ہیں۔

2۔ شاہین مفتی صاحبہ

شاہین مفتی صاحبہ گجرات کی پہچان ہیں۔آپ نے 2015 میں حکومت پاکستان سے تمغہ امتیاز پا کر گجرات شہر کو دوسرے کئی شہروں سے ممتاز کر دیا۔آپ ایک محقق، کالم نگار، شاعرہ، مصنفہ اور معتبر نقاد نگار بھی ہیں۔اگرچہ آپ کی پیدائش سرگودھا میں ہوئی مگر درس و تدریس کے حوالے سے گجرات اور آپ ایک دوسرے کی پہچان بن چکے ہیں۔گجرات سے گریجوایشن کیا پھر فیصل آباد سے ایم اے اور بہاوالدین زکریا یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کیا۔جب تدریس کے شعبے سے منسلک ہوئیں تو گجرات کو ہی پسند کیا۔آپ مرغزار کالج گجرات سے بطور پرنسپل ریٹائر ہوئیں۔کسی محفل میں آپ سے گجرات سے اس وابستگی کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا"ایک عمر گزارنے کے بعد تو انسان محاورتاً کہیں کا نہیں رہتا،غنیمت ہے گجرات بھی میسر ہے۔اب یہ عادت اور قسمت ہے۔منطقی سطح پر زمان خالص اور دوران خالص کی طرح ایک قیام خالص بھی ہوتا ہے۔ مسلسل زمین و آسماں کے بیچ مجھے جو جگہ میسر آئی ، وہ یہی گجرات کی سرزمین ہے۔یہاں کا میٹھا پانی، خوبصورت موسم، پیار کرنے والے لوگ، اس کا خودکار معتدل آزاد تہذیبی نظام ، عزیزوں کی قبریں اور دوستوں کی منافقتیں ،سب پسند ہیں مجھے"۔

آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ جب پاکستان اکیڈمی آف لیٹرز نے "سلسلہ ادب" میں زندہ ادیبوں پر تحقیق کا آغاز کیا تو ان میں آپ بھی شامل تھیں۔بطور ایک ہمہ جہت تخلیق کار کے، ایک تخلیق کار کی ہمہ جہتی کو سمیٹتے ہوئے یوں گویا ہوتی ہیں کہ "میرا خیال ہے میرے نزدیک لکھنے والے کی ساری زندگی ایک فکری وحدت ہے صرف اظہار اپنے پیرہن بدلتا ہے تخلیقیت کے بنیادی اجزاء وہی رہتے ہیں۔آپ کی اولین تخلیقات میں آزاد نظموں کا مجموعہ "امانت کے نام سے آیا اس کے بعد 2۔مسافت 3۔پانی پہ قدم 4۔۔کنارا کس نے دیکھا ہے۔(مجموعہ شاعری)5۔۔امکان کی بازیافت (تنقیدی مضامین)6۔۔۔بک شیلف (تنقیدی مضامین)7۔۔اردو ادب کا اینٹی ہیرو، انیس ناگی 8۔۔۔انیس ناگی شخصیت اور فن 9۔۔۔کشور ناہید شخصیت و فن 10۔۔۔ڈاکٹر سلیم اختر شخصیت و فن 11۔۔۔جدید اردو نظم میں وجودیت 12۔۔۔فیض کی شخصیت میں

رنگ کی اہمیت 13۔۔آپ کا خادم (ناول ترجمہ)14۔۔۔دشت رائیگانی میں (ترجمہ عربی نظمیں)15۔۔۔منٹو ایک مطالعہ (مرتبہ، ایک کتاب) جیسی نادر کتب کا اضافہ ہوتا چلا گیا۔

اردو کے ساتھ ساتھ آپ کی انگریزی نظموں کا ترجمہ پروفیسر راشد بٹ صاحب نے DreamsforDoomed کے نام سے شائع کیا۔ گجرات ہی سے منیر الحق کعبی نے آپ کے انٹرویوز کو" مقالات شاہین" کے عنوان سے کتابی شکل دی ہے۔

3۔ وزیرالنساء چوہدری

آپ گجرات کی وہ مایہ ناز بیٹی ہیں جن پہ جتنا بھی فخر کیا جائے، کم ہے۔ آپ نے ایل ایل بی کے بعد گجرات بار کو جوائن کیا۔ چند سال پریکٹس کی مگر دل کے اندر دکھی انسانیت کی خدمت کا جذبہ موجزن تھا۔ جس نے چین نہ لینے دیا۔ آپ 2003 میں پریکٹس چھوڑ کر سیاست میں وارد ہوئیں اور پیپلز پارٹی کے پلیٹ فارم سے مختلف عہدوں پہ کام کیا۔ ایم این اے کا الیکشن بھی لڑا۔ اس وقت ڈویژنل پریزیڈنٹ خواتین ونگ، گوجرانوالہ کے عہدے پہ کام کر رہی ہیں۔

فاطمہ سرسبز فرٹیلائزرز کی طرف سے نمائندہ کسان بھی ہیں اور ہر سال یوم خواتین کے موقع پہ ان کی طرف سے متعدد اعزازات و ایوارڈز سے نوازا جاتا ہے۔

وزیرالنساء صاحبہ اپنی انتھک محنت، لگن اور کوشش سے اپنے علاقے کی ترقی کے لیے کام کر رہی ہیں اور حلقے کی مسائل اپنی مدد آپ کے تحت بھی حل کروا رہی ہیں۔ جس میں سرفہرست علاقے کے لوگوں کا بڑا مسئلہ مناسب جنازہ گاہ کا نہ ہونا تھا، جو آپ نے تعمیر کروا کر عوام کے دل جیت لیے۔

اس کے علاوہ آپ دکھی انسانیت کے قانونی، مالی مسائل اور یتیم غریب لڑکیوں کی شادی بیاہ جیسے مسائل بھی بخوبی حل کروا رہی ہیں۔

4۔ شکیلہ مستور چودھری

علم وہمت کا استعارہ، کمزور طبقے کا سہارا، اور گجرات کی شان شکیلہ مستور چوہدری صاحبہ، جنھوں نے 1996 میں اس وقت قانون کی تعلیم حاصل کر کے والدین اور گجرات بار کا سر فخر سے بلند کیا جب خواتین اس فیلڈ میں خال خال ہی نظر آتی تھیں، مگر آپ نے اس پہ ہی اکتفا نہیں کیا۔ آگے بڑھنے کی جدوجہد اور اندر کی بے چین روح نے آپ کو ایک جگہ ٹکنے نہیں دیا۔ آپ نے ایک خاتون ہونے کے ناطے خواتین کے دکھ درد کو سمجھا اور میٹرنٹی ہسپتال گجرات کی انجمن بہبود مریضاں کی ایڈوائزر ہونے کے ناطے خواتین کو درپیش مسائل کے حل کے لیے گوناں گو اقدامات کیے۔ آپ ضلع گجرات کے اکلوتے اور مشہور ہسپتال عزیز بھٹی شہید ہسپتال کی تنظیم "پیشنٹ ویلفیئر ایسوسی ایشن" کی ممبر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ لیگل ایڈوائزر آف چیمبر آف کامرس اور انڈسٹری آف گجرات بھی رہی ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ خواتین کی بھلائی کے ادارے "صنعت زار" کی بھی لیگل ایڈوائزر رہی ہیں۔ آپ کو جو سب سے بڑا اعزاز حاصل ہے، وہ ہے ڈسٹرکٹ گجرات کی پہلی خاتون "ڈسٹرکٹ اٹارنی" بننے کا۔ آپ سے پہلے اس عہدے پہ کوئی خاتون فائز نہیں ہوئی۔

2008 سے آپ بطور ڈسٹرکٹ اٹارنی گوجرانوالہ، سیالکوٹ، جہلم میں خدمات انجام دینے کے بعد آجکل ضلع گجرات کی انچارج ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ لاہور ہائی کورٹ بار کی" ہیومن رائٹس کمیٹی" کی ممبر بھی رہی ہیں۔ اپ اپنی قانونی مصروفیات کے ساتھ ساتھ رفاہ عامہ کے کاموں میں بھی دل کھول کر حصہ لیتی ہیں۔

5۔ روبینہ خالد صاحبہ

گجرات کی نادار، غریب ضرورتمند خواتین کے حقوق کے لیے بہت کام ہو رہا ہے

میرے شہر کا وہ چراغ ہیں جس نے اس وقت جلنا شروع کیا جب ابھی خواتین میں علم کی روشنی نہ ہونے کے برابر تھی۔

1977 میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری لینے کے بعد آپ نے گجرات شہر میں پہلے انگلش میڈیم سکول کی بنیاد رکھی۔ اور پھر ایجوکیشن سے یوں وابستہ ہوئیں کہ ماہر تعلیم کہلائیں اور محکمہ تعلیم کے "بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن گوجرانوالہ" کی چھ سال کے لیے ممبر منتخب ہوئیں۔ بورڈ میں اصلاحات کروا کر طلباء کے لیے آسانیاں پیدا کیں۔ ان ہی صلاحیتوں کے اعتراف میں آپ کو چیئرمین آف بورڈ کی طرف سے گولڈ میڈل بھی دیا گیا۔ آپ پولیس کی قائم کردہ امن کمیٹی کی ممبر ہیں۔ انجمن بہبود مریضاں عزیز بھٹی ہسپتال کی تاحیات ممبر بھی منتخب کی جا چکی ہیں۔

اسماء طارق

آپ کی ابتدائی زندگی خاصی مصائب میں گزری جس میں آپ نے دکھ درد کو بڑے عزم وہمت سے برداشت کیا جس کا ذکر آپ کی کتاب "بندگی میں بھی میرا بھلا نہ ہوا" میں بھی جا بجا ملتا ہے۔ آپ نثر کے ساتھ ساتھ بہترین شاعرہ بھی ہیں اور کئی اسکولز بھی چلا رہی ہیں۔

اللہ پاک نے آپ کو دل کھول کر صلاحیتوں سے نوازا اور آپ نے ان خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ان کا حق ادا کر دیا ہے۔ یوں کہنا مناسب ہو گا کہ شہر گجرات کے محکمہ جات آپ کی ان خوبیوں سے مستفید ہو رہے ہیں۔ آپ کنزیومر کورٹ، دارالامان، چیمبر آف کامرس گجرات کی ایگزیکٹو کمیٹیوں کی ممبر ہیں۔ اس پہ ہی اکتفا نہیں بلکہ اپ ڈسٹرکٹ جیل گجرات کی سینئر وائس پریزیڈنٹ بھی رہیں اور بہترین کارکردگی پر اس وقت کے گورنر جناب چوہدری محمد سرور سے شیلڈ بھی وصول کی۔

اپ عہد حاضر میں شہر بھر میں ہونے والی علمی ادبی وسماجی تقریبات کی رونق سمجھی جاتی ہیں۔

6۔ ثمینہ فخر پگانوالہ

ثمینہ فخر "فخر پگانوالہ" ہی نہیں، فخر گجرات بھی ہیں۔ ثمینہ فخر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ 2007 میں انھیں خود محترمہ بینظیر بھٹو نے گجرات سے ایم این اے کے لیے منتخب کیا تھا۔ آپ 2011 میں وفاقی پارلیمانی سیکریٹری برائے امور کشمیر و گلگت بلتستان بنائی گئیں۔ آپ کو "دختر گجرات" کا لقب بھی دیا گیا۔ ثمینہ فخر کی فیملی 1936 سے ملکی سیاست میں اور خصوصی طور پہ گجرات کی سیاست میں سرگرم عمل ہیں۔

آپ نے اپنے شہر کی ترقی اور فلاح وبہبود کے لیے بھی کافی کام کیے ہیں۔

7۔ اسماء طارق

گجرات کے آسمان کا ایک اور روشن ستارہ اسماء طارق صاحبہ ہیں۔ جن کے والد کا انتقال ان کی کم عمری میں ہی ہو گیا تھا۔ چھ بہنیں ہونے کی وجہ سے کمسنی میں ہی شدید قسم کے صنفی تعصب کا نشانہ بننا پڑا، مگر آپ اس رویے سے دل شکستہ نہیں ہوئیں، بلکہ اس تعصب کو اپنی سیڑھی بنا لیا۔ دماغ میں صرف ایک ہی دھن سمائی ہوئی تھی کہ اس بات کو ثابت کرنا ہے کہ بیٹا بہت کچھ ہوتا ہے مگر سب کچھ نہیں ہوتا۔ بیٹی کو اعتماد اور تعلیم دی جائے تو وہ بھی بیٹوں سے بڑھ کر ہے۔

آپ کثیر الجہتی کامیابی حاصل کرنے والی ماہر تعلیم ہیں۔ سب سے کم عمر شائع شدہ مصنف اور گلوبل یوتھ ایوارڈ یافتہ کے طور پر، وہ ایڈ ٹیک، صنفی مساوات، ماحولیاتی تحفظ اور تحقیقاتی صحافی کے طور پر اخلاقی رپورٹنگ کی وکیل ہیں۔ پاکستان لیڈرشپ اسکول کی قیادت کرتے ہوئے، آپ نے عالمی سطح پر رابطہ قائم کیا اور بین الاقوامی قیادت کا نصاب تیار کیا۔ گلوبل لاء تھنکرز سوسائٹی کی خاتون کنٹری ڈائریکٹر کے طور پر، وہ تنوع، شہری تعلیم، اور عالمی ہم آہنگی کی چیمپئن ہیں۔ "نیشنل شائننگ سٹار ایوارڈ" یافتہ ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ایک کتاب" آس" اور پان کتب کی شریک مصنفہ بھی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ ایک معروف بلاگر بھی ہیں۔

8۔ محترمہ ڈاکٹر صبح میر

آپ گجرات کی معروف علمی ادبی شخصیت اور نامور وکیل عارف علی میر صاحب کی صاحبزادی ہیں۔ علم و ادب سے پیار کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوگا کہ جنھوں نے اپنے گھر کو ہی المیر ٹرسٹ لائبریری بنا دیا ہے جو اب تحقیق، تالیف اور تصنیف کا عظیم ادارہ بن چکا ہے۔ صبح میر صاحبہ نے فل برائٹ سکالرشپ پہ امریکہ سے انگریزی ادب میں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ آپ نے شریف کنجاہی کی کتاب "پنجاب سکینڈے نیوین لسانی سانجھ کا ترجمہ Punjab Scandinavian Language Contacts کے نام سے کیا ہے آپ مزید دو کتب "مضامین شریف کنجاہی وکلام اقبال اور شریف کنجاہی" کی مرتبہ بھی ہیں۔ آجکل ایف سی یونیورسٹی میں بطور استاد خدمات سرانجام دے رہی ہیں۔ علم و ادب کے ساتھ فن اداکاری گلوکاری میں بھی گجرات کسی سے پیچھے نہیں۔

پاکستان کی نامور اداکارہ گلوکارہ تصور خانم کا تعلق گجرات کے نواحی قصبے لکھنوال سے تھا اور صبیحہ خانم صاحبہ گجرات کے محلے فتوپورہ سے تعلق رکھتی تھیں۔

غذائیت میں افادیت

سید ارتقا احمد زیدی ۔’اطراف‘ کے مستقل کرم فرمائوں میں سے ہیں ۔وزارت تجارت کے جائنٹ سیکرٹری کی عہدے سے ریٹائر ہونے کے بعد وہ اپنے تجربات و مشاہدات بھی کتابی شکل میں پیش کرچکے ہیں۔ لیکن غذائیت پر ان کی تحقیق ایک قابل ذکر کارنامہ ہے۔ ’اطراف‘ کے صفحات کے لیے وہ پھلوں۔ سبزیوں۔ بیجوں اور وٹامن پر اپنی تحقیق آسان زبان اور دلچسپ پیرائے میں پیش کرچکے ہیں۔ جنہیں پاکستان اور بیرون ملک پاکستانی قارئین نے بہت پسند کیا ہے۔ اس بار مینگنیز اور فارسفورس کے جسم کے لیے فوائد نذر قارئین ہیں۔

مینگنیز۔ہڈیوں کی نشوونما کے لیے ضروری

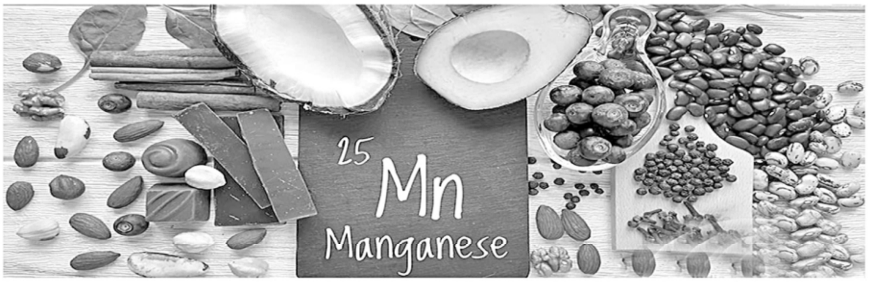

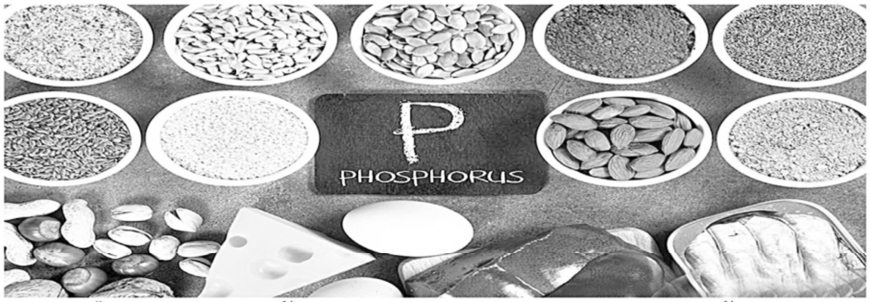

☆تحریر:سید ارتقا احمد زیدی

مینگنیز

یہ ایک کوانزائم Coenzyme ہے جو دوسرے کئی انزائم سے مل کر کاربوہائیڈریٹس۔ پروٹین اور کولیسٹرول کو جزو بدن بننے میں مدد دیتا ہے۔جس میں موجود ٹشوز اور ہڈیوں کی نشوونما کے لیے بھی یہ ضروری ہے۔اس کا ایک اور اہم کام خون کے جمنے کے عمل کو برقرار رکھنا ہے۔

مینگنیز کی کمی سے ہڈیاں کمزور ہوجاتی ہیں۔ زخم جلد ٹھیک نہیں ہوتے۔بال جلد سفید ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔جسم کو مینگنیز کی بہت تھوڑی مقدار یعنی 2.3 ملی گرام کی ضرورت ہوتی ہے جو عام طور پر متوازن غذا سے پوری ہوجاتی ہے اس لیے جسم میں مینگنیز کی کمی کے امکانات کم ہیں۔

متوازن غذا۔جسم میں مینگنیز کم نہیں ہونے دیتی

100 گرام غذا میں مندرجہ ذیل مقدار میں مینگنیز پایا جاتا ہے۔

1۔اخروٹ:3.414 ملی گرام
2۔لہسن: 1.672 ملی گرام
3۔چنے:1.03 ملی گرام
4۔انناس:0.927 ملی گرام
5۔پالک:0.897 ملی گرام
6۔شکر قندی:0.5 ملی گرام

فاسفورس

فاسفورس غذا کا ایک جزو ہے۔ جو متعدد کام انجام دیتا ہے۔ یہ ہڈیوں۔ دانتوں اور خلیے کی جھلی کی نشوونما میں اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ یہ اعصاب اور عضلات کے معمول کی کاموں کی انجام دہی کے لیے ضروری ہے۔ گردے۔ ہڈیاں اور آنتیں جسم میں فاسفورس کی موجودگی کو برقرار رکھتی ہے۔ اگر جسم میں فاسفورس کی مقدار کم ہوجائے تو گردے پیشاب کے ذریعے فاسفورس کے اخراج کو کم کردیتے ہیں اور نظام انہضام فاسفورس کو جزو بدن بنانے کے لیے اپنا کردار زیادہ موثر طریقے سے انجام دینا شروع کردیتا ہے۔ تاکہ فاسفورس کی مقدار جسم میں کم نہ ہونے پائے۔

جسم کو روزانہ 700 ملی گرام فاسفورس کی ضرورت ہوتی ہے۔ متوازن غذا سے فاسفورس کی کمی نہیں ہونے پاتی اور فاسفورس کی زیادتی کا بھی کوئی امکان نہیں ہے۔ کیونکہ جسم میں زیادہ سے زیادہ 4000 ملی گرام تک فاسفورس برداشت کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

100 گرام مندرجہ ذیل غذائی اشیا میں فاسفورس کی یہ مقدار پائی جاتی ہے۔

مچھلی۔مرغی کا گوشت۔مسور کی دال۔انڈے اور دودھ میں فاسفورس ہے

1۔مچھلی:337 ملی گرام
2۔مرغی کا گوشت:228 ملی گرام
3۔مسور کی دال:180 ملی گرام
4۔انڈے۔172 ملی گرام
5۔دودھ:120 ملی گرام

رباب عائشہ پاکستانی میڈیا کی صف اوّل کی خواتین میں سے ہیں برسوں ’جنگ‘ سے وابستہ رہی ہیں۔ پھر روزنامہ ’نوائے وقت‘ سے بھی۔ کئی کتابوں کی مصنّفہ بھی ہیں۔ ان کی خود نوشت ”لمحوں کی دھول“ عنقریب منظر عام پر آرہی ہے۔ جس میں پرنٹ میڈیا کی عروج و زوال کے قصّے بھی ہیں۔ اور خواتین صحافیوں سے مسائل کا احاطہ بھی۔ہماری درخواست پر رباب عائشہ نے ’اطراف‘ کے ’عورت نمبر‘ کے لیے عورت کی صحت کے حوالے سے انتہائی اہم تحریر سے نوازا ہے۔پڑھئے اور اپنی رائے سے نوازئیے۔

ماں صحت مند ہوگی تو بچے صحت مند ہوں گے

☆ رباب عائشہ کی اہم تحریر

آج سے نوسال قبل جب میں میڈیا ٹاؤن میں منتقل ہوئی تو مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے ایک بار پھر نئے انداز سے گرہستی کو جمانا ہوگا ہر چیز نئی تھی کس دوکان سے کیا ملے گا۔ ایمرجنسی ہوئی تو کون سا ڈاکٹر دستیاب ہوگا، پینے کا پانی کس فلٹر سے لینا محفوظ ترین ہوگا اور سب سے بڑھ کر گھر میں صفائی اور دیگر کام کرنے والی خاتون کہاں سے آئے گی۔ بھلا ہو میری ایک پڑوسن کا کہ انہوں نے اگلے دن ایک عورت بھیج دی۔ پانچ فٹ دس انچ قد آور، بظاہر صحت مند، موٹاپے کی طرف مائل نذیراں مجھے پہلی نظر میں تھکی تھکی، ضرورت مند لگی اس کی عمر پچاس سال کے لگ بھگ ہوگی اس نے اپنے دس سالہ بیٹے کی انگلی تھام رکھی تھی، اگلے دن سے نذیراں نے میرے گھر کام شروع کردیا۔ جیسے جیسے اس کے حالات کے پردے میری نگاہوں کے سامنے سے ہٹتے گئے ویسے ویسے مجھ پر انکشاف ہوا بظاہر صحت مند نظر آنے والی وہ عورت انتہائی بیمار تھی۔ اسے خطرناک حد تک شوگر تھی ذرا سا کام کرکے بری طرح ہانپنے لگتی اور اس کا سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگتا وہ دمہ کی مریضہ تھی ایک ڈاکٹر نے اسے اسٹرا ایڈ پر لگا دیا تھا ڈاکٹر نے اسے جتنے عرصے اسٹرایڈز کھانے کے لیے کہا تھا اس سے زیادہ کئی مہینے گزر گئے تھے اور وہ باقاعدگی سے یہ گولیاں کھارہی تھی۔ میں نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا تو کہنے لگی باجی میں اس دوا کے بغیر رہ ہی نہیں سکتی نذیراں کے 12 بچے تھے 9 بیٹیاں اور تین بیٹے۔ ہر وقت بیٹیوں کے جہیز کے لیے سامان جمع کرنے کی فکر میں رہتی لوگوں سے زکوٰۃ خیرات مانگتی رہتی۔ اس کی بیٹیاں بھی کام کرتی تھیں۔ بیٹے چھوٹے تھے۔ ایک دن اچانک پتہ چلا نذیراں بہت بیمار ہے اپنے گاؤں چلی گئی۔ ایک عورت اچانک میرے دروازے پر آ کھڑی ہوئی

نذیراں کے 12 بچے۔ بیٹی کے بھی 12

آنٹی میں نذیراں کی بڑی بیٹی ریحانہ ہوں امی بیمار ہوگئی ہیں۔ اب میں آپ کا کام کروں گی۔ ریحانہ کے بھی سات آٹھ بچے تھے وہ کئی سال تک میرے پاس کام کرتی اور ہر سال ایک نیا بچہ کرتی رہی۔ میں ہنس کر کہتی ریحانہ تم بھی بارہ کی ٹیم مکمل کرکے اپنی ماں کے نقش قدم پر چلوگی وہ دوپٹے میں منہ چھپا کر ہنستی اور آخر اس کے بھی بارہ بچے ہوگئے۔

میں نے کہا ”تم اتنے بچے پیدا کرکے زندہ کیسے ہو۔اس کی نو نو سال کی بچیاں کام کرتی ہیں اور وہ کہتی ہے آنٹی ہمارا سرمایہ تو ہمارے بچے ہی ہوتے ہیں یہ بڑے ہوکر کمائیں گے اور ہمیں کھلائیں گے۔ بیوقوف عورت یہ نہیں جانتی۔ جتنے کمانے والے ہونگے اتنے ہی کھانے والے ہوں گے بیٹیاں بیاہ کر سسرال چلی جائیں گی بیٹوں کے اپنے بیوی بچے ہوں گے۔

ریحانہ نے اپنی بڑی بیٹی سونیا کی پندرہ سال میں شادی کردی تھی اب اس کے بھی تین بچے ہیں وہ بھی ہر سال ایک نیا ماڈل تیار کرتی ہے گویا بارہ بچوں کی وراثت چلتی ہی رہے گی کہیں فل اسٹاپ نہیں لگے گا۔ یہ صرف ایک خاندان کی سچی کہانی ہے پاکستان میں 60 فیصد اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ جتنے بچے زیادہ ہوں گے اتنے ہی کمانے والے زیادہ میسر ہوں گے۔ انہیں سمجھانے کی کوشش کریں کہ اگر تم ایک بچے کو صحیح پڑھا لکھا کر اس قابل کردو کہ وہ کسی اچھی جگہ ملازمت کرنے لگے تو تمہارے بارہ بچوں کے برابر کمائے گا تو وہ تلخ لہجے میں جواب دیتے ہیں پڑھانے کے لیے ہمارے پاس پیسے کہاں ہیں؟

زیادہ بچوں کی یہ کھیپ جو ہر سال پیدا ہو رہی ہے اس کے لاتعداد منفی پہلو ہیں سب سے پہلے تو ملک کی آبادی اتنی بڑھ چکی ہے کہ اس نے ہمارے سارے وسائل کو چاٹ لیا، اور آبادی کا یہ جن

ایک ہزار نومولود بچوں میں سے 89 موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں

منہ کھولے مزید ہر چیز کو ہڑپ کرنے کو تیار کھڑا ہے۔ ادارہ شماریات کے مطابق 2023 مردم شماری کے تحت پاکستان کی آبادی 24 کروڑ 14 لاکھ ہوگئی ہے۔ آبادی کے لحاظ سے پاکستان دنیا میں چھٹے نمبر پر ہے۔ ملک میں بیماریوں کی سب سے بڑی وجہ غربت ہے۔ اس کے علاوہ مردوں اور عورتوں کا تعلیم کے

ساتھ ساتھ شعور سے بھی نابلد ہونا ہے عورتوں کو احساس ہی نہیں ہے کہ ایک بچے کی پیدائش ہی ایسے ہوتی ہے جیسے عورت دوبارہ موت کے منہ میں جا کر واپس آتی ہے، ایک بچے کو جنم دے کر اس کے جسم میں کن کن ضروری اجزاء کی کمی ہوتی ہے اسے کس قدر کمزوری ہوتی ہے اور تین سال تک اس کی وہ تمام کمزوریاں ختم نہیں ہو پاتیں کہ اگلے سال نئے بچے کی آمد کی تیاری شروع ہو جاتی ہے اور اس طرح ماں کی صحت تو روز بروز گرتی جاتی ہے اور آنے والے بچے کو پوری غذا نہ ملنے کی وجہ سے وہ پیدائشی طور سے ہی کمزور ہوتا ہے۔ بچپن سے مختلف بیماریاں اسے گھیر لیتی ہیں۔ ماں کو پوری غذا نہ ملنے کی وجہ سے وہ زیادہ عرصے بچے کو اپنا دودھ نہیں پلا پاتی۔ بوتل سے دیا گیا دودھ بچے کو آئے دن اسہال کی بیماری میں مبتلا کیے رکھتا ہے۔ ماں کے پاس جواز یہ ہوتا ہے کہ میرا دودھ ہی کم ہے بچے کا پیٹ نہیں بھرتا یا میں جب کام پر جاتی ہوں تو بچے کو اوپر کا دودھ دینا پڑتا ہے۔ اور پھر بچہ ماں کا دودھ پینے سے انکار کر دیتا ہے۔ بوتل سے دودھ پلاتے ہوئے اس کی صفائی ستھرائی کا خیال نہیں رکھا جاتا، اور بچہ آئے دن بیمار رہتا ہے اب تو یورپین ممالک میں عورتوں کو ماں کا دودھ پلانے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ ہمارے یہاں تو غریب عورتیں بڑے بڑے گھروں میں کام کرتی ہیں ان کی بیگمات کو بچے کو ڈبے کا فارمولا دودھ پلاتے دیکھ کر خود بھی ڈبہ خرید لاتی ہیں اور اس پر لکھی ہوئی مقدار کے مطابق دودھ بھی نہیں دیتیں کہ جلد ختم ہو جائے گا۔ اس دودھ میں پانی زیادہ اور دودھ کم ہوتا ہے اس طرح بچے کو اس دودھ کی بھی پوری خوراک نہیں مل پاتی۔ میں نے ایک بار ریحانہ سے کہا اب تمہارے آٹھ بچے ہو گئے ہیں تم اپنا آپریشن کروا کر بچے بند کیوں نہیں کروا لیتی۔ بولی کیا کروں آنٹی ان کا باپ نہیں مانتا گویا عورت کے جسم پر ہی نہیں اس کے ذہن اور سوچ پر بھی شوہر کی گرفت اتنی مضبوط ہے کہ وہ اپنا کوئی فیصلہ خود نہیں کر سکتی۔

بچوں کی پیدائش میں وقفہ کم از کم 3 سال

ہمارے یہاں زیادہ بچوں کی پیدائش کی ایک وجہ کم عمری کی شادیاں بھی ہیں چودہ پندرہ سال کی عمر میں لڑکی کی شادی کر دی جاتی ہے۔ اگر حکومت کی طرف سے 18 سال کی عمر سے کم لڑکی کی شادی پر پابندی ہے اور خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے ایک لاکھ جرمانہ ہے لیکن لوگ لڑکی کی زیادہ عمر لکھوا کر غلط طریقے سے شناختی کارڈ بنوا لیتے ہیں اور بیٹی کی شادی کر دیتے ہیں۔ اتنی کم عمر کی لڑکی جب ماں بننے کے مراحل سے گزرتی ہے تو گونا گوں پیچیدگیوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہ مرحلہ ماں اور بچے دونوں کی صحت کے لیے بہت خطرناک ہوتا ہے۔ دیہات میں ان پڑھ دائیاں عورتوں کی زندگیوں سے کھیلتی ہیں اور زچگی کے وقت کوئی بھی پیچیدگی ہو جانے کی صورت میں عورت کے اسپتال پہنچانے کی بجائے اپنے ٹوٹکے آزماتی رہتی ہیں یوں زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے بے شمار خواتین کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

ہمارے یہاں جب بھی خاندانی منصوبہ بندی کی کوشش کی جاتی ہے تو اسے حکومت کی کسی سازش کا نام دے دیا جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب آیوڈین نمک کی کمپنی چلی تھی تو یہ کہا گیا کہ جو یہ نمک کھائے گا وہ بانجھ ہو جائے گا پھر پولیو کے قطروں کے بارے میں بھی اس قسم کا پروپیگنڈا کیا گیا۔ عورت جو بچے کو 9 مہینے اپنی کوکھ میں رکھتی ہے پھر اس کو دودھ پلاتی ہے اس کی دیکھ بھال اور پرورش کرتی ہے کیا اس کا حق نہیں کہ اسے اس دوران اچھی خوراک اور آرام میسر آئے تاکہ اس کی کمزوری دور ہو سکے۔ متوسط طبقے کی آمدنی اتنی کم ہے کہ گھریلو اخراجات ہی پورے نہیں ہوتے ماں بننے والی عورت جسے زیادہ خوراک کی ضرورت ہوتی ہے اسے وہ کہاں سے میسر ہے بچہ تو ماں سے اپنی غذائی ضرورت پوری کر لیتا ہے لیکن ماں دن بدن نحیف ہوتی جاتی ہے اس ہی لیے کہا جاتا ہے کہ دو بچوں کی پیدائش میں کم از کم تین سال کا وقفہ ہونا چاہیے۔

پاکستان میں آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی عورتوں اور پانچ سال سے کم عمر بچوں میں شرح اموات بہت زیادہ ہے۔ سیو چلڈرن کی ایک رپورٹ کے مطابق ماؤں میں دوران زچگی شرح اموات ایک لاکھ میں سے 276 ہے اور بلوچستان میں یہ شرح 700 سے اوپر ہے 170 میں سے ایک ماں کو دوران زچگی موت کا خطرہ ہوتا ہے اس حساب سے پاکستان پوری دنیا میں 149 نمبر پر ہے۔

نومولود بچوں میں سے ایک ہزار میں سے 89 بچے موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں۔ یونیسیف کی 2016 کی ایک رپورٹ کے مطابق ایک ہزار میں سے 46 بچے ایک ماہ کی عمر سے پہلے موت کے منہ میں گئے۔ مجموعی طور پر دو لاکھ 48 ہزار بچے موت کا شکار ہوئے۔ جو پوری دنیا کے اعداد و شمار کا 10 فیصد ہے۔

بچوں میں شرح اموات کا زیادہ ہونے کی ایک وجہ صفائی کا فقدان بھی ہے۔ پدرسری نظام بھی اس کا ایک سبب ہے گھروں میں اچھی خوراک مرد کی، پھر بیٹے کی اور بچا کھچا کھانا عورت کو اور بیٹیوں کو دیا جاتا ہے یوں ان کی قوت مدافعت بہت کم رہ جاتی ہے۔ ماں کمزور ہو تو بچہ بھی کمزور ہوتا ہے۔ بچوں کو بروقت حفاظتی ٹیکے نہ لگوانے کا بھی رواج ہے جو بچوں کی شرح اموات میں اضافہ کرتا ہے۔

گویا بچے کی زندگی اور صحت کا دارومدار ماں کی صحت پر، ماں صحت مند ہو گی تو بچے صحت مند ہوں گے، بچے صحت مند ہوں گے تو پورا معاشرہ تندرست و توانا ہوگا۔ مگر ان لوگوں کو کون سمجھائے بھارت میں این جی اوز نے دیہات میں جا کر بہت کام کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ اگر عورتوں میں تعلیم نہیں ہے تو ہم انہیں یہ شعور تو دے سکتے ہیں کہ کیسے صاف ستھرا رہنا ہے اور کیسے بچوں کی پرورش کرنی ہے۔

"جہاں آراء۔ جواں عزم جواں ہمت قلم کار بھی۔ مدرس بھی۔ اور طالب علم بھی۔ زندگی ایک مقصد کے تحت گزار رہی ہیں۔ مثبت سوچ رکھتی ہیں۔'اطراف' کے لیے ان کی قلمی معاونت گرانقدر اثاثہ ہے۔ ہماری درخواست پر وہ مسائل کا جائزہ نئی نسل کے حوالے سے لیتی ہیں۔ اس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارا مستقبل کن ہاتھوں میں ہے۔ پڑھئے اور اپنی رائے دیجئے۔"

خواتین کی تحریکیں۔ طالبات کیا کہتی ہیں

پاکستان اسٹڈی سینٹر جامعہ کراچی کی طالبات سے گفتگو

تحریر: جہاں آراء

پاکستان سمیت دنیا بھر میں خواتین کے حقوق سے متعلق متعدد تحریکیں چل رہی ہیں جن میں سرفہرست اور مقبول ترین فیمینزم ہے۔ گو کہ ہر تحریک کسی نہ کسی طور حقوق نسواں کے حصول اور حوا کی بیٹی کے وقار کو بلند کرنے کے لئے اہم کردار ادا کر رہی ہیں لیکن پھر بھی ہمارے معاشرے میں ان قسم کی تحریکوں سے متعلق مثبت اور منفی ہر دو قسم کی آرا سامنے آتی ہیں۔ اس ضمن میں پاکستان اسٹڈی سینٹر جامعہ کراچی کی طالبات نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اور خاص طور پر پاکستان میں ہونے والے عورت مارچ کے مختلف مثبت اور منفی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔

مستقبل میں پاکستانی عورت اور مضبوط ہوگی۔ عاتکہ زہرہ

عاتکہ زہرہ

میری رائے کے مطابق عورت مارچ پاکستان میں خواتین کی پامالی کو روکنے کے لئے ایک مثبت لائحہ عمل ہے کیونکہ یہاں صرف خواتین کے نہیں بلکہ مردوں کے حقوق کی بات بھی کی جاتی ہے۔ پاکستانی معاشرے میں زیادہ تر لوگوں کی رائے عورت مارچ سے متعلق منفی ہے۔ میں یہ بھی نہیں کہتی کہ عورت مارچ میں کی جانے والی ساری باتیں درست ہیں۔ بس ہمیں اپنی سوچ مثبت رکھنی چاہیئے۔ ہمیں بس یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس مارچ میں خواتین اور مردوں پر ہونے والی کون کون سی زیادتیوں کے خلاف آواز اٹھائی جاتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں زیادہ تر عورت پر ہاتھ اٹھانے کے خلاف تو بات کر لی جاتی ہے لیکن مرد کے حقوق کی بات اتنی نہیں کی جاتی ہے۔

عورت مارچ کے چند نعروں پر بہت اعتراضات سامنے آتے ہیں مثلاً، اپنا کھانا خود گرم کرو، یا میرا جسم میری مرضی وغیرہ۔ میری نظر میں تو ان نعروں میں کوئی برائی نہیں ہے۔ بات صرف سوچ کی ہے کہ آپ ان باتوں کو مثبت طریقے سے سوچتے ہیں یا منفی طریقے سے۔ عورت یا مرد ہر انسان کو اپنے جسم اور اپنی زندگی پر پورا حق حاصل ہے۔ رہی بات کھانا گرم کرنے یا گھر کے دیگر کاموں کی تو جب ہمارے معاشرے میں عورت ہر شعبہ زندگی میں مرد کے شانہ بشانہ کھڑی ہے تو پھر مرد عورت کا ہاتھ گھر کے کاموں میں کیوں نہیں بٹا سکتا۔ جب عورت کما کر مرد کا سہارا بن سکتی ہے تو مرد گھر کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں عورت کا سہارا ابھی بن سکتا ہے۔

ہمارا ملک اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔ یہاں جو حقوق اور عظمت دین اسلام کے دائرے میں عورت کو ملتی ہے وہ اسے کہیں اور حاصل نہیں ہے۔ اور پاکستان کے آئین میں بھی البتہ کچھ گاؤں دیہات میں تعلیم اور تربیت کی کمی کی وجہ سے اج بھی عورت کو کم تر سمجھ کر ظلم و زیادتی کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ جب کہ مرد کو برتر مانا جاتا ہے۔ اس معاملے میں فیمینزم یا عورت مارچ ایک مثبت تحریک ہے۔

نادیہ امین

ایسا نہیں ہے کہ عورت پر ہر جگہ صرف ظلم ہی ہو رہا ہے۔ یہ سب سوچوں کا مسئلہ ہے۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں جہاں غربت کی شرح بڑھ رہی ہے۔ یہاں غریب عورتیں بھی گھر سے باہر نکل کر اپنی روزی کمانے کے لئے آزاد ہیں۔ ہر گھر سے عورت باہر نکل رہی ہے۔ پڑھ لکھ رہی ہے۔ والدین اپنی بیٹیوں کو پڑھا رہے ہیں۔ اور ان کے حقوق اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر رہے ہیں۔ اور انشا اللہ مستقبل میں پاکستان کی عورت اور مضبوط و توانا ہوگی۔

خواتین کو ان کا جائز حق بغیر مانگے دیا جائے۔ صبا خان

صبا خان

ہمارے معاشرے میں خواتین کے حقوق سے متعلق بہت سے مسائل ہیں۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی کچھ لوگوں کی سوچ یہی ہے کہ عورت مرد سے کم تر ہے۔ اسے صرف مرد کی خدمت کرنی چاہیئے۔ اسی لئے وہ گھر سے باہر نا جائے، مذہب عورت کو گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دیتا، پورا گھر وہ ہی سنبھالے وغیرہ وغیرہ۔ دراصل ایسی ہی سوچیں عورت کو کسی لائق نہیں ہونے دیتیں۔ ایسی باتیں سن کر ہی وہ ڈر جاتی ہیں اور گھروں سے نہیں نکل پاتی ہیں۔ اسلام عورت کو پردے کا حکم تو دیتا ہے لیکن اسلام میں عورت پر ایسی کوئی پابندیاں نہیں ہیں کہ وہ اپنے آپ کا بالکل محکوم بنالے۔ اسلام تو عورتوں کے حقوق پر سب سے زیادہ زور دیتا ہے۔ اسی لئے عورت کو ایک بڑا مقام حاصل ہے۔ جنت بھی ماں کے پیروں تلے رکھی گئی ہے۔ اسے ماں، بیٹی، بہن اور بیوی ہر روپ میں حقوق اور عزت دی گئی ہے۔ فیمینزم کی

تحریک بھی خواتین کا وقار بحال کرنے میں بڑی مدد فراہم کرتی ہے۔اور بہت سے ایسے مسائل کا حل پیش کرتی ہے جن کا شکار آج کی عورت ہے۔مثلاً عورت کو اپنی پسند کی شادی کا حق حاصل ہے۔لیکن اسے یہ حق نہیں دیا جاتا ،اس کی قسمت کا فیصلہ اس کے گھر والے ہی کر دیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ کچھ لڑکیاں گھروں سے بھاگ جاتی ہیں۔یہ عمل ایک اور معاشرتی برائی کا سبب بنتا ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ خواتین کو ان کا ہر جائز حق بغیر مانگے دیا جائے۔تا کہ معاشرے میں تہذیب،امن اور خوشحالی پروان چڑھے۔

عائشہ شیخ

عائشہ شیخ کا کہنا ہے کہ میرے خیال میں تو اب سماجی تبدیلی آچکی ہے اور آج کے دور میں عورت استحصال کا شکار نہیں ہے۔میں اپنی ہی بات کروں تو میں اپنی زندگی میں آزاد ہوں کسی بھی قسم کی پابندی کا شکار نہیں۔ہمارے معاشرے میں خواتین کے مسائل ہیں انہیں بہتر طریقے سے اجاگر نہیں کیا جاتا ہے۔خاص کر عورت مارچ میں جو مسائل بیان کئے جاتے ہیں وہ آج کی عورت کے مسائل نہیں ہیں۔اپنے گھر کے مردوں

سڑکوں پر نعروں کی بجائے مظلوم خواتین تک پہنچا جائے۔عائشہ شیخ

کے لئے کھانا گرم کرنا میرا مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ تو میری ذمہ داری ہے۔جب ایک مرد گھر میں بٹھا کر مجھے کھلا سکتا ہے اور میری ہر ضرورت پوری کر سکتا ہے تو اس کی خدمت بھی میرا فرض بنتا ہے۔اسلام نے جو حقوق مجھے دیئے ہیں وہ کوئی اور نہیں دے سکتا۔میرے رب نے میرا رتبہ بہت بلند رکھا ہے۔مجھے تو جنگ یا جہاد میں بھی مار دینے کی اجازت نہیں ہے۔لیکن کچھ خواتین عورتوں کے حقوق کے نام پر معاشرے میں بگاڑ پیدا کرتی نظر آتی ہیں۔جبکہ وہ خود بہت عیش کی زندگی گذار رہی ہوتی ہیں۔اگر ان پر اتنا ہی ظلم ہوتا ہے تو پھر انہیں اس طرح گھروں سے باہر نکلنے کی اجازت کس طرح مل رہی ہے؟جن عورتوں پر ظلم ہوتا ہے وہ تو گھروں میں قید ہوتی ہیں۔اچھا ہو کہ سڑکوں پر نعرے لگانے کی بجائے مظلوم خواتین تک رسائی حاصل کی جائے اور ان کو انصاف دلوایا جائے۔

آمنہ خان

موجودہ دور کی عورت نے ہر ادارے میں اپنی خدمات انجام دے کر اپنا نام کمایا ہے اور اپنی محنت سے بلند مقام حاصل کیا ہے۔لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی کچھ جگہوں پر عورت کے وقار کو مجروح کیا جاتا ہے اور اسے اس کے حقوق سے محروم رکھا جاتا ہے۔اور کہیں کہیں تو آج بھی عورت کمزور اور ظلم وزیادتی کا شکار ہے۔پاکستانی معاشرے میں تو اس کی ایک وجہ طبقاتی تقسیم بھی ہے۔اعلی طبقے کی خواتین ان مسائل کا شکار نہیں ہیں جنکا سامنا متوسط یا غریب طبقے کی عورت کو کرنا پڑتا ہے۔وہاں مجبور خواتین کے حقوق کی بات صرف ایک اسائمنٹ کے طور پر کی جاتی ہے۔عملاً ان کے ساتھ کوئی نہیں کھڑا ہوتا ہے۔آج کے دور میں خواتین کے لیے جو خواتین آوازیں اٹھاتی نظر آتی ہیں وہ خود حقوق نسواں کو

عاتکہ زہرہ

پامال کرتی نظر آتی ہیں۔ان عالی شان گھروں میں غریب خاتون ملازماؤں کے ساتھ انتہائی نامناسب رویہ اختیار کیا جاتا ہے اور بعض اوقات تو انہیں یا ان کے بچوں کو تشدد کا نشانہ بھی بنایا جاتا ہے۔لہٰذا ان مسائل کے حل کے لئے ملک میں سخت قوانین بنانے اور ان پر سختی سے عمل درآمد کروانے کی ضرورت ہے نا کہ محض سڑکوں پر نکل کر نعرے لگانے کی۔

نادیہ امین

نادیہ امین کا کہنا ہے کہ،خواتین کے حقوق کا عنوان سنتے ہی ذہن میں سب سے پہلے عورت مارچ کا تصور آتا ہے۔جس کے منتظمین آج کے دور میں عورت کے حقوق کی ترجمانی کے دعویدار ہیں۔لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارے معاشرے کی ایک عام خاتون بھی اپنے لئے یہ سب کچھ مانگ رہی ہے؟ کیا ان کی طرف سے بلند کئے گئے نعرے پاکستان کی ہر خاتون کی ترجمانی کر رہے ہیں؟ کیا پاکستان کی عورت کے واقعی یہ مسائل ہیں؟ان سوالات کے جوابات تلاش کرنے کے لئے ہمیں کچھ امور کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

جن میں سب سے پہلے اسلامی تعلیمات سے آگاہی ضروری ہے۔اسلام خواتین کے حقوق کے بارے میں واضح احکامات جاری کئے ہیں۔ہم یہ

علم بردار خواتین کے عالی شان گھروں میں غریب۔ملازماؤں کے ساتھ نامناسب رویہ۔آمنہ خان

کہہ سکتے ہیں کہ اسلام نے جو مقام ومرتبہ خواتین کو دیا ہے وہ شاید کسی بھی اور مذہب نے نہیں دیا ہے۔اسلام نے مرد کو عورت کا محافظ بنایا ہے۔عورت کے لئے گھر،کھانا،کپڑے اور دیگر ضروریات کا بندوبست کرنا مرد کا فرض ہے۔عورت کا جائیداد میں حصہ مقرر ہے کیا اور اگر وہ چاہے تو اپنی الگ جائیداد بھی بنا سکتی ہے۔حتیٰ کہ عورت کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ اگر کسی مرد کے ساتھ نا رہنا چاہے تو احسن طریقے سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے۔یہ بھی لازم ہے کہ دوران عدت بھی عورت کی ضروریات پوری کی جائیں اور اگر عورت بچے کو دودھ بھی پلا رہی ہو تو اس کا معاوضہ بھی وصول کرنے کا حق رکھتی ہے۔

پاکستان اسلامی جمہوریہ ہونے کے باوجود ہمارے معاشرے میں اسلامی قوانین کا نفاذ نہ ہونے کے برابر ہے۔یہ ہی وجہ ہے کہ پاکستانی معاشرے کی خواتین کئی طرح کے مسائل کا شکار ہیں۔ہمارے معاشرے میں کسی لڑکی کو اپنی تعلیم کے حصول کے لئے بھی ہزاروں جتن کرنے پڑتے ہیں۔کئی طرح کے رویوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔یہاں عورتوں کے پاس بہتر ملازمت کے مواقع بھی مردوں کی نسبت کم ہیں۔لیکن اس کے باوجود کئی باہمت خواتین مردوں کے شانہ بشانہ کھڑی نظر آتی ہیں۔بلکہ کچھ تو مردوں سے بھی آگے نظر آتی ہیں۔

ایک المیہ یہ بھی ہے کہ ہمارے معاشرے میں زیادہ تر خواتین کو پسند کی شادی کا اختیار نہیں ہے۔آج بھی غیرت کے نام پر بیٹیوں کو ظلم وجبر کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔لیکن موجودہ دور میں ایک خاص طبقہ جو خواتین کے حقوق کی علمبرداری کا دعویدار نظر آتا ہے اور خاص کر مارچ میں مخصوص نعرے بلند ہوتے سنائی دیتے ہیں دراصل ان کی وجہ سے آج کی گھریلو عورتوں کے مسائل بڑھ رہے ہیں کم نہیں ہو رہے۔اور ان طرف سے کی جانے

مسئلے کا حل یہ ہے کہ عورت کو پڑھنے سے نہ روکا جائے۔نادیہ امین

والی بے باکی بہت سے سماجی اور اخلاقی مسائل پیدا کر رہی ہے۔عورت مارچ میں جو آزادی مانگی جاتی ہے مہذب معاشروں میں اسے بدتہذیبی کہا جاتا ہے۔پاکستان کی عورت کا مسئلہ گاڑی کے ٹائر بدلنا نہیں ہے بلکہ اس کا مسئلہ یہ ہے کہ اسے پڑھنے سے نہ روکا جائے۔وہ اپنے شوہر سے عزت چاہتی ہے۔کھانا گرم کرنا یا نہ کرنا اس کا مسئلہ نہیں ہے۔وہ مرد سے آزادی نہیں بلکہ مرد کو اپنا محافظ بنانا چاہتی ہے۔وہ اسلام میں دیئے گئے حقوق کا عملی نفاذ چاہتی ہے۔ان مسائل کے حل کے لئے پاکستان میں قانون سازی اور پھر ان قوانین پر سختی سے عمل درآمد کی ضرورت ہے۔

عورت کبھی حوا،کبھی مریم،کبھی زہرا
عورت نے ہر دور میں قوموں کو سنوارا

اس اہم موضوع پر تمام طالبات کی آرا نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔یہ حقیقت ہے کہ عصر حاضر میں خواتین کے وقار کی بحالی کے لئے کئی ایک تحاریک چل تو رہی ہیں لیکن ان سے مطلوبہ نتائج ابھی تک حاصل نہیں کئے جا سکے ہیں۔بلکہ کچھ تو خود خواتین کا تقدس پامال کرتی نظر آتی ہیں۔دراصل ہم ابھی تک پدرسری معاشرے کے اثرات سے پوری طرح نکل نہیں پائے ہیں۔آج بھی ہمارے سماج میں اکثر گھرانوں میں مرد کو محافظ کے بجائے حاکم کا درجہ دیا جاتا ہے۔اور خواتین کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔اس طرح عدم مساوات کا شکار ہونے والی خواتین کی تخلیقی قوتیں پژمردہ ہو جاتی ہیں۔لہٰذا ضروری ہے کہ خواتین کی تخلیقی قوتوں کو نکھارنے کے لئے ہر شعبہ زندگی میں ان کے لئے راہیں ہموار کی جائیں اور قانون سازی کے ذریعے بنت حوا کو اس کا جائز مقام دلوایا جائے۔

حیدر آباد کی مثالی خاتون

"حیدر آباد میں پروفیسر شاداب احمد صدیقی مثالی کرداروں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ 'اطراف' کے عورت نمبر 2024 کے لیے انہوں نے ایک مارکیٹ میں لیتھ مشین کا کاروبار سنبھالنے والی نور الصباح سے 'اطراف' کے لیے گفتگو کی۔ اس مشکل کاروبار سے وابستہ ہونے والی یہ واحد خاتون ہیں۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ رشتے دار ان کے کاروبار میں نقصان کر رہے ہیں تو وہ اپنی ملازمت چھوڑ کر اس کارخانے میں خود بیٹھنے لگیں اللّٰہ نے ان کی محبت پر کرم کیا اور کامیابی ان کے قدم چومنے لگی۔"

حیدر آباد کی نور الصباح نے والد کا کاروبار سنبھال لیا

باہمت خاتون نور الصباح سے شاداب احمد صدیقی کی خصوصی گفتگو

ہر انسان زندگی میں بہت سے امتحانوں سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ بعض افراد کٹھن مرحلے پر ٹوٹ جاتے ہیں، جبکہ کچھ لوگ ایسی کہانی تخلیق کر ڈالتے ہیں کہ سب کے لیے مشعل راہ بن جاتے ہیں۔ حیدر آباد کی نور الصباح ہمت و حوصلہ کے باعث دیگر خواتین کے لیے بھی مثال بن گئی ہیں۔ والد کے انتقال کے بعد والد کی دکان سنبھال

2013 سے 2021 تک مختلف کمپنیوں میں ملازمت کی

لی۔ انہوں نے ثابت کر دیا کہ بیٹی باپ کا انتہائی مضبوط بازو ہے جتنا بیٹا۔ حیدر آباد کی اس مارکیٹ میں گاڑیوں کے انجن ریپئر ہوتے ہیں۔ یہاں ایک دکان ایسی بھی ہے جو اپنے والد کا بازو بننے والی ایک بیٹی چلاتی ہے۔ ماہنامہ اطراف کراچی خواتین نمبر مارچ میں شائع ہوگا جس کے لیے ہم نے نور الصباح کی زندگی کے بارے میں جاننے کی کوشش کی ہے۔ تو آئیے نور الصباح سے اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

سوال -آپ کی عمر کتنی ہے؟

جواب۔ 33 سال۔

سوال۔ آپ کے بہن بھائی کتنے ہیں

جواب:۔ ہم آٹھ بہنیں ہیں۔ میرا چوتھا نمبر ہے اور چار بہنوں کی شادی ہوگئی ہے۔ بھائی نہیں ہے لہذا مجھے اپنے والد کا کاروبار سنبھالنا پڑا۔ ایک مجھ سے چھوٹی بہن کی بھی شادی ہوگئی ہے

سوال نمبر۔ آپ کے والد کا انتقال کب ہوا؟

جواب۔ 4 اپریل 2019 میں

سوال۔ آپ کی تعلیمی قابلیت کیا ہے؟

جواب۔ میں نے 2004 میں میٹرک A one گریڈ میں پاس کیا۔ اس کے بعد 2007 میں انٹر A گریڈ سائنس پری میڈیکل گروپ میں ڈی فارمیسی D-Pharmay۔ 2008 سے 2012 تک

ملازمت ایک گھر۔ کاروبار نسلیں پالتا ہے

سندھ یونیورسٹی جامشورو سے پاس کیا اور سند حاصل کی۔

سوال۔ آپ اپنی پروفیشنل لائف کے بارے میں بتائیں، آپ نے کہاں کہاں جاب کی؟

جواب۔ ڈی فارمیسی کا امتحان پاس کرنے کے بعد سب سے پہلے میں نے 2013 میں بطور(IPCO) In proces Sandoz Pharmaceuticals، control office کمپنی کو جوائن کیا۔ اس کے بعد Novatex Linited میں کام کی شروعات کی۔ 2019 میں پروموشن بطور منیجر ہوا اور میں نے GSK کمپنی کو جوائن کر لیا۔

اس طرح میری جاب کا دورانیہ 2013 سے 2021 تک کا ہے۔

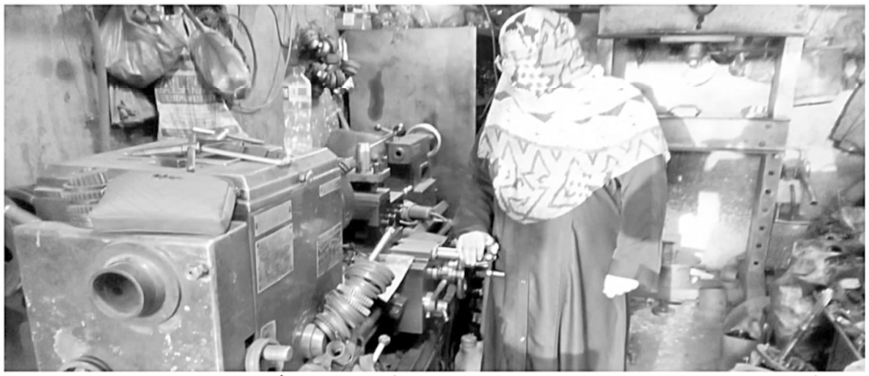

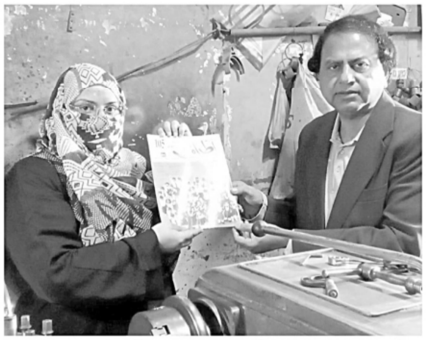

سوال۔آپ نے جاب چھوڑ کر اس کام کا انتخاب کیوں کیا؟

جواب:-2019 میں والد صاحب کا انتقال ہوا قریبی رشتہ دار نے کاروبار سنبھال لیا، لیکن ان کے غیر ذمہ دارانہ رویوں اور مالی بد دیانتی کی وجہ سے کاروبار میں خسارہ ہونے لگا لہذا میں نے ہمت کر کے 2021 میں اپنی جاب چھوڑ کر والد صاحب کا کاروبار آٹو انجینئرنگ ورکس جسے عرف عام میں لیتھ مشین بھی کہا جاتا ہے سنبھال لیا۔جب والد حیات تھے تو یہاں سے گزرنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔

سوال۔آپ کی دکان میں کس نوعیت کا کام ہوتا ہے؟

جواب۔ ہمارے یہاں کاروں کے گیئر اور سسپنشن کا کام ہوتا ہے۔ پہلے اس کام کا تجربہ نہیں تھا مگر وقت کے ساتھ اب سمجھ میں آنے لگا ہے۔

سوال۔اس کاروبار میں آمدنی کیسی ہے؟ کیا یہ کام جاب سے بہتر ہے؟

جواب۔اس کاروبار میں جاب سے بہت اچھی آمدنی ہے۔کاروبار نوکری سے بہت بہتر ہوتا ہے۔جاب میں انڈر پریشر رہنا پڑتا ہے جبکہ کاروبار میں اپنی مرضی اور من مانی ہوتی ہے۔

کاروبار میں آزادی ہے۔جاب ایک گھر پالتی ہے اور کاروبار نسلیں پالتا ہے۔

مایوسی کفر۔ محنت میں عظمت

سوال۔جب آپ نے یہ کاروبار شروع کیا تو کونسی مشکلات پیش آئیں ؟اور لوگوں کا رویہ کیسا تھا؟

جواب: جب کسی نئے سیٹ اپ میں آتے ہیں تو ظاہری بات ہے کہ مشکلات تو آتی ہیں۔شروع میں رشتے داروں کا منفی ردعمل اور لوگوں کے غیر مناسب جملوں کا سامنا کرنا پڑا۔شروع میں تو مایوسی ہوئی۔اب عادی ہوگئی ہوں۔شروع میں ہر کام مشکل لگتا ہے مگر وقت کے ساتھ آسانیاں ہوتی جاتی ہیں۔میں نے طرح طرح کے طعنے اور باتوں کو برداشت کیا لیکن ہمت نہیں ہاری۔

سوال۔اب لوگوں کے رویے کیسے ہیں؟

جواب۔اب سب میری تعریف اور حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔سب بولتے ہیں بیٹا بھی اس طرح سے نہیں کر سکتا جو آپ لڑکی ہو کر مرد حضرات کی مارکیٹ میں بیٹھ کر کام کر رہی ہیں، پوری مارکیٹ میں واحد خاتون ہوں

سوال۔آپ آج کل کے مردوں کا عورتوں سے رویہ کس طرح دیکھتی ہیں؟

جواب۔مردوں کے ساتھ کام کرنا مشکل ہے۔مرد عورت پر حکمرانی کرنا چاہتا ہے جبکہ اسلام نے عورتوں کو مساوی حقوق دیے ہیں۔آج کل کے مرد حضرات ڈکٹیٹر بننا چاہتے ہیں۔

پورا ہفتہ کاروبار۔ جمعے کو گھریلو مصروفیات

سوال۔مردوں کے ساتھ کام کرنے کے لیے کونسی باتیں ضروری ہیں؟

جواب: عورتوں کو مضبوط کردار کا مالک ہونا چاہیئے، خود اعتمادی، اپنے آپ پر بھروسہ ہو اور اپنے کام سے مطلب رکھیں۔

سوال۔ہمارے معاشرے میں عورتوں کا کیا کردار ہے؟

جواب۔ہمارے معاشرے میں عورتوں کا یہ کردار ہے کہ اچھی نسل کی پرورش بہتر انداز میں کریں۔تعلیم پر بھرپور توجہ دیں اور اس کے علاوہ کوئی بھی ہنر سیکھیں۔

سوال۔آپ کی نظر میں خواتین کو کونسے حقوق نہیں مل رہے ہیں؟

جواب۔ خواتین کو تعلیم سے محروم کیا جا رہا ہے۔خواتین کے لیے تعلیم کا حصول لازمی ہے۔اگر عورت پڑھی لکھی اور تعلیم یافتہ ہوگی تو مردوں سے اپنے حقوق حاصل کر سکتی ہے اور شانہ بشانہ چل سکتی ہے۔پسماندہ طبقے کی خواتین کو خود مختار نہیں ہونے دیا جا رہا ہے۔

سوال۔کاروبار کے علاوہ آپ کی اور کیا مصروفیات ہیں؟

جواب۔ پورے ہفتے کاروبار کو وقت دیتی ہوں اور جمعہ کے دن گھریلو مصروفیات میں وقت گزر جاتا ہے۔کبھی کبھار فریش ہونے کے لیے آؤٹنگ کرتی ہوں۔

سوال۔عورت کو ایک جملے میں بیان کریں؟

جواب: عورت انسانی مقدس رشتوں کا ایک مجموعہ ہے جو کہ ماں، بہن اور بیٹی کی شکل میں ہے۔

سوال۔مستقبل میں آپ کے کیا ارادے ہیں؟

جواب۔ مستقبل میں یہ ارادہ ہے کہ اپنے کاروبار کو پروان چڑھاؤں اور مزید ترقی کی طرف گامزن ہوں۔

سوال۔8 مارچ کو خواتین کے عالمی دن کے حوالے سے آپ خواتین کو کیا پیغام دیں گی؟

جواب۔ وہ خواتین مسلسل لگن سے جدوجہد کریں تا کہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوں۔کسی بھی کام کو چیلنج سمجھ کر کریں جس طرح میں نے اس کام کو چیلنج سمجھ کر کیا ہے۔ میں خواتین کے لیے ایک رول ماڈل ہوں۔معاشرے کے منفی رویوں سے دل برداشتہ ہو کر کسمپرسی کی زندگی نہیں گزاریں اور نہ اپنی خواہشات کا گلا گھونٹ کر مایوسی کے اندھیروں میں تنہا رہ جائیں۔مایوسی کفر ہے اور محنت میں عظمت ہے زندگی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔اسے جہد مسلسل سے سنواریں اور زندگی سے بھرپور طور پر لطف اندوز ہوں۔

لیتھ مشین سنبھالتے والی واحد خاتون

سوال۔ماہنامہ اطراف مارچ کے مہینے میں خواتین نمبر شائع کر رہا ہے آپ ماہنامہ اطراف کراچی کے لیے کیا کہنا چاہیں گی؟

جواب۔ماہنامہ اطراف کراچی کی کاوش قابل ستائش ہے جنہوں نے خواتین کے مسائل کو اجاگر کرنے کے لیے خواتین نمبر شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔خواتین نمبر سے خواتین کے مسائل کی نشاندہی اور حوصلہ افزائی ہوگی۔

"عفت سلطانہ کے موضوع بالکل منفرد ہوتے ہیں۔ جب ہر طرف برف ہوتی ہے۔ جب پانی بھی جم جاتا ہے۔گلگت بلتستان کی اس شدید سردی میں ماؤں کا دودھ بھی برف ہونے لگتا ہے۔ یہاں کی شیرخوار بچوں کی ماؤں کے مسائل کا احساس کسی کو نہیں ہے۔ دسمبر کے آخری ایام میں زندہ رہنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔لوگ اچھے موسم میں عزت کی موت مانگتے ہیں۔"

خون ہی نہیں، ماں کا سیال سونا بھی جمنے لگتا ہے

ہر طرف برف۔ایک خاندانی دوست ملنے آ گئے

عفت سلطانہ

سردیوں کے موسم میں اکثر اس طرح کی شہ رخیاں ٹی وی چینلز کی زینت بنتی ہیں

"سکردو میں خون جما دینے والی سردی کا راج! سب سے کم منفی درجہ حرارت آج وادی سکردو میں ریکارڈ کیا گیا۔"

انسانی جسم میں دوڑنے والا خون ہی وہ واحد لیکوئیڈ نہیں جو منفی درجہ حرارت میں جمنا شروع ہو جاتا ہے۔ خون سے بھی زیادہ قیمتی ایک اور سیال مادہ قدرت نے ماں کے جسم میں شیرخوار بچے کی اولین

یخ بستہ ہواؤں میں قبر کھودنا جان لیوا

غذا کی صورت میں رکھا ہے جسے افادیت کے باعث سنہری مائع / LIQUID GOLD کہا جاتا ہے۔

ماں کا دودھ بچے کی بہترین غذا ہے اگر ملازمت یا کسی اور مجبوری کے تحت ماں یہ فرض ادا نہ کر سکے تو اس لیکوئیڈ گولڈ سیال سونے پر بھی سرد ترین ٹمپریچر کے بدترین اثرات نمودار ہونے

سردی سے خود بھی بچنا۔تعزیت کے لیے آئے ہوؤں کو بھی بچانا

لگتے ہیں۔ ابتدا میں تو مائیں شرم وحیا کی وجہ سے اس تکلیف کا کسی سے ذکر نہیں کرتیں اور ٹونے ٹوٹکوں سے کام چلاتی رہتی ہیں مگر جب یہ تکلیف حد سے بڑھ جائے تو ناقابل برداشت ہوجاتی ہے اس اذیت کا احساس پاکستان کے سرد علاقوں میں رہنے والی مائیں بخوبی کر سکتی ہیں ترقی یافتہ دنیا میں شیرخوار بچوں کی ماؤں کے لیے ڈریس ڈیزائنر خصوصی لباس تیار کرتے ہیں جن میں مائیں یہ فریضہ خوش اسلوبی سے انجام دے سکتی ہیں تمام تر سہولتوں و مراعات کے باوجود دنیا کے تمام ہی ترقی یافتہ خوشحال ممالک کو

بچوں کی شرح پیدائش میں کمی کا سامنا ہے۔ جاپان اور جنوبی کوریا تو بہت بری طرح متاثر ہیں جاپان کی وزارت صحت کے مطابق 2022 میں بچوں کی پیدائش میں پچھلے سالوں کے مقابلے میں ریکارڈ کمی دیکھی گئی

دسمبر کا آخری ہفتہ چل رہا تھا پرانا سال اختتام

گلگت بلتستان کی کسان عورت کو زبردست سلیوٹ

پذیر تھا اور نئے سال کی آمد آمد تھی سردی اپنے شباب پر تھی پوری وادی سکردو برف ہو چکی تھی ہمارے ایک فیملی فرینڈ ملنے آگئے ان کے بچے بھی ہمارے بچوں کے کلاس فیلوز تھے وہ بہت شدید فلو اور زکام میں مبتلا تھے۔ رسم میزبانی نبھاتے ہوئے ان کی تواضع ابلے ہوئے انڈوں اور چائے سے کی۔

مجھے اس خاطر مدارات پر انہوں نے صحت سلامتی اور رزق میں برکت کی ڈھیروں دعائیں دیں

سکردو میں دسمبر کے آخری ایام میں قہوہ بنانا کراچی میں پائے بنانے کے مترادف ہے۔ پانی پگھلی ہوئی برف ہوتی ہے اور سکردو میں سوئی گیس نہیں۔ گیس کے سلنڈر، لکڑی یا مٹی کا تیل بطور ایندھن استعمال ہوتا ہے۔ ہر قسم کے ایندھن کی قیمتیں سرد موسم میں آسمان سے باتیں کرتی ہیں۔ میں نے اپنے مہمان سے کہا

''بھائی آپ نے اس موسم میں لا پرواہی کیوں کی۔'' شوہر نے بھی میری بات کی تائید کی۔

''عفت بجی مرتا کیا نہ کرتا گاؤں میں بہیر کے شوہر کا انتقال ہوگیا اس دن ٹمپریچر منفی بیس تھا۔ یہاں کوئی سردیوں میں مرجائے تو لوگ بہت برا بھلا کہتے ہیں۔ میں تو ہمیشہ دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اچھے موسم میں عزت سے موت دے۔''

''لو بھلا یہ کیا بات ہوئی بھائی جان؟ کیا کوئی اپنی مرضی سے مرتا ہے؟ یہ کوئی فرمائشی پروگرام تھوڑی ہے کہ اپنی پسندیدہ تاریخ سے ملک الموت کو آگاہ کر دیا اور اپنی مرضی کی موت اختیار کرلی۔ یہ تو وہ کمپلسری پیپر ہے جس میں چوائس بھی کوئی نہیں؟''

''آپ اپنی جگہ پر بالکل درست ہیں باجی مگر کراچی والے کیا جانیں کہ منفی بیس ڈگری سینٹی گریڈ میں ہمالیہ قراقرم اور کوہ ہندوکش کی وادیوں

کراچی والے تو برف صرف ڈیپ فریزر میں دیکھتے ہیں

میں واقع یخ بستہ ہواؤں کی زد میں قبر کھودنے کا کیا مطلب ہوتا ہے اور اہل خانہ اس جان لیوا سردی میں تدفین و دیگر رسومات سے کیسے نبرد آزما ہوتے ہیں؟ آخری رسومات میں شرکت کرنے والے مہمانوں کو بھی سردی سے بچانے کے لیے اہتمام کرتا ہوتا ہے۔''

واقعی! کراچی والوں کو کب پتا جنہوں نے برف صرف ڈیپ فریزر میں دیکھی ہو!!

عفت سلطانہ کو یوں محسوس ہوا جیسے سکردو میں پڑی ہوئی ساری برف اس کی ریڑھ کی ہڈی میں اتر گئی ہو

جس نگری میں ہم رہتے ہیں
بکھر گیت سناتے ہیں
چلتی سرد ہوا سے باہر
آنسو تک جم جاتے ہیں۔

پھر اچھے موسم میں گھومنے پھرنے اور ہنی مون بلان کرنے والی کراچی کی بیٹی نے بھی اچھے موسم میں مرنے کی عرضی خالق ارضی کے حضور پیش کردی کہ کوئی نہیں جانتا اس کی موت کب کہاں اور کس حال میں ہوگی؟ پاکستان کے شدید سرد و گرم موسم میں کھیتی باڑی کرنے والی کسان عورت کو عفت سلطانہ کا زبردست خراج تحسین اور گلگت بلتستان کی کسان عورت کو فوجیوں والا زوردار سیلوٹ!

زندگانی کی کفالت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی

❁❁❁

”حکومت پاکستان کی وزارت تجارت میں جائنٹ سیکرٹری سید ارتقا احمد زیدی ’اطراف‘ کے قلمی سرپرستوں میں نمایاں ہیں۔ وہ اپنی ملازمت کے دوران جن واقعات کے عینی شاہد رہے۔ ان کی روداد ہماری درخواست پر ’اطراف‘ کے صفحات کے لیے قلمبند کرتے ہیں۔ ان کی معروضی حکایات قارئین بہت پسند کرتے ہیں۔ پاکستان کی تاریخ کے سب سے بڑے سانحے سقوط مشرقی پاکستان کے پس پردہ واقعات پر انہوں نے قلم اٹھایا ہے۔ ہر گام پر اُداسی۔ اپنوں ہی کی سازش۔“

ملک توڑنے کی سازش میں خود ملک کے ارباب اختیار شامل

قسط نمبر 5

☆ سید ارتقا احمد زیدی کی چشم کشا تحریر

اس بات پر تو کسی کو ذرا سا بھی تک نہیں ہے کہ مشرقی پاکستان میں فوج سے ہتھیار ایک سازش کے ذریعے ڈلوائے۔ لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ اس سازش میں حکومت پاکستان خود شامل تھی۔ شاید ہی دنیا کی تاریخ میں کبھی ایسا واقعہ ہوا ہوگا کہ ملک کے دو ٹکڑے کرنے

پاکستانی فوج پر مکتی باہنی کے حملے بڑھ گئے

کی سازش میں خود اس ملک کے ارباب اختیار شامل ہوں۔ لیکن پاکستان وہ ملک ہے جہاں ہر انہونی ممکن ہے۔ حکومت پاکستان کے ملک توڑنے کی سازش میں شامل ہونے کا ایک ناقابل تردید واقعہ پاکستانی فوج کے میجر احتشام نے جو ہندوستان میں جنگی قیدی بن گئے تھے نے مجھے سنایا۔

زرعی کالج ٹنڈو جام میں میرا ایک کلاس فیلو جس کا نام احتشام تھا۔ 1966 میں بی ایس سی کر کے فوج میں شامل ہو گیا اور میں نے ایم ایس سی میں داخلہ لیکر اپنی پڑھائی جاری رکھی۔ احتشام ترقی کر کے میجر ہو گیا اور مشرقی پاکستان میں اس فوج کا حصہ بن گیا جسے مشرقی پاکستان میں بنگالیوں کی بغاوت کچلنے کے لئے بھیجا گیا تھا

16 دسمبر 1971 کو وہ جنگی قیدی بن گیا۔ اس کے بعد میرا اس سے رابطہ نہیں رہا۔ 1976 میں اسلام آباد میں پلاننگ کمیشن میں اسسٹنٹ چیف کے طور پر خدمات انجام دے رہا تھا۔ اور سیکٹر F-6/1 کی اسٹریٹ نمبر 37 میں سرکاری مکان میں رہائش پذیر تھا۔ ایک دن فاروقیہ مسجد سے نماز پڑھ کر نکلا تو مسجد کے سامنے ایک کوٹھی کے دروازے پر احتشام کو کھڑے دیکھا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو دم بخود دیکھتے رہے اور پھر گلے مل کر ہماری آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے وہ مجھے گھر کے اندر لے گیا۔ کالج اور پھر اس کی فوج میں پوسٹنگ سے متعلق باتیں ہوتی رہیں۔ میں مشرقی پاکستان میں سقوط ڈھاکا کے بارے میں بات کرنا چاہ رہا تھا لیکن وہ ادھر ادھر کی باتیں کر کے ٹال دیتا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ اس اندوہناک واقعے پر کسی اور دن بات کرے گا۔ پہلی ملاقات میں کچھ خوشگوار باتیں کرنی چاہئیں۔ میرے اصرار پر اس نے بتایا کہ وہ فوج میں کمیشن حاصل کر کے بے حد خوش تھا۔ اور اس بات پر بڑا فخر کرتا تھا کہ وہ دنیا کی بہترین فوج کا ایک حصہ ہے۔ جب اس کی میجر کے طور

کھلنا میں تعینات میجر احتشام کے ناقابل تردید انکشافات

پر ترقی ہوئی تو اسے مشرقی پاکستان بھیج دیا گیا۔

اس نے کہا کہ اس کی بٹالین کو مشرقی پاکستان میں کھلنا میں تعینات کر دیا گیا۔ یہ ستمبر 1971 کی بات ہے۔ کھلنا میں حالات کافی حد تک کنٹرول میں تھے۔ مکتی باہنی کی طرف سے کبھی کبھی فوجی گاڑیوں پر حملے ہوتے تھے۔ اور فوجی اپنی گاڑی سے اتر کر علاقے میں تلاشی لیکر مکتی باہنی جو زیادہ تر نوعمر لڑکوں پر مشتمل تھی کو گرفتار کر لیتے تھے اور

ریڈیو پاکستان کھلنا سے پاکستانی فوج کے خلاف خبریں

جھڑپوں میں انہیں ہلاک بھی کر دیا جاتا تھا۔ کھلنا میں عام تاثر یہی تھا کہ مکتی باہنی سے تعلق رکھنے والے شرپسندوں کی تعداد بہت محدود

ہے اور کوئی بڑا مسئلہ نہیں۔

احتشام نے بتایا کہ کھلنا میں پاکستان فوج دو ہزار جوانوں اور کچھ افسران پر مشتمل تھی اور سب کے سب پرعزم تھے کہ کھلنا میں شر پسندوں سے موثر انداز میں نمٹا جاسکتا ہے لیکن پھر اچانک دسمبر کے پہلے ہفتے میں حالات خراب ہونا شروع ہوگئے اور غیر ملکی میڈیا نے خبریں دینی شروع کردیں کہ پاکستانی فوج پر مکتی باہنی کے حملے بڑھ گئے ہیں۔ ڈھاکا۔ راجشاہی اور چٹاگانگ کے متعلق سنگین صورت حال بتائی جانے لگی۔

احتشام نے بتایا کہ 12 دسمبر 1971 کی ایک شام وہ اپنے دوست فوجیوں کے ساتھ مختلف غیر ملکی ریڈیو لگا کر تازہ ترین صورت حال معلوم کرنا چاہ رہا تھا۔ ریڈیو کی نشریات سگنل کمزور ہونے کی وجہ سے صاف سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ایک ریڈیو سے آواز ذرا صاف سنائی دینے لگی تو سب دوست بڑی توجہ سے خبریں سننے لگے۔ خبروں میں بتایا جارہا تھا کہ کھلنا میں صورت حال سنگین ہو گئی ہے اور مکتی باہنی کے حملوں کے علاوہ ہندوستانی فوج بھی شہر میں داخل ہوگئی ہے اور پاکستانی فوج سے دست بدست جنگ جاری ہے ۔احتشام نے کہا کہ یہ خبریں سن کر ہمیں ہنسی آگئی کہ ہندوستانی ریڈیو

جنرل نیازی نے کہا جنرل یحییٰ کا حکم ہے ہتھیار ڈال دیں

بے پر کی اڑا رہا ہے۔ کھلنا میں تو ہندوستان کی فوج کا دور دور کہیں نشان نہیں اور مکتی باہنی کی طرف سے بھی چار پانچ دن سے کوئی حملہ نہیں ہوا۔ اگلے ہی لمحے احتشام اور اس کے دوستوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب انہوں نے یہ فقرہ سنا کہ یہ ریڈیو پاکستان ہے۔ احتشام نے اپنے دوستوں کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا اور پھر وہاں موجود ایک کرنل سے کہا کہ ''سر یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ ریڈیو پاکستان اتنی جھوٹی خبریں کیوں دے رہا ہے؟'' کرنل بالکل خاموش کچھ سوچتا رہا۔ پھر بہت دکھ بھرے لہجے سے کہا کہ ایسا لگتا ہے کہ پاکستانی فوج کے خلاف بہت بڑی سازش ہو رہی ہے ۔فوج کا مورال تباہ کر کے اسے شکست دلوانے کی گھناؤنی سازش ہو رہی ہے۔ احتشام اور دوسرے فوجیوں نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی کہ ایسا کون کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے؟ کافی دیر بحث ہوتی رہی اور خدشات کا اظہار کیا گیا کہ حکومت پاکستان کے ارباب اختیار مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں۔ احتشام نے بتایا کہ 12 دسمبر کو اس واقعے کے بعد سے ایک ایک لمحہ پاکستان فوج پر گراں گزر رہا تھا۔ اور وہ بے چینی سے دوسرے شہروں میں موجود فوجیوں سے رابطہ کر کے صحیح صورت حال معلوم کرتے رہتے تھے۔

دو دن بعد 14 دسمبر کو ڈھاکہ سے جنرل نیازی کی طرف سے پیغام ملا کہ اب اولین ترجیح ڈھاکہ کو ہندوستان کی یلغار سے بچانا ہے اس لیے کھلنا اور باقی دوسرے شہروں سے بھی تمام پاکستانی فوج ڈھاکہ پہنچ جائے۔ اس پیغام سے کھلنا میں موجود پاکستانی افواج کا مورال بری طرح متاثر ہوا۔ اور فوج میں بے چینی اور بد دلی پھیل گئی۔ کھلنا

کھلنا اور دوسرے شہروں سے پاک فوج کو ڈھاکا پہنچنے کا کہا گیا

سے ڈھاکہ کا فاصلہ 220 کلومیٹر تھا اور یہ بھی خطرہ تھا کہ اس طرح اچانک کھلنا سے پاکستانی افواج کا انخلا وہاں پر موجود صوبائی حکومت میں تعینات غیر بنگالی عملے کے لئے بہت خطرناک ہوگا اور وہ مکتی باہنی کے رحم و کرم پر رہ جائیں گے۔ اس لئے باہم مشاورت سے یہ طے پایا کہ نہ صرف پاکستانی افواج بلکہ ان کے ساتھ تمام غیر

بنگالی عملہ جس کا تعلق کسی بھی ادارے سے ہو ڈھاکہ منتقل ہو جائیں۔ تمام غیر بنگالی تاجروں نے بھی کھلنا چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا اور سب لوگ بذریعہ سڑک ڈھاکہ روانہ ہوگئے۔ رات میں سفر کرنے کو ترجیح دی گئی تا کہ مکتی باہنی کے حملوں سے محفوظ رہا جائے۔ 15 تاریخ کی صبح سب لوگ ڈھاکہ پہنچ گئے ۔ دوسرے شہروں سے بھی

15 دسمبر کی صبح قریباً 90 ہزار لوگ ڈھاکا میں موجود تھے

فوجی اور غیر بنگالی سویلین ڈھاکہ پہنچ چکے تھے۔ ایک اندازے کے مطابق اس وقت تقریباً 35 ہزار فوجی اور باقی سویلین کو ملا کر تقریباً 90 ہزار لوگ ڈھاکہ میں موجود تھے۔ جنرل نیازی غیر ملکی میڈیا کو بار بار یہی بیان دے رہے تھے کہ پاکستانی فوج کسی صورت ہتھیار نہیں ڈالے گی۔ لیکن پھر 16 نومبر کو فوج نے ہتھیار ڈال دیئے ۔احتشام نے بتایا کہ تمام فوجی بہت غصے میں تھے اور انہیں جذبات پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں۔ صرف وہ آنسو ہی بہا سکتے تھے۔ اور اپنے سینئر فوجیوں سے بار بار یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ وہ جنرل نیازی سے اصل صورت حال معلوم کریں کہ انہوں نے ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیوں کیا؟۔ فوجی افسران فوجی جوانوں کو بار بار سمجھانے کی کوشش کر رہے تھے کہ بحیثیت ایک فوجی کے انہیں اپنی ہائی کمانڈ کے تمام فیصلوں پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ ذرا صبر سے کام لیں ان کے سوالات کا جواب جلد مل جائے گا جب صورت حال کچھ واضح ہو گی۔

چند دن بعد جنرل نیازی کی طرف سے یہ بات بتائی گئی کہ ان کے پاس ڈھاکہ کو بچانے کا مکمل پلان موجود تھا اور وہ کئی ماہ تک ہندوستانی فوج کو ڈھاکہ میں داخل ہونے سے روک سکتے تھے لیکن انہیں جنرل یحییٰ کی طرف سے حکم دیا گیا کہ ہتھیار ڈال دیں اور ہندوستانی فوج سے تعاون کریں تا کہ پاکستانی افواج کی سلامتی کی ضمانت مل جائے۔ کوئی بھی فوجی اس جواب سے مطمئن نہیں تھا سب کے سب جنرل نیازی کو الزام دے رہے تھے کہ بحیثیت فوجی انہوں نے ہتھیار ڈالنے کا حکم دے کر ملک سے غداری کی ہے یہ بحث کافی دنوں تک چلتی رہی۔ جنرل نیازی کا کہنا تھا کہ انہوں نے ایک فوجی کی حیثیت سے یحییٰ خان کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ اور اگر وہ ایسا کرنے سے انکار کر دیتے اور ہتھیار نہ ڈالتے تو ان کی طرف سے بغاوت تصور کی جاتی اور اس کے علاوہ بہت خون خرابہ ہوتا۔ وہ اپنی گردن پر ہزاروں فوجیوں اور سویلین کا خون نہیں لینا چاہتے تھے (جاری ہے)

سندھ کی نئی نسل سے تخاطب

ڈاکٹر سید جعفر احمد ’اطراف‘ کے قلمی سرپرست ہیں۔ انتہائی اہم اور حساس موضوعات پر اپنے مطالعے اور دل بستگی کی بدولت دل نشیں انداز اور آسان زبان میں قارئین تک اپنی تحقیق پہنچاتے ہیں۔ 28-29 اکتوبر2023 کو سکھر میں آئی بی اے یونیورسٹی میں پاکستان آرٹس کونسل کے زیر اہتمام لٹریچر فیسٹیول میں اپنے کلیدی خطبے میں انہوں نے تہذیب و تمدن سے معمور سندھ کی صدیوں میں اکیسویں صدی کے سندھ کا جائزہ لیا اور ’دریدہ دامنِ سندھ‘ کے عنوان سے اپنی معروضات پیش کیں۔ ہم ڈاکٹر سید جعفر احمد کے شکریے کے ساتھ یہ اہم تقریر نذر قارئین کر رہے ہیں۔

سندھ کی نئی نسل اپنی صدیاں ساتھ لے کر خود فیصلے کرے

تحریر: ڈاکٹر سید جعفر احمد

آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی اور اس کے سکھر چیپٹر کے زیرِ اہتمام سکھر آئی بی اے یونیورسٹی میں منعقد ہونے والے اس پاکستان لٹریچر فیسٹیول میں اظہار خیال میرے لیے کئی لحاظ سے ایک بڑے اعزاز کی بات ہے۔ بہت سے خیالات اس وقت ذہن میں آرہے ہیں، تقریب کی نوعیت اور مقام کی ندرت احساسات کو ایک نہج فراہم کررہی ہے۔ یہ ایک بڑی درسگاہ میں منعقد ہونے والا فیسٹیول ہے۔ اس دوروزہ فیسٹیول میں ادبی موضوعات پر سیمینار ہوں گے، علمی وفکری موضوعات پر اہلِ علم مقالے پڑھیں گے، سماجی و ثقافتی رجحانات پر سیر حاصل گفتگو ہوگی، کتابوں کی تقاریبِ اجراء منعقد ہوں گی، اور بہت سی دیگر تہذیبی سرگرمیاں ہماری دلچسپی کا باعث بنیں گی۔ یہ بات ہمیشہ پیش نظر رہنی چاہیے کہ یونیورسٹیوں کو اصولاً کسی جزیرے کی حیثیت حاصل نہیں ہونی چاہیے، وہ معاشرے کا حصہ ہوتی ہیں۔ ان میں اور معاشرے میں کوئی حد بندی نہیں ہونی چاہیے اور دونوں کو ایک دوسرے کے لیے اپنے دروازے کھلے رکھنے چاہئیں، اس حوالے سے آج جو یہ کام ہوا ہے، بڑا لائق مبارک باد کام ہے۔

پھر اس کانفرنس کا مرکزی موضوع یہ اعلان ہے کہ ’نوجوان ہی آگے کا راستہ دکھاتے اور فراہم کرتے ہیں‘۔ یہ بڑا خوش آئند اقرار نامہ ہے جو اس دوروزہ کانفرنس سے مشتہر ہوگا۔ گذشتہ روز کراچی سے یہاں پہنچنے پر منتظمین سے معلوم ہوا کہ اب تک ۲۷ ہزار لوگ اس میں شرکت کے لیے رجسٹریشن کرواچکے ہیں، جن کی بڑی اکثریت یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبا پر مشتمل ہے۔ گویا فیسٹیول اپنے مخاطبین تک پہنچ گیا ہے اور نئی نسل نے اس بڑی تعداد میں شریک ہو کر اس کی اونر شپ لے لی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس فیسٹیول کا ایک اور اہم پہلو اس کا سکھر میں منعقد ہونا ہے۔ سکھر سندھ کا ایک عظیم تاریخی شہر ہے، یہ اپنی حدودِ کار میں صدیوں کی تاریخ سمیٹے ہوئے ہے، صدیوں کی انسانی کاوشیں انسان کی جہدِ حیات، اُس کی آرزوئیں اور تمنائیں، اُس کا تاریخ کو آگے لے جانے کا عزم، یہ سب اس شہر کا تہذیبی ورثہ ہے جس پر ہم سب فخر اور ناز کرتے ہیں۔ سکھر جیسے تاریخی شہر میں کھڑے ہو کر آج کے سندھ کی بابت غور کریں تو ذہن لامحالہ ماضی اور حال کے درمیان ایک رشتہ دریافت کرنا شروع

سندھ اور دجلہ فرات کی تہذیبوں سے روابط

کردیتا ہے۔ ماضی اور حال کے تعلق کو دیکھنا اور تاریخ اور سیاست کے درمیان ایک مکالمے کو دریافت کرنا ایک بڑا کارِ ہنرمندی ہے جو بڑے عالموں اور دانشوروں ہی کا کام ہے مگر مجھ جیسے سماجی علوم کے ایک طالبعلم کے لیے بھی اس طرف جانا ایک شوق کو پورا کرنے کا درجہ ضرور رکھتا ہے۔ سندھ کی تہ در تہ تاریخ میں تہذیب کے ابتدائی شگوفے تین ساڑھے تین ہزار سال قبل کھلے تھے۔ وادیٔ سندھ کی اس تہذیب نے پانچ چھ سو سال کے عرصے ہی میں اپنے ترقی یافتہ ہونے کا ناقابل تردید ثبوت فراہم کردیا تھا۔ اس تہذیب کے داخلی عناصر پر بہت لکھا گیا ہے لیکن آج جب ہم سندھ اور دنیا کے درمیان کسی رشتے کے بارے میں سوچتے ہیں تو وادیٔ سندھ کی تہذیب کا یہ پہلو سب سے زیادہ ہمارے سامنے نمایاں ہو کر آتا ہے کہ اس تہذیب نے ہم عصر تہذیبوں کے ساتھ راہ و رسم بھی رکھی اور ان کے ساتھ تبادلۂ خیال بھی کیا۔ سندھ اور دجلہ و فرات کی تہذیبوں کے روابط آج ہمارے مطالعوں کی ثروت میں اضافہ کرتے ہیں اور ہم یہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ کاش سیموئیل ہنٹنگٹن کو کوئی بتاتا کہ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ تہذیبوں میں تصادم نہیں ہوتا، تہذیبیں ایک دوسرے سے گفتگو کرتی ہیں، ایک دوسرے کو زرخیز بناتی ہیں۔ وادی

یونیورسٹی کو کسی جزیرے کی حیثیت حاصل نہیں ہونی چاہئے

سندھ کی اپنی ہم عصر تہذیبوں سے یگانگت اُن آثارِ قدیمہ سے ظاہر ہوتی ہے جو پچھلے ستر اسّی برسوں میں دریافت ہوئے ہیں۔ سندھ نے صدیاں اسی ہم آہنگی کی روایت کے تحت گزاریں، یہ الگ بات ہے کہ اس کی تاریخ تمام تر اس میں بسنے والوں کی حیات بخش کاوشوں ہی سے مرتب نہیں ہوئی بلکہ حکمرانوں کی سیاسی ریشہ دوانیاں اور طبقاتی سماجی نظام کے تازیانے بھی اس کے وجود کو مسخ کرنے کا کام کرتے رہے۔ سندھ نے ان سب کے باوجود اپنی خوش خصالی، اپنی رواداری اور اپنے پیامِ محبت کی جوت کو ہمیشہ جگائے رکھنے کی کوشش کی۔ آج جب ہم سندھ کا اس کے ماضی کے تناظر میں جائزہ لیتے ہیں تو جو سب سے بڑا داغ اس سرزمین پر لگا ہوا نظر آتا ہے وہ استعماریت (colonialism) کے ہاتھوں اس کے وجود پر لگنے والا داغ ہے۔ تین سو سال قبل جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے بیڑے بنگال اور جنوبی ہند کے ساحلوں پر اترنے شروع ہوئے تھے تو یہاں بھٹ شاہ پر مضطرب ہمارے صوفی کی غم گینی دیدنی تھی۔

1947۔ سندھ نوآبادیاتی نظام سے جدید نوآبادیاتی نظام کی گود میں

ہمارے ناخداؤں کو ہوا کیا
بدل کر بھیس آئے ہیں فرنگی
بتاؤ ہے کوئی ملاح ایسا
کہ روکے یورشِ دذ دانہ اُن کی

بدقسمتی سے شاہ لطیف کی آواز کو سننے والا بھی کوئی آس پاس موجود نہیں

تھا۔کلونیل ازم نے ہندوستان کے دیگر خطوں کی طرح سندھ سے بھی اُس کی بنیادی تہذیبی اساس چھیننے کی کوشش کی۔کلونیل ازم کا اصل مدعا تو اپنی نوآبادیوں کے اقتصادی وسائل کی لوٹ مار ہوتی ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی اور بعدازاں سلطنت برطانیہ نے ہندوستان میں بے دریغ کی بھی، ساتھ ہی یہاں اپنے سہولت کاروں کو، سندھ پر قبضہ کرنے میں مدد دینے پر نہ صرف ’آفرین نامے‘ جاری کیے گئے بلکہ اُن کو زمینوں کی ملکیت سے بھی سرفراز کیا گیا، کراچی میں سندھ آرکائیوز میں ایسے بہت سے ’آفرین ناموں‘ کے عکس موجود ہیں۔ پھر جب اس نوآبادی میں نمائندہ اداروں کی بنیاد رکھی گئی تو انہی بڑے زمینداروں پر مشتمل سیاسی اشرافیہ کا طبقہ بھی پیدا کیا گیا۔افسر شاہی اور فوج کے مضبوط اداروں کی مدد سے اور سہولت کار طبقوں کے تعاون سے کروڑوں انسانوں کو غلام بنانا تو ایک بنیادی استعماری کام تھا ہی لیکن ثقافتی سطح پر دوسرے خطوں کی طرح سندھ کو بھی اس کے تہذیبی سرمائے سے محروم کر کے یہاں بھی غلامانہ ذہنیت پر مشتمل ثقافت کی بنیاد رکھی گئی۔

۱۹۴۷ء میں سندھ نے بھی دوسرے صوبوں کی طرح خود کو نوآبادیاتی نظام کی آغوش سے نکل کر جدید نوآبادیاتی نظام (neo-colonialism) کی آغوش میں پایا۔کلونیل ازم سے نیوکلونیل ازم کا یہ سفر محض چند ثانیوں کا کھیل تھا۔وائسرائے جا چکے تھے، گورنر جنرل آچکے تھے، ان کے وسیلے سے آمرانہ طرزِ حکمرانی ملک کے سارے بدن میں سرایت کروادی گئی۔سر پر تاج سج چکا تھا، پاؤں ہنوز بیڑیوں کی گرفت میں تھے۔نوزائیدہ مملکت نے ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کی انگلی پکڑ کر چلنے کی کوشش کی۔شدید قسم کی مرکزیت پسندی نے صوبوں کو تہہ دام لانے کا کام کیا، آزادی سے قبل کے صوبائی مختاری کے سارے وعدے تہہ تیغ کر دیے گئے۔فلاحی مملکت کے خواب تتر بتر ہوئے۔سول اور عسکری افسر شاہی نے ریاست کا اقتدار سنبھالا مملکت کو قومی سلامتی کی ریاست قرار دے دیا گیا۔پہلا وار شہری آزادیوں (civil liberties) پر ہوا۔تحریر اور تقریر کی آزادی نئے اسلوبِ حیات کا حصہ نہیں تھی۔شہریوں کو رعایا بنانے کا فیصلہ ہوا، اور ماضی کے سب خوش نما خواب چکنا چور ہوئے تو ن۔م راشد نے مضطرب ہو کر نمرود کی خدائی لکھی۔

یہ قدسیوں کی زمیں
جہاں فلسفی نے دیکھا تھا، اپنے خوابِ سحر گہی میں،
ہوائے تازہ و کشتِ شاداب و چشمۂ جاں فروز کی آرزو کا پرتو
یہیں مسافر پہنچ کے اب سوچنے لگا ہے:
’’وہ خواب کابوس تو نہیں تھا؟
وہ خواب کابوس تو نہیں تھا؟
اے فلسفہ گو،
کہاں وہ رویائے آسمانی؟
کہاں یہ نمرود کی خدائی!
تو جال بُنتا رہا ہے، جن کے شکستہ تاروں سے اپنے موہوم فلسفے کے
ہم اس یقیں سے، ہم اس عمل سے، ہم اس محبت سے،
آج مایوس ہو چکے ہیں!

مرکز کے آمرانہ رویوں کے خلاف ابتدائی آوازیں سندھ اور بنگال ہی سے اُٹھیں۔بنگال پر کہیں بھاری پتھر پڑے، چوبیس سال بعد اُس سے جان چھڑالی گئی، لیکن اب چھوٹے صوبے زد پر تھے، فیض صاحب نے کہا تھا؎

جو گزرتے تھے داغؔ پر صدمے
اب وہی کیفیت سبھی کی ہے

ایک سہارا ۱۹۷۳ء کے آئین نے دیا۔خیال تھا کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی دی ہوئی وفاقیت مضبوط ہوگی اور ہم حقیقی جمہوری وفاقیت کے علمبردار بن سکیں گے۔مگر پھر طالع آزمائی کے نئے تجربات ہوئے۔گیارہ سال ایک فوجی آمریت، جو ملکی تاریخ کی تیسری فوجی

21ویں صدی تو ہے
مگر ہم کہاں ہیں

آمریت تھی، اُس کے بعد ایک وقفہ اور پھر نو سالہ فوجی آمریت، پاکستان کا وفاق مٹی کا گھروندہ بنادیا گیا، جمہوریت جیسی بھی تھی، جتنی بھی تھی، مسمار ہوئی۔پھر اٹھارہویں ترمیم نے کچھ پشت بانی کی مگر تیرہ سال بعد پیچھے مڑ کر دیکھیں تو آئین میں بدلی ہوئی بہت سی شقوں کے باوجود اور صوبوں کے کافی حد تک بااختیار بن جانے کے باوجود ایک عام شہری ہنوز محرومیوں کی دنیا ہی میں آباد ہے۔اس کی دنیا میں فصلِ تازہ کی کوئی مہک نہیں، اس کے لیل و نہار وہی ہیں کہ جو تھے۔

۲۰۲۳ء تک پہنچتے پہنچتے ہم نے خود کو اقلیم مہہ و سال کی ایک نئی منزل میں پایا۔اب ہم اکیسویں صدی میں ہیں، ہم ہیں یا نہیں ہیں، دنیا تو اکیسویں صدی میں ہے۔زرا دیکھ لیں کہ ہم ہیں تو کہاں ہیں؟ بات پھر سندھ ہی کے تناظر میں کرتے ہیں۔سندھ کا سماجی منظر نامہ بڑی دل شکن تصویر پیش کرتا ہے لیکن اس کی ایک جھلک دیکھنے سے پہلے یہ بات ضرور ہمارے ذہنوں میں رہنی چاہیے کہ آج سندھ کے ادبار کے، اس کی پسماندگی اور مختلف سماجی بیماریوں کے سب ہی اسباب خارجی نہیں ہیں۔ان کے بہت سے اسباب خود سندھ سے تعلق رکھتے ہیں۔مانا کہ عشروں تک مرکز کی آمرانہ پالیسیوں نے سندھ کو اُس کے

زرعی اصلاحات سے بھی فائدہ
بڑے زمینداروں کو ہی پہنچا

حقوق سے محروم رکھا ہے، یہ بھی درست ہے کہ ایک کمزور اور مجہول وفاقیت نے مرکز اور صوبوں کے درمیان، اور مختلف صوبوں کے درمیان منصفانہ طرزِ عمل کو راہ فراہم نہیں ہونے دی، مگر اس امر سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ جو کچھ صوبے کے اپنے اختیار میں تھا اُس کو بھی شہریوں کے مفاد کو پیشِ نظر رکھ کر روبہ کار نہیں لایا گیا۔سندھ میں زرعی اصلاحات کا نہ ہونا۔یا جیسی تیسی اصلاحات جو ماضی میں ہوئیں، اُن کو ناکامی سے دوچار کرنا وہ عوامل تھے جنھوں نے مرکزی عدم مساوات کی پالیسیوں کے ساتھ مل کر صوبے کو اُس مقام تک پہنچایا جس پر آج ہم اس کو دیکھتے ہیں۔

پچھلے چھہتر (۷۶) برسوں میں طرزِ حکمرانی وہی ہے، سماجی ڈھانچے میں تبدیلیاں ضرور آئی ہیں لیکن استحصال کے پہلو ہنوز غالب ہیں بلکہ ظلم کی نت نئی صورتیں بھی اختیار ہو چکی ہیں، دیہی معیشت بڑے زمینداروں کے زیراثر ہے، گذشتہ سات ساڑھے سات عشروں میں دو بڑی زرعی اصلاحات جنرل ایوب خان اور جناب ذوالفقار علی بھٹو کے ادوار میں بڑے زور شور کے ساتھ نافذ کی گئیں۔ماہرینِ معیشت کی اکثریت اس رائے کی حامل ہے کہ بحیثیت مجموعی ان اصلاحات سے بھی اصل اور بڑا فائدہ بڑے زمینداروں ہی کو پہنچا۔زرعی انقلاب سے بہرہ ور بھی یہی اشرافیہ ہوئی۔انہوں نے ہی ٹریکٹر خریدے، ٹیوب ویل لگائے، درآمد شدہ کھاد استعمال کی، اور زرعی بینک سے قرضے حاصل کیے۔پھر ایگرو بیسڈ انڈسٹری کا زمانہ آیا تو وہی پہلے زرعی صنعت کار بھی بنے۔بے زمین کسان بجائے خود ایک بڑی فصل کی صورت سندھ بھر میں کھڑے اپنے ہونے کی خبر دے رہے ہیں، ان کی حالت زار پر نہ اسمبلیوں میں ’توجہ دلاؤ نوٹس‘ آتے ہیں نہ وہ ٹی وی چینلوں کی بریکنگ نیوز بنتے ہیں۔زرعی معیشت میں ٹھیکے داری نے استحصال کی ایک اور شکل کو متعارف کروایا ہے، خواتین تیسرے درجے کی شہری ہیں۔وہ دہرے جبر کا شکار ہیں، دیہی سندھ کی عورت اور بھی زیادہ مظلوم ہے۔مذہبی اقلیتوں کے ساتھ آئین اور قانون کے علاوہ سماج میں بھی عدم برابری کا سلوک روا رکھا جاتا ہے۔عدم برابری اور عدم برداشت کے بہت سے مظاہر آئے دن اخبارات میں رپورٹ ہوتے ہیں۔غرض خود کو باور کرانا پڑتا ہے کہ ہم اکیسویں صدی میں پہنچ چکے ہیں۔

سندھ کے حوالے سے آج کے حقائق یہ بھی ہیں کہ، صوبے کی تیس (۳۰) سے پینتیس (۳۵) فیصد آبادی خطِ غربت سے نیچے زندگی بسر کر رہی ہے۔ملک بھر کے دیہی علاقوں میں، بلوچستان کے بعد سندھ کے دیہی علاقے سب سے پسماندہ علاقے ہیں۔

سب سے پسماندہ طبقہ ہاریوں کا ہے۔ساٹھ (۶۰) فیصد کے قریب کسان بٹائی پر کام کرتے ہیں۔تین سال پہلے کے Labour Force Survey (۱۹-۲۰۱۸ء) کے مطابق سندھ کی زراعت سے وابستہ مرد مزدوروں کی اوسط آمدنی ۱۷،۵۸۹ روپے (تقریباً ساڑھے سترہ ہزار روپے) اور خواتین محنت کشوں کی اوسط ماہانہ اجرت ۱۲،۰۱۰ روپے (تقریباً بارہ ہزار روپے) تھی Global Slavery Index نے انکشاف کیا کہ پاکستان میں تیس (۳۰) لاکھ سے زیادہ افراد جدید طرزِ غلامی کا شکار ہیں۔جبری محنت کا دائرہ کار زراعت کے علاوہ، فشری، تعمیرات، قالین بافی اور گھروں میں محنت کرنے والوں تک پھیلا ہوا ہے۔جبری محنت پر مجبور افراد کا ایک بڑا حصہ سندھ میں پایا جاتا ہے۔پاکستان میں غیر مسلم شہریوں کی تعداد محض ۲ء۱ فی صد ہے۔ان غیر مسلموں کی بڑی اکثریت یعنی ۹۷ فیصد کے قریب، دیہی سندھ میں، خاص طور سے سانگھڑ اور تھر پارکر میں آباد ہے۔خود ہندو کمیونٹی بھی ذات پات کے نظام میں جکڑی ہوئی ہے۔دلت یا

Scheduled Castes ہندو کمیونٹی کے مرکزی دھارے میں شمار نہیں ہوتے۔

صحت کے کوائف مزید افسوسناک منظر پیش کرتے ہیں۔ دیہی علاقوں میں صحت کی سہولتیں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ان علاقوں میں ساٹھ فیصد سے زیادہ بچے صحت کی سہولتوں کے فقدان کی وجہ سے کمزور ذہن کے ساتھ پرورش پاتے ہیں۔ پانچ سال سے کم عمر کے کمزور ذہن کے stunted بچوں کی ملک بھر میں سب سے بڑی تعداد دیہی سندھ میں پائی جاتی ہے۔

ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جس کا گذشتہ تقریباً چالیس سال سے تعلیم اور تدریس کے شعبے سے تعلق رہا ہے، اور خاص طور سے اس لیے بھی کہ اس کانفرنس اور فیسٹیول کا موضوع نئی نسل ہے اور یہ گفتگو ہو بھی ایک دانش گاہ میں رہی ہے، ضروری ہے کہ ہم سندھ کے تعلیمی کوائف پر بھی ایک نظر ڈالیں۔ پہلی بات تو یہ کہ ملک بھر کا تعلیمی نظام جن پانچ یا چھ نظاموں کا مجموعۂ اضداد ہے، وہ سندھ میں بھی موجود ہے۔ تعلیم کے شعبے کے دیگر بہت سے مسائل اور distortions جو پورے ملک میں ہیں وہ سندھ میں بھی ہیں۔ چنانچہ شہری علاقوں کے مقابلے میں دیہی علاقوں میں تعلیمی انفراسٹرکچر کا نسبتاً کمزور ہونا، پرائیویٹ اسکولوں اور کالجوں کے مقابلے میں پبلک سیکٹر کی زبوں حالی، لڑکیوں کی تعلیم کی لڑکوں کے مقابلے میں بدتر صورتِ حال، یہ مسائل سندھ میں بھی اُسی طرح اپنا وجود رکھتے ہیں جیسے یہ باقی ملک میں موجود ہیں مگر سندھ کے حوالے سے اختصاص کے ساتھ بات کریں تو کئی اور چیزیں بھی زیادہ نمایاں ہو کر سامنے آتی ہیں۔ مثلاً یہ بات قابلِ غور ہے کہ ماضی میں تو ہم بجا طور پر تعلیمی بجٹ کے کم ہونے پر شاکی رہتے تھے مگر اٹھارہویں ترمیم کے بعد تعلیمی بجٹ میں بہرحال اضافہ ہوا ہے۔ سندھ میں تو بعض برسوں میں یہ اضافہ کئی گنا ہوا۔ مگر تعلیم کے شعبے میں کوئی قابلِ محسوس بہتری نہیں آئی ہے۔ تعلیمی ادارے بڑھے، اسکولوں اور کالجوں کی تعداد میں اضافہ ہوا، سندھ میں یونیورسٹیوں کی تعداد چونسٹھ (۶۴) تک پہنچ چکی ہے مگر اداروں کے اندر کیا ہے؟ اس کی تفصیلات بڑی تکلیف دہ ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں میں اساتذہ کی دورانِ ملازمت تربیت کا کوئی باضابطہ نظام موجود نہیں ہے۔ نصاب کو جدید خطوط پر مرتب کرنے کا کام یا تو ہوتا نہیں ہے یا بے دلی سے کر کے، یا نامکمل چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یونیورسٹیوں میں اچھے اساتذہ بھی ہیں اور تحقیق میں دلچسپی بھی لیتے ہیں مگر بحیثیت مجموعی تخلیق کا کلچر یونیورسٹیوں میں جاگزیں نہیں ہو سکا۔ بلکہ الٹا اس کلچر کی مخالف سمت میں رجحانات پروان چڑھ رہے ہیں۔ اساتذہ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے اپنے طالبعلموں کے ابواب پر اپنا نام اپنی شریک مصنف (co-authorship) کے طور پر شائع کروا کر اپنے مقالات کی تعداد بڑھاتے ہیں، پرائیویٹ یونیورسٹیاں پیسہ بنانے کی فیکٹریاں بن رہی ہیں۔ کالجوں کے اساتذہ ٹیوشن سنٹرز چلا رہے ہیں اور سب سے اندوہناک بات یہ کہ صوبے میں گھوسٹ اسکول اور گھوسٹ اساتذہ کی موجودگی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی ہے۔ ۲۶ نومبر کو The Express Tribune نے رپورٹ کیا کہ سندھ کے محکمہ تعلیم نے دو ہزار گھوسٹ اساتذہ کی تنخواہیں وصول کر رہے تھے۔ گھوسٹ اساتذہ نظر نہ آنے والے آسیب کی طرح کراچی، حیدرآباد میر پور خاص، قمبر، جیکب آباد، دادو، بے نظیر آباد، شکار پور، نوشہرو فیروز، لاڑکانہ اور سانگھڑ میں تنخواہیں وصول کر رہے تھے۔ تازہ ترین رپورٹ ۱۳/اکتوبر ۲۰۲۳ء کی ہے۔ اس کے مطابق سندھ میں چالیس ہزار گھوسٹ اساتذہ دریافت ہوئے ہیں۔ اس جملے کو شاید دوبارہ لکھنے کی ضرورت ہے، دریافت تو تب ہوتے جب یہ موجود ہوتے۔ یہ چالیس ہزار محکمہ تعلیم کے تنخواہ یافتہ آسیب ہیں جن کا وجود اگر ورکس ڈیپارٹمنٹ ہیں، یا ڈسپنسریوں میں یا سیاسی جماعتوں

صوبے کی 35 فی صد آبادی خطِ غربت سے نیچے

کے کرکنوں کی صفوں میں ہو تو تعلیمی ادارے ان کی شکل دیکھنے سے معذور رہے ہیں۔ یہی نہیں بہت سے تعلیمی ادارے بھی عدم سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ کاغذوں پر ہیں، زمین پر ان کا کوئی وجود نہیں۔ یہ بات آپ اگر جاپان یا چین میں یا سنگاپور میں کسی کو بتائیں گے تو وہ ہونقوں کی طرح آپ کا چہرہ دیکھے گا۔ اس کو سمجھانا پڑے گا کہ گھوسٹ اسکول کیا ہوتے ہیں، گھوسٹ اساتذہ کس مخلوق کا نام ہے۔

آئین نے اپنے بنیادی حقوق کے باب میں پانچ سے سولہ سال کے بچوں کی مفت اور لازمی تعلیم کو ریاست کی ذمہ داری قرار دیا ہے۔ ریاست کی آئین کی شق ۲۵۔اے کی طرف نظر ہی نہیں جاتی۔ مرکز اور صوبے سب اس طرف سے غافل ہیں۔

اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ سب کو انتظار ہے، ہر کوئی کچھ تلاش کرتا نظر آتا ہے۔ سائلین، انصاف کی تلاش میں ہیں، عدالتیں آزاد فیصلوں کا اختیار ڈھونڈ رہی ہیں۔ بیروزگاروں کو روزگار کی تلاش ہے، محنت کش محنت کی پوری اجرت چاہتے ہیں، درسگاہیں علم اور مخلص اساتذہ کو خوش آمدید کہنے کی منتظر ہیں، بچیاں تحفظ اور احترام چاہتی ہیں، غیر مسلم، برابر کا شہری ہونا مانگتے ہیں۔ افلاطون نے کہا تھا کہ ریاستیں، شاہ بلوط

پرائیویٹ یونیورسٹیاں پیسہ بنانے کی فیکٹریاں

کی لکڑی سے نہیں، انسانوں کے کردار سے بنتی ہیں، ہماری ریاست بھی کردار کے حامل افراد کے انتظار میں ہے۔ کسی نہ کسی کی تلاش سب کو ہے، ہر کوئی کسی کے انتظار میں ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہم سب تاریخ کے ویٹنگ روم میں پہنچا دیے گئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس ویٹنگ روم کا دروازہ کون کھولے اور کون پہلے قدم باہر نکالے۔ تاریخ اور سیاست کے ایک طالبعلم کی حیثیت سے میں یہ کام نئی نسل کو کرتا دیکھتا ہوں۔ ازمنۂ قدیم سے آج تک کی تاریخ بھی یہی پیغام دیتی ہے کہ آئین نو ہمیشہ نئی نسل ہی لکھتی ہے، کھلی آنکھوں سے دنیا کو دیکھتی اور بیدار ذہن سے دنیا کو سمجھتی ہوئی ہر نئی نسل پچھلی نسلوں کا تاوان بھی ادا کرتی ہے، نئے امکانات کے در بھی وا کرتی ہے۔

میں نے مضمون کے عنوان میں سندھ کی 'دریدہ دامنی' کی ترکیب استعمال کی تھی۔ یہ ترکیب ابن انشا کی مشہور غزل کے ایک شعر نے سجھائی تھی ۔

اِس دل کے دریدہ دامن کو دیکھو تو سہی سوچو تو سہی
جس جھولی میں سو چھید ہوئے اُس جھولی کا پھیلانا کیا

سو، اب جھولی پھیلانے کی ضرورت نہیں، اب خود فیصلے کرنے کا وقت ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان حالات میں کیا کسی بہتری کی گنجائش بھی موجود ہے یا نہیں؟ کیا ہم برباد منظروں کو کبھی سنورتا ہوا بھی دیکھ پائیں گے؟ حکومتیں اور مقتدر ادارے مایوس کر چکے، تعلیمی اداروں میں زندگی کی حرارت موجود نہیں، ہماری نسل نے نئی نسل کو کچھ نہیں دیا۔ تو پھر بچا کیا۔ سچی بات ہے کہ اب صرف یہ ہے کہ نئی نسل خود اپنے مستقبل کو، ملک کے مستقبل کو اپنے ہاتھ میں لے۔ پاکستان کی ساٹھ فیصد آبادی تیس سال سے کم عمر لوگوں پر مشتمل ہے، اس لحاظ سے یہ نوعمروں اور نوجوانوں کی قوم ہے۔ انہی نوجوانوں پر ملک اور معاشرے کے زندہ وجود کا دارومدار ہے۔ یہی اس کانفرنس اور اس فیسٹیول کے مخاطب ہیں۔ اقبال نے دلِ مسلم میں ایک زندہ تمنا کی دعا کی تھی، اور دعا کی تھی کہ ۔

احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا دے

آج سکھر کے اس عظیم اجتماع میں ہم اپنی نئی نسل کے لیے اسی احساس کی دعا کو دہراتے ہیں۔ اس نسل کے ذہن میں رہنا چاہیے کہ سندھ کتنے زرخیز ماضی کا امین خطہ ہے، دریائے سندھ صدیوں سے تہذیب کی آبیاری کرتا آیا ہے۔ ہمارے ماضی میں مزاحمت کی کتنی بڑی تحریکیں اٹھی ہیں، ہمارے دانشوروں نے ہمیں غلط بتایا کہ سندھ امن اور صرف امن کی سرزمین ہے۔ معاشرے status quo سے نہیں، conflict سے آگے بڑھتے ہیں۔ سندھ صرف امن اور صلح کل کی سرزمین ہی نہیں ہے، یہ حقوق طلبی اور مزاحمت کی سرزمین بھی ہے۔ صوفی شاہ عنایت سندھ کے ان دونوں کرداروں کی تجسیم ہیں۔ صوفیانہ صلح کل اور کسانوں کی بغاوت، دونوں اُن کی ایک ذات میں مجسم ہوئے تھے۔ ہماری عظیم علمی و فکری روایت اس خطے کو سربلند کرتی ہے۔ صرف بیسویں صدی ہی میں دیکھیں، کامریڈ حیدر بخش جتوئی سے سائیں جی ایم سید تک، پیر حسام الدین راشدی سے ڈاکٹر این اے بلوچ تک، سائیں ابراہیم جویو اور شیخ ایاز سے سید سبط حسن اور ڈاکٹر مبارک علی تک، سندھ کی علمی و فکری روایت ہر زمانے میں زندہ رہی ہے۔ آج کی نسل کے لیے یہ روایت ایک بہت بڑا اثاثہ ہے۔ اس اثاثے کے ساتھ وہ آج کے تلاطم خیز زمانے میں آگے بڑھنے کے راستے نکالے۔ دنیا کے تجربات سے سبق سیکھے، آج کی دنیا علم اور تحقیق کے میدانوں میں مقابلے کی دنیا ہے۔ نئی نسل فیصلے کرنے کا اختیار اپنے ہاتھ میں لے۔ یہی سنبھلنے کا، اور بچنے کا، اور آگے نکلنے کا راستہ بچا ہے۔ ❁

''پاکستان لائبریری'' کا وطن عزیز میں قیام

101 کتب جن کی مالیت دو لاکھ روپے ہے صرف تیس ہزار روپے (Rs:30,000) میں حاصل کریں۔ پاکستان لائبریری کے نام سے اپنے گھر، محلے، گاؤں، ہسپتال، جیل خانہ جات، کالونی، سکول، کالج، یونی ورسٹی میں اور اپنی اپنی مادرِ علمی میں، اپنے والدین، قومی ہیروز اور اپنے پیاروں کے نام پر یہ کتب خرید کر لائبریری قائم کریں۔

نوٹ: 100 خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم لائبریریوں کا قیام عمل میں لایا جا چکا ہے۔

قدم بڑھائیں، لائبریری بنائیں
کتابیں ایک سو ایک، مقصد اعلیٰ اور نیک

قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل

یثرب کالونی، بینک سٹاپ، والٹن روڈ، لاہور کینٹ

ای میل: qalamfoundation2@gmail.com 0300-0515101 / 0309-4105484

سید ارتقا احمد زیدی پلاننگ کمیشن کے سابق چیئرمین اور دردمند پاکستانی ڈاکٹر اکرم شیخ کی تصنیف ''دین اسلام ایک مکمل نظام حیات'' کو قارئین اطراف سے متعارف کروارہے ہیں۔ اکرم شیخ صاحب ایک نیک نام اعلیٰ افسر رہے ہیں۔ یہ کتاب یقیناً ان کے درد اور فکر پر مبنی ہوگی۔ پاکستان کے ارباب اختیار ارکان اسمبلی اور میڈیا کو اسے بغور پڑھنا چاہیئے۔ اس پر عام بحث بھی کرائی جاسکتی ہے۔ اکرم شیخ ہمارے نظاموں کی خامیوں خوبیوں کا بذات خود تجربہ کرچکے ہیں۔ اس لیے ان کی تحریر ایک وقعت رکھتی ہے۔

انجینئر ڈاکٹر محمد اکرم شیخ کی تصنیف ''دین اسلام اور مکمل نظام حیات''

مقبولیت کم ہونے کے ڈر سے حکومتیں بہت سے ضروری کام نہیں کرتیں

تحریر: سید ارتقا زیدی

8فروری2024 کوالیکشن سے غیریقینی سیاسی صورت حال ختم ہونے کے امکانات روشن ہوگئے ہیں۔

سیاسی غیرسیاسی حلقوں اورعوام میں بے چینی پائی جارہی تھی۔ افواہیں گردش کررہی تھیں کہ حکومت کے مقتدر حلقے موجودہ نگران حکومت کی مدت میں دو یا تین سال کی توسیع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ نگران حکومت نے اچھی اور قابل قدر حکمت عملی اپنائی کہ کسی بھی قسم کی بیان بازی سے اجتناب کرتے ہوئے اپنی تمام صلاحیتیں ملک کے مسائل کے حل پر مرکوز کردیں۔ جس سے بہت مثبت نتائج آنا شروع ہوگئے ہیں۔ تجارتی حلقوں اور ماہر اقتصادیات نے نگران حکومت کی کارکردگی کو سراہنا شروع کردیا ہے۔ متعلقہ وزارتوں کے ضروری اقدامات کی بدولت ڈالر کے مقابلے میں روپے کی قدر بتدریج بڑھ رہی ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق ڈالر 280 روپے سے نیچے آگیا ہے۔ بجلی کی ترسیل میں ہونے والے ضیاع کو کم اور اس کی چوری کو روکنے کے لیے اقدامات کیے جارہے ہیں۔

ایک عام پاکستانی کے ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ پچھلی کئی دہائیوں میں حکومتوں نے یہ کام کیوں نہیں کیے۔ وجہ اس کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ منتخب اور غیرمنتخب حکومتوں کی ترجیح ہمیشہ یہ رہی ہے کہ کوئی بھی ایسا کام نہ کیا جائے جس سے ان کی مقبولیت کم ہو۔ چاہے وہ ملک کی معیشت کے لیے کتنا ہی ضروری کیوں نہ ہو۔ بجلی کی چوری روکنے۔ اسمگلنگ کی روک تھام۔ سرکاری ملکیت میں چلنے والے قومی اداروں کی کارکردگی بہتر کرنے اوران کی نجکاری تیز کرنے جیسے اہم کام کرنے میں کسی بھی سیاسی جماعت کی دلچسپی اس لیے نہیں ہوتی چونکہ ایسا کرنے سے ان کا ووٹ بینک خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ بدقسمتی سے تقریباً تمام سیاست دان جب اقتدار سے باہر ہوں تو اپنی تمام صلاحیتیں برسراقتدار حکومت کو جلد از جلد گرانے اور اقتدار حاصل کرنے میں صَرف کردیتے ہیں اور جب وہ خود اقتدار میں آتے ہیں تو تمام ایسے کام کرتے ہیں جن سے ان کا ووٹ بینک بڑھے۔ تاکہ وہ زیادہ سے زیادہ عرصہ اقتدار میں رہ سکیں۔ چاہے ایسا کرنے سے ملکی معیشت خراب سے خراب تر ہوجائے۔ ملک میں یہ بحث بھی ہوتی رہی ہے کہ موجودہ مغربی پارلیمانی نظام حکومت ناکام ہوچکا ہے۔ اس لیے صدارتی نظام حکومت اپنانا چاہیئے۔ صدر پرویز مشرف کے

مزید تجربات کی بجائے فلاحی اسلامی نظام حکومت قائم کیا جائے

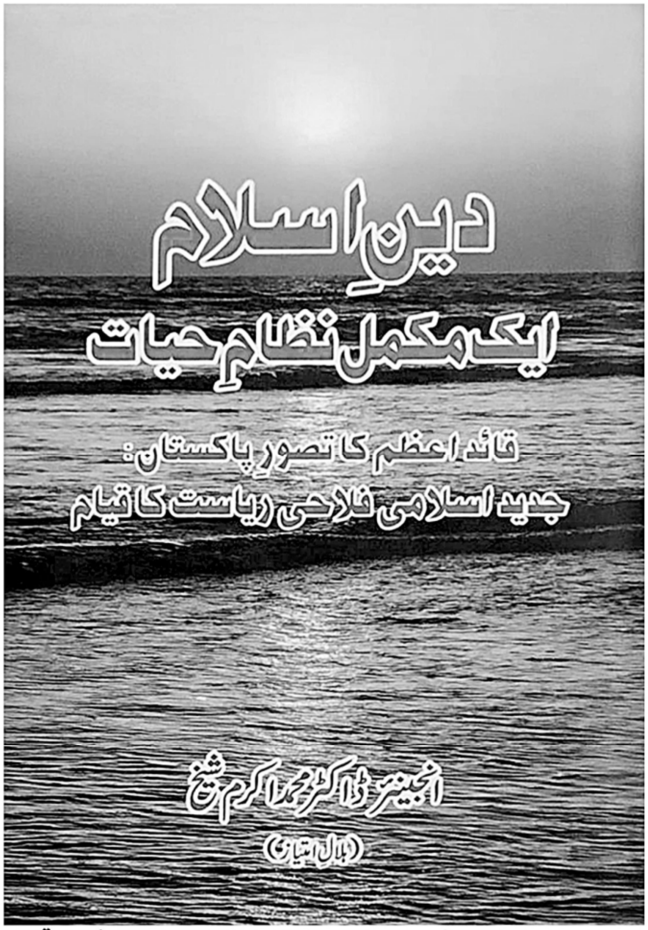

ڈور میں اس پر سنجیدگی سے غور کیا گیا۔لیکن تمام سیاست دانوں نے اس کی کھلی مخالفت کی کیونکہ موجودہ نظام حکومت میں ہی ان کو

اعلیٰ درجے کی مشاورتی کونسل کی تشکیل

بدعنوانی کرنے کے زیادہ مواقع میسر آتے ہیں۔

پاکستان میں صدارتی نظام۔مارشل لاء اور پارلیمانی نظام حکومت آزمایا جاچکا ہے۔لیکن کوئی بھی نظام کامیاب نہیں ہوسکا۔اس کی بےشمار وجوہات ہیں۔کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ پاکستان بنانے کا مقصد ایک اسلامی فلاحی مملکت کا قیام تھا؟ لیکن بدقسمتی سے تمام حکومتوں نے قومی مفاد کے مقابلے میں ذاتی مفاد کو ترجیح دی۔دین اسلام کے اصولوں سے روگردانی کی دین اسلام کو مذہبی رہنماؤں نے مذہبی رسومات تک محدود کردیا۔ملت اسلامیہ کو متحد کرنے کی بجائے تفرقہ بازی کے ذریعے منافرت پھیلائی۔کچھ دینی مدارس نے خودکش دہشت گردوں کی پشت پناہی کی۔سیاسی حکمرانوں نے ایسے معاشی فیصلے کیے جن سے صرف اشرافیہ کو فائدہ ہوا۔امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا چلا گیا۔ان کی پالیسیوں کے تسلسل سے آج ملک میں غریب کا جینا محال کردیا ہے لوگ بھوک سے تنگ آکر خودکشیاں کررہے ہیں۔

گلوبل تھنک ٹینک نیٹ ورک Global Think Tank Network کے بانی چیئرمین۔سابق وفاقی وزیر اور ڈپٹی چیئرمین پلاننگ کمیشن انجینئر ڈاکٹر محمد اکرم شیخ (ہلال امتیاز) نے اپنی کتاب ''دین اسلام ایک مکمل نظام حیات'' میں پاکستان کے جملہ مسائل کا تفصیل سے احاطہ کرنے کے بعد بہترین اور قابل عمل تجاویز پیش کی ہیں۔اور واضح طور پر کہا گیا ہے کہ اب تک پاکستان میں آزمائے گئے تمام نظام حکومت ناکام ہوگئے ہیں اور وقت آ گیا ہے کہ اب مزید تجربات کرنے کی بجائے پاکستان میں فلاحی اسلامی نظام حکومت قائم کیا جائے۔جس کا تصور اس کے بانی نے پیش کیا تھا۔قائد اعظم پاکستان کا نظام قرآن اور سنت کے مطابق چاہتے تھے۔لیکن ان کے انتقال کی وجہ سے حکمرانوں کو من مانی کرنے کی کھلی چھٹی مل گئی۔اور جاگیرداری نظام بچانے کے لیے اشرافیہ برطانوی پارلیمانی نظام نافذ کرنے کے لیے متحد ہوگئی اور جن برطانوی نظام حکومت اور قوانین سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے پاکستان بنایا گیا تھا وہی قوانین ملک میں رائج کردیے گئے۔اس طرح قیام پاکستان کا مقصد حاصل نہ ہوسکا۔

GTTN
GLOBAL THINK TANK NETWORK

یکم جولائی 1948 کو قائد اعظم نے اسٹیٹ بینک کی افتتاحی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ پاکستان کے نظام حکومت۔آئین اور قوانین کو درست کرنا ہوگا۔پرانے برطانوی نو آبادیاتی نظام حکومت کو قائم رکھنا بہت بڑا ظلم ہوگا۔کیونکہ یہ صرف بدعنوان اور بے ایمان اشرافیہ کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور اسلام کے بنیادی اصولوں سے مطابقت بھی نہیں رکھتا۔ڈاکٹر اکرم شیخ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ پاکستان کا نظام۔آئین اور قوانین مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اس کی پسند ناپسند کو مدنظر رکھ کر بنانا چاہئیں۔ریاست اور حکومت کے فرق کو سمجھنا چاہیے۔ریاست سے وفاداری ناگزیر ہے۔اس لیے سیاسی حکومتوں کو اس بات کی اجازت نہیں دینی چاہیے کہ وہ ریاست کی بنیادی اساس کو کمزور کرنے کے لیے آئین میں کسی قسم کی ترمیم کرنے کی جسارت کریں۔

صدر پاکستان کا عہدہ محض رسمی نہیں ہونا چاہیے

سربراہ مملکت کو امور مملکت کا ماہر ہونا چاہیے۔اس کو ملکی کلیدی عہدوں پر قابلیت کی بنیاد پر تعیناتی کا اختیار حاصل ہو۔

انہوں نے اپنی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ اعلیٰ درجہ کی مشاورتی کونسل تشکیل دی جائے۔جو 25یا30 ارکان پر مشتمل ہو۔اس میں خواتین کو بھی نمائندگی حاصل ہو۔اس کونسل کے ارکان کا معیار انتخاب مندرجہ ذیل صلاحیت رکھنے والوں میں سے ہو۔وہ:

1۔صادق اور امین ہوں اور ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دیتے ہو۔

وزیر اعظم پوری آبادی کا براہِ راست منتخب نمائندہ ہو

2۔تعلیم یافتہ۔تجربہ کار محبِّ وطن پاکستانی ہوں اور پاکستان کو جدید فلاحی مملکت بنانے کے لیے پُرعزم ہوں۔

3۔اہل علم و دانش۔اہل بصیرت اور بین الاقوامی حالات پر گہری نظر رکھتے ہوں۔

4۔سچے اور پکے مسلمان ہوں۔فرقہ واریت پر یقین نہ رکھتے ہوں اور مسلمان قوم کو اسلامی اصولوں کے مطابق متحد اور یکجا رکھنے کے لیے کوشش کرنے کے لیے تیار ہوں۔

ڈاکٹر اکرم شیخ کا کہنا ہے کہ سربراہ مملکت کی حیثیت سے صدر پاکستان کا عہدہ محض رسمی نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس عہدے کی اہمیت کے پیش نظر اسے بہت بااختیار ہونا چاہیے جو ریاست کی مستقل حیثیت اور آئین کے بنیادی اسلامی کردار کا مکمل تحفظ کرسکے۔اور طویل مدتی منصوبوں کو تسلسل فراہم کرے۔

اہم ریاستی اداروں کی سرپرستی بھی صدر مملکت کی ذمہ داری ہونی چاہیے۔تاکہ ان کو سیاسی اکھاڑہ بننے سے بچایا جاسکے۔اس وقت پاکستان کے اہم ادارے اور اعلیٰ افسران نہ صرف سیاست سے محفوظ نہیں بلکہ اس وجہ سے بے حد ناکارہ ہوچکے ہیں۔سرکاری افسران اس وقت آئین، قانون اور عوام کا خیال کرنے کی بجائے حکومتی پارٹی اور حکومتی سربراہ کے ذاتی ملازم کر کردار ادا کر کے منفعت حاصل کررہے ہیں۔

اس وقت وزیر اعظم کا چناؤ قومی اسمبلی کرتی ہے۔جو قومی اسمبلی کے نمائندوں کو اہم اختیار دیتا ہے جو وہ بالعموم پیسے اور اقتدار کی لالچ میں استعمال کرتے ہیں۔سارا نظام ہی پٹڑی سے اترا ہوا ہے۔کیونکہ سارے انتظامی اختیارات وزیر اعظم کے ہیں تو اس لیے ضروری ہے کہ وہ پوری آبادی کا براہ راست منتخب نمائندہ ہو۔

پاکستان میں ایک بحث نظام حکومت۔یعنی صدارتی اور پارلیمنٹری کے بارے میں ہوتی رہی ہے جو غیر ضروری ہے۔بحث کا موضوع ہونا چاہیے کہ کس قسم کا نظام ہمارے مسائل کو حل کرسکتا ہے۔ہمیں یہ نظام اپنے ملک کے مفاد کے مطابق ڈھالنا چاہیے۔ہمیں فرانس۔جرمنی۔امریکہ۔چین۔جاپان۔ایران اور ترکی کے نظاموں کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے اور ان کے اچھے نکات کو اپنے حالات کے مطابق نظام میں سمو کر صحیح معنوں میں ایک ایسا نظام بنانا چاہیے جو پاکستان کو جدید اسلامی فلاحی ریاست بنا سکے اور پاکستان اقوام عالم میں اپنا صحیح مقام حاصل کرسکے۔

ڈاکٹر اکرم شیخ کی تجاویز پر مقتدر حلقوں۔دانشوروں اور سیاست دانوں کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔تاکہ آئینی اصلاحات کے ذریعے ان پر عمل درآمد ہوسکے۔ ۞

"الخدمت صرف پاکستان میں ہی نہیں دنیا بھر میں بے سہاروں کا سہارا بن رہی ہے۔ غزہ میں اسرائیل نے جو قیامتیں ڈھائی ہیں۔ امن کے علمبردار سب خاموش ہیں۔ اسرائیل فلسطینیوں کی نسل مٹانے کی کوششوں میں ہے۔ ہماری درخواست پر الخدمت کے میڈیا سربراہ شعیب ہاشمی غزہ میں الخدمت کی خدمات پر ایک مختصر رپورٹ نذر قارئین کررہے ہیں۔ پڑھئے اور اپنی رائے سے آگاہ کیجئے۔"

غزہ میں زخم زخم خاندانوں کے غم خوار۔الخذمت کے رضا کار

تحریر: شعیب ہاشمی

زخم تلاش میں ہے نہاں مرہم دلیل
تو اپنا دل نہ ہار محبت بحال رکھ

تصاویر میں موجود یہ الخذمت کے لوگو اور پاکستان کے جھنڈے کی

فلسطین میں گھر۔اسکول۔اسپتال۔ مسجد۔گرجا کوئی محفوظ نہیں

شرٹس پہنے نوجوان الخذمت فاؤنڈیشن کے رضا کار ہیں، جو غزہ میں اسرائیلی جارحیت کے نتیجے میں بے گھر خاندانوں تک امداد پہنچا رہے ہیں۔

مجھے 2005 ء کے زلزلے سے اب تک پاکستان میں آنے والی مختلف ناگہانی آفات میں کام کرنے کا موقع ملا۔ ہمارے ملک میں جب بھی کوئی آفت آتی، بین الاقوامی ریلیف ایجنسیز یہاں پہنچ کر امدادی سرگرمیوں میں حصہ لیتیں۔ یو ایس اے، یو کے، آسٹریلیا، یورپی یونین، ترکی، ملائشیا کے جھنڈے والی شرٹیں پہنے رضا کاروں کو جب امدادی سامان تقسیم کرتے دیکھتا تو بے چارگی کے عالم میں یہ خیال ضرور آتا کہ ہمیشہ دوسری قوموں ہی ہماری مدد کو آتی ہیں، ہم کب کسی کی مدد کو جائیں گے۔

الحمدللہ گزشتہ چند سالوں میں یہ ممکن ہوا ہے۔ الخذمت فاؤنڈیشن کی مینجمنٹ، رضا کاروں اور ڈونرز نے یہ کر دکھایا۔ جاپان اور سری لنکا کے سونامی متاثرین ہوں، نیپال اور ترکی کے زلزلہ متاثرین ہوں یا شام اور روہنگیا کے مہاجرین۔ الخذمت فاؤنڈیشن متاثرین کی مدد کیلیے ان ممالک پہنچی اور اپنے ساتھ پاکستان کو بھی لے کر گئی۔ الخذمت کے لوگو اور پاکستان کے جھنڈے والی شرٹس پہنے رضا کار جب وہاں کے حکومتی نمائندوں، عام افراد اور رفاہی اداروں سے ملتے ہیں تو اُن کی آنکھوں اور زبانوں سے جاری تشکر کے حقدار الخذمت سے پہلے پاکستان اور پاکستانی عوام ہوتی ہے۔

جب سے غزہ میں بمباری اور جنگ کا آغاز ہوا ہے، دنیا بھر میں ہر حساس دل رکھنے والا فرد تکلیف میں ہے۔ روزانہ ٹی وی چینلز اور سوشل میڈیا پر آنے والی ویڈیوز اور تصاویر سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ متاثرین کس حال میں جینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ گھر، سکول، ہسپتال اور مساجد، چرچ تک کوئی جگہ بھی محفوظ نہیں۔ پناہ

این ڈی ایم اے اور پاک فضائیہ کی مدد سے کئی سوٹن امدادی سامان بھجوایا گیا

گزین 4 ماہ سے ایک ایک کرب سے گزر رہے ہیں۔ اپنوں کے بچھڑنے کا دکھ، گھربات لٹنے کا دکھ۔۔لیکن پرعزم ہیں۔

الخذمت ایک رفاہی ادارہ ہے جو اپنی بساط کے مطابق انسانی بنیادوں پر مدد کی کوشش کرتا ہے۔ غزہ کی حالیہ صورتحال کو دیکھتے ہوئے الخذمت فاؤنڈیشن نے مدد کی اپیل کی اور اہل پاکستان نے دل کھول

الخذمت نے غزہ میں موجود فلسطینی اور ترک رفاہی اداروں کا تعاون حاصل کیا

کر غزہ کے بہن بھائیوں تک مدد فراہم کی۔ شروع میں صورتحال کے پیش نظر مختلف سوال اٹھائے گئے کہ الخذمت غزہ کیسے جائے گی، مدد کیسے کرے گی، پیسے کیسے ٹرانسفر کرے گی وغیرہ۔ لیکن سچی بات ہے نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ جو کام کیا جائے، اُس کے ثمرات ملتے ہیں۔ الخذمت کی مینجمنٹ، کارکنان اور رضا کاروں کی دعائیں اور محنتیں رنگ لائیں الخذمت نے مختلف جہتوں میں اہل غزہ کے لیے مدد کی فراہمی کا سلسلہ شروع کیا۔

غزہ کے اندر سے امدادی سرگرمیاں:

غزہ میں صورتحال خراب ہونے کے فوراً بعد غزہ میں پانی، خوراک اور طبی امداد کی اشد ضرورت محسوس ہوئی، جس کے پیش نظر الخذمت فاؤنڈیشن نے غزہ میں موجود فلسطینی اور ترک اداروں کے تعاون سے وہاں ہسپتالوں میں زیر علاج مریضوں اور سکولوں میں قائم

کیمپوں میں پکے پکائے کھانے کی تقسیم کا کام شروع کیا، آبادیوں میں خشک راشن اور ابتدائی طور پر ہسپتالوں کو ادویات کی فراہمی کا آغاز کیا۔ اِسی طرح بدلتے موسم کے پیش نظر موسمی اثرات سے بچانے کے لیے ونٹر پیکج کی تقسیم کیا۔ غزہ میں کاموں کو مزید موثر بنانے کے لیے الخدمت فاؤنڈیشن نے غزہ میں موجود ترک اور فلسطینی رفاہی اداروں سے معاہدے کیے اور 11 مختلف ترک اور

رمضان کے لیے 15 ہزار راشن پیکج۔ 3 ایمبولینس اور ایک ہیلتھ یونٹ بھی

فلسطینی رفاہی اداروں کے ذریعے اب تک 50 کروڑ روپے خرچ کیے جاچکے ہیں۔

پاکستان سے امدادی سامان کی ترسیل:

غزہ میں متاثرین میں امدادی سامان کی فراہمی کے ساتھ الخدمت فاؤنڈیشن نے پاکستان سے این ڈی ایم اے اور پاک فضائیہ کی مدد سے ایئر کارگو کے ذریعے امدادی سامان بھجوانے کا سلسلہ شروع کیا اور اب 6 مختلف کھیپوں کے ذریعے ادویات، تیار کھانا، خیمے، ترپال، بے بی کٹس، ہائی جین کٹس اور ونٹر پیکج بھجوائے جاچکے ہیں۔ جبکہ سمندر کے رستے حال میں بھجوائی گئی ساتویں کھیپ میں مزید 400 ٹن امدادی سامان بھجوایا گیا ہے۔

قاہرہ میں موجود کیمپ آفس سے سرگرمیاں:

امدادی سرگرمیوں کو تیز اور موثر بنانے کے لیے الخدمت نے قاہرہ میں کیمپ آفس قائم کردیا ہے۔ جہاں سے الخدمت فاؤنڈیشن کے صدر ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن نے غزہ کے لیے 17 ٹرک پر مشتمل 250 ٹن فوڈ پیکج بھجوایا، جو 10 ہزار خاندانوں کے لیے 1 ماہ کے لیے کافی ہوگا۔ جبکہ رمضان کے لیے 15 ہزار مزید فوڈ پیکجز سمیت غزہ کیلیے 20 ایمبولینس میں سے 3 ایمبولینس اور 1 ہیلتھ یونٹ بھجوانے کی تیاریاں مکمل ہیں۔

پاکستان میں زیر تعلیم فلسطینی طلبہ کی معاونت:

فلسطین میں جاری جنگ کے باعث پاکستان میں زیر تعلیم فلسطینی طلبہ کے مسائل میں بھی اضافہ ہوا۔ الخدمت فاؤنڈیشن نے اِسی ضرورت کے پیش نظر ایسے تمام فلسطینی طلبہ کی معاونت کا فیصلہ کیا اور رجسٹریشن کا آغاز کیا۔ جس میں تعلیمی اداروں کی فیس، ہاسٹل اور میس سمیت دیگر اخراجات کی مد میں وظائف کا اجراء شروع ہوگیا ہے۔

الخدمت، پاکستان اور پاکستان سے باہر خدمت خلق کا انتہائی قابل اعتماد ادارہ ہے۔ لہٰذا ڈونرز کی جانب سے عطیہ کی گئی رقوم کو جلد از جلد حقدار تک پہنچانا الخدمت پر ایک بھاری ذمہ داری ہے اور الخدمت نا صرف اس ذمہ داری کو بخوبی سمجھتی ہے بلکہ اسے پورا کرنے میں پورے اخلاص کے ساتھ کوشاں بھی ہے۔ الخدمت کے دفتر میں سینکڑوں رضاکار غزہ بھجوائے گئے سامان کی پیکنگ میں مصروف

پاکستان میں زیر تعلیم فلسطینی طلبہ کے مسائل بھی حل کیے گئے

رہے۔ درد کی ہزاروں کہانیاں ہیں۔ الخدمت فاؤنڈیشن اپنے حصے کی شمع جلاتے ہوئے درد دل رکھنے والے پاکستانیوں کی مدد سے مصیبت زدہ فلسطینی بہن بھائیوں کے زخموں پر مرہم رکھنے میں کوشاں ہے۔ اِس کار خیر کو احباب سے شئیر کیجئے تاکہ انہیں بھی معلوم ہو کہ مصیبت کی اِس گھڑی میں فلسطینی بہن بھائی اکیلے نہیں بلکہ الخدمت فاؤنڈیشن اور اہل پاکستان اُس کے ساتھ موجود ہیں۔ اللہ ہمیں آزمائشوں سے محفوظ رکھے اور اس دنیا کو جلد از جلد امن کا گہوارہ بنائے۔ آمین ثم آمین۔

خوشبیر سنگھ شاد کو پنجاب اُردو اکیڈمی سے2023-2024 کے لیے کنور مہندر سنگھ بیدی ایوارڈ برائے شاعری سے سرفراز کیا ہے۔ انہیں بہت مبارکباد۔ بھارت پاکستان آسٹریلیا اور اُردو کی دوسری بستیوں کے مقبول شاعر ہیں۔ ان کے کئی مجموعے آچکے ہیں۔ کراچی میں ان کی شاعری کے دلدادگان کی بڑی تعداد موجود ہے۔ شمس الرحمن فاروقی ۔ امجد اسلام امجد۔ ڈاکٹر قاسم پیرزادہ اور اکثر مشاہیر ادب ان کی غزل کے مداح ہیں۔ قارئینِ 'اطراف' کی آگاہی کے لیے یہ تحریر ان کی نذر کی جارہی ہے۔ اپنی رائے سے آگاہ کریں۔

خوشبیر سنگھ شاد۔ درد کے موسموں کا شاعر

لکھنوی تہذیب سے شروع ہوتا سفر اُردو کی ہر بستی میں اپنا مقام بنادے گا

خوشبیر سنگھ شادلمحہ موجود کا شاعر ہے۔اس لمحہ موجود میں درد کے موسم بھی ہیں۔ اپنے پیکر سے بچھڑی ہوئی پر چھائیوں کے غم بھی ہیں اور کہیں کہیں خواہشوں کے شور میں ڈوبی گوشہ نشینی کے چاک پر بنتی بگڑتی دنیا کے تماشے بھی روز نئی حیرت کے ساتھ وحشت کا سامان پیدا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔شاعری کا یہ سفرلکھنوی تہذیب سے آغاز ہوتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے جہاں جہاں بھی اُردو کی تفہیم اپنی الگ تقویم بناتی ہے۔الفاظ کے پیکر بھی ڈھلتی ہوئی دل کی گھٹن نسیم صبح میں تبدیل ہوکر دل ودماغ کومعطر کرتی جاتی ہیں۔

اگر دل کی گھٹن الفاظ کے پیکر میں ڈھل جاتی
مرا کچھ درد کم ہوتا، تمہیں اشعار مل جاتے

جب جب بھی یہ اشعار اپنے قاری سے ہمکلام ہوتے ہیں۔ اڑتے ہوئے بادلوں اور اپنی ہی موج میں ڈوبے ہوئے شفاف پانیوں سے ابھرتے ہوئے احساس کا سفر بن جاتے ہیں۔ خاموشی باتیں کرنے لگتی ہیں۔ آوازیں اظہار میں حائل ہوسکتی ہیں۔خودی اور بے خودی یکجائی کا اعلان کرتی ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سمندر پہ بیٹھ کر ہم اپنے اندر گم ہونے لگتے ہیں۔

خوشبیر۔ مشاعرے اور کتاب دونوں میں کامیاب۔
امجد اسلام امجد

خوشبیر کی شاعری روح کے درد اور لے سے عاری نغمہ نہیں، بچھڑے ہوئے خوابوں کی وصیت ہے۔ جو ہمیں مسلسل خواب دیکھنے پر مامور کیے دیتی ہے۔ ایسے خواب غزل کی تہذیب میں جس کسی کے چشم گیر ہوئے۔ میر و غالب کی نسبت سے تعبیر ہوئے۔خوشبیر سنگھ شاد بھی اسی شعری روایت کا امین ہے

تم نے بھی راہ ورسم نبھائی ہے کس طرح
جو در نہ بن سکا اسے دیوار کر دیا

یہ راہ و رسم سخن بھی عجب ہے کہ در سے دیوار بن جانے والی چھتنار بھی اسے ہی سایہ دیتی ہے جو گوچۂ محبوب کی خاک چھاننے کا ہُنر جانتا۔قیس وفرہاد کو اپنا پیر و مرشد مانتا ہے اور جہاں شناسی کا دعویٰ نہیں کرتا، صرف اپنے آپ کو پہچانتا ہے۔ یہی خودشناسی جب خوشبیر کی غزلوں میں ظہور پاتی ہیں تو ندرتِ ذات کی مکمل تصویر بن جاتی ہے۔

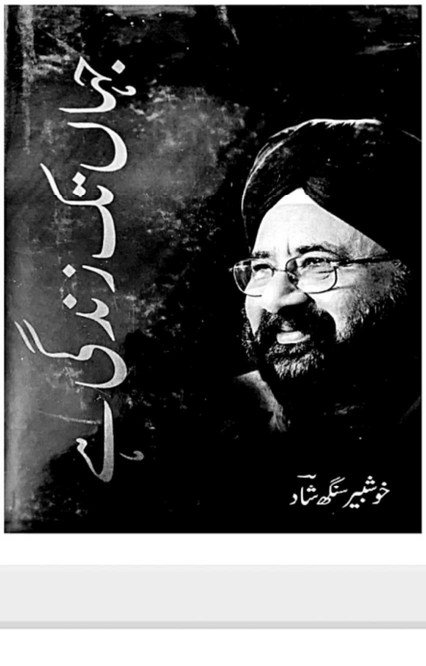

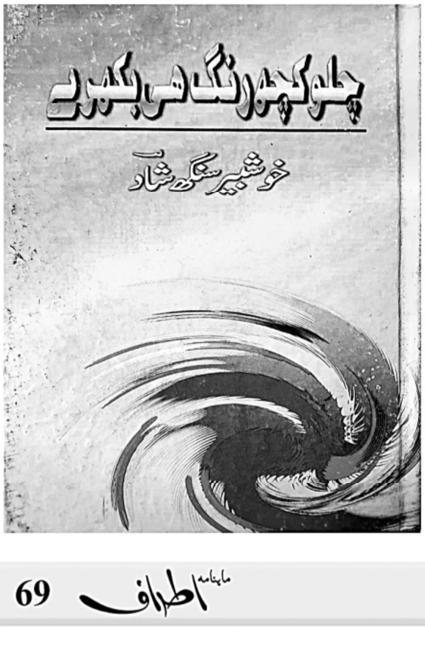

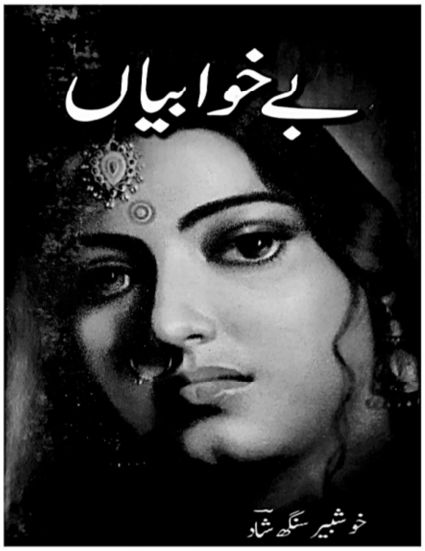

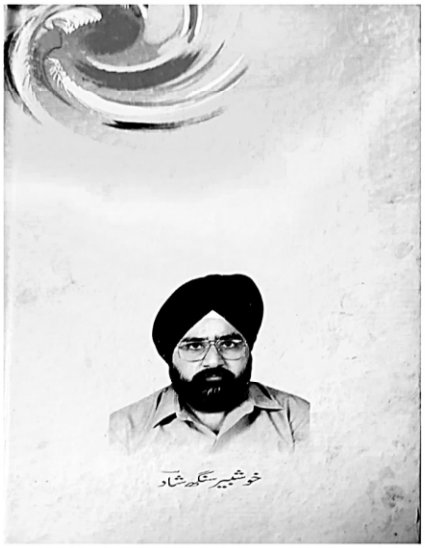

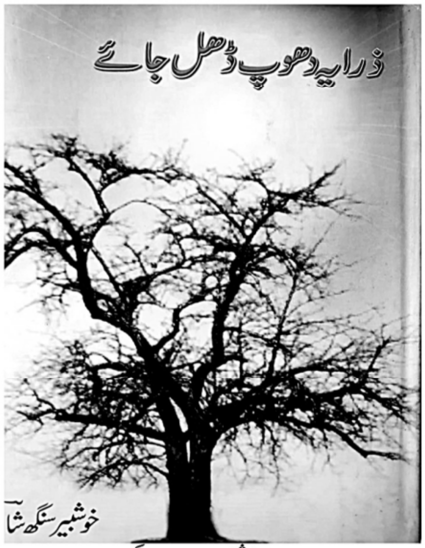

میری شاخوں سے لپٹ کر آسماں تک چھولیا
اور اب بیلیں یہ کہتی ہیں شجر نے کیا دیا

شجر اور پیکر، آئینہ اور حیرت، خواب اور وحشت خوشبیر کی شاعری کے بنیادی استعارے ہی نہیں۔ اس کا طرز بود و باش living Style بھی ہیں۔ سچی شاعری کی کرنیں ہمیشہ شاعر کے باطنی آشوب سے پھوٹا کرتی ہیں جو اسے ذاتی تجربات اور عصری مشاہدات کی بھٹی سے گزار کر کندن بنا دیتا ہے۔ ان کی غزلوں کی چمک دمک بتاتی ہے کہ جوہرِ خام کی

وہ غزل کی شاعری کے نکات اور لوازم کو بھی سمجھتے ہیں۔
شمس الرحمن فاروقی

کندن بننے کا تکمیل ہوا چاہتا ہے۔

مستقل کون بلندی پہ ٹھہر سکتا ہے
آسمانوں میں پرندے بھی کہاں ٹھہرے ہیں

یہی وہ مقام ہے جہاں شاعرانہ تعلّی کی بجائے شاعرانہ حقیقت پسندی آج کی غزل کا حسن قرار پاتی ہے۔ خوشبیر سنگھ شاد زندگی کی ان حقیقتوں کا شاعر ہے جن سے ہم اپنے روز مرے میں ہمکلام بھی ہوتے ہیں۔ ہم آغوش بھی ہوتے ہیں۔ نظریں ملانے کی کوشش بھی کرتے یں اور نظریں چُرا کر اکثر اوقات گزر بھی جاتے ہیں۔ لیکن خوشبیر نے کسی حقیقت سے صرفِ نظر نہیں کیا۔ جو کچھ دیکھتا ہے محسوس کرتا ہے اور سوچتا ہے۔ اسے الفاظ کے پیکر میں ڈھالنے کی فکر میں ہوتا ہے۔ آج کی غزل اور آج کی تقریب کا مومنِ مبتلا خوشبیر سنگھ شاد ہے۔ آیئے سب مل کر اسے داد اور مبارکباد کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔

اسے ہمت سمجھ لو یا ہماری بے بسی کہہ لو
گزر کر روز ہی اب کوچۂ قاتل سے جاتے ہیں

شاعروں کے ہجوم اور مشاعروں کی ہلچل میں اچانک خوشبیر سنگھ سے ملاقات ہوئی اور اس کی جاگتی ہوئی سوچتی ہوئی شاعری نے ایک عجیب خوشگوار حیرت سے دوچار کر دیا۔ اس کے اشعار کی معنویت اور اظہار کی بے ساختگی نے اسے ایک پُر اثر لہجہ عطا کر دیا ہے۔ جو اَب خوشبیر سنگھ شاد کا اپنا لہجہ بنتا جا رہا ہے۔ سہل پسندی اور روایت کی نری تقلید سے انکاری خوشبیر سنگھ نے شاید اپنے لیے مشکل راستہ چُنا مگر اس کی سنجیدہ روی اور استقلال نے اس کی راہ آسان کر دی ہے اور زندگی کے بارے میں اس کا رویہ زیادہ پُر اعتماد ہوتا چلا گیا ہے۔ شاعری اور تخلیق کاری نے ایک اچھی دانشورانہ سوچ کا چراغ خوشبیر سنگھ کے لیے روشن کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خوشبیر سنگھ شاد سوچنے کی طرح سوچتا، سمجھنے کی طرح سمجھتا اور کہنے کی طرح کہتا ہے اور اس کا پُر اعتماد لہجہ شعری اثر انگیزی کا ضامن بن جاتا ہے:

اگر ہر راستہ میرے لیے آسان ہو جاتا
دلِ آشفتہ خاطر کا بہت نقصان ہو جاتا

ایسا تو کوئی شخص ملا ہی نہ تھا کبھی
یہ کس نے اپنے آپ سے ملوا دیا مجھے

میں جب محوِ سفر بے نشاں تھی ہر منزل
میں رک گیا تو کئی راستے نظر آئے

اندھیروں میں بھٹکنا ہے پریشانی میں رہنا ہے
میں جگنو ہوں مجھے اک شب کی ویرانی میں رہنا ہے

سفینے جب تلک ساحل سے رخصت ہو نہیں جاتے
ندی ہموار رہتی ہے بھنور خاموش رہتے ہیں

یہ اشعار بے ساختہ دامن دل کھینچتے ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ کئی شعری مجموعوں میں بکھری ہوئی۔ قدم قدم پر ٹھہرنے اور کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ سچی اور اچھی تخلیق کا کمال یہی ہے کہ وہ پڑھنے والے کی بات کو اظہار طلب بنا سکے۔ معلوم سمت میں خوشبیر سنگھ کا یہ سفر بہت دور تک کا ہے اور میں بڑی آرزو سے خوشبیر سنگھ کے اس تخلیقی سفر کو کامران منزلوں سے ہم آغوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ خاص طور پر وہ منظر نامہ جس پر خوشبیر سنگھ نے کہا ہے:

کبھی تعمیر کر پایا تو پھر تم کو دکھاؤں گا
مرے خوابوں کی دنیا اک نئے انداز کی ہوگی

(پروفیسر ڈاکٹر پیرزادہ قاسم)

خوشبیر سنگھ شاد کو میں نے پہلی بار آج سے کوئی سات برس پہلے

خوشبیر سنگھ شاد۔ غزل کی نئی تہذیب

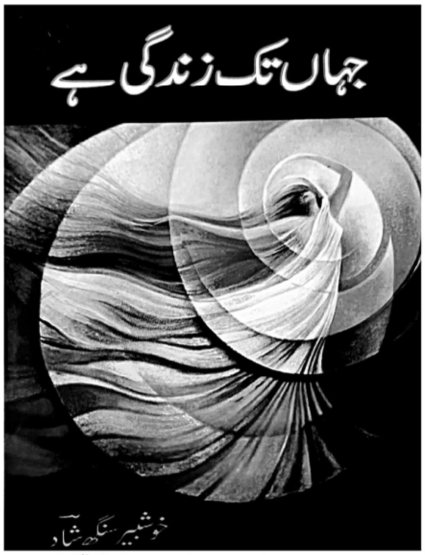

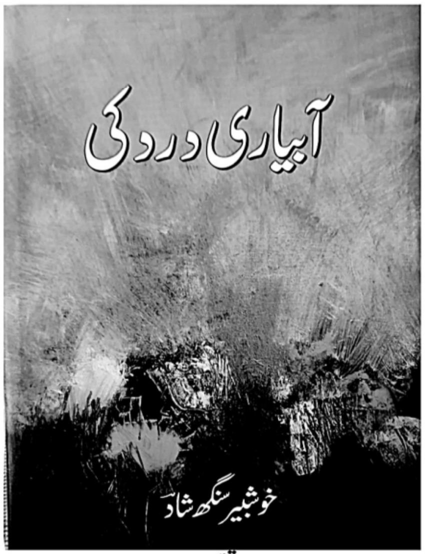

ان کی شاعری قدم قدم ٹھہرنے اور سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

ڈاکٹر قاسم پیرزادہ

ایک مشاعرے میں دیکھا اور اس کی ظاہری وضع قطع سے قطعاً اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ بہت اچھا تو کیا سرے سے شاعر بھی ہوتا لیکن اس نے اپنے مخصوص تحت اللفظ میں پہلا شعر پڑھ کر ہی نہ صرف مجمعے کو اپنی گرفت میں لے لیا بلکہ اسٹیج پر بیٹھے ہوئے سینئر اور استاد شعراء بھی اس کی طرف متوجہ ہو گئے اس نے تین غزلیں سنائیں جو ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ مشاعرے کے مقبول شاعروں کا کلام جب تحریری شکل میں پڑھا جاتا ہے تو بیشتر کی اصل اوقات کھل کر سامنے آ جاتی ہے خوشبیر بھارت کے جدید اُردو شاعروں کے اس منتخب گروہ کا ایک اہم نمائندہ ہے جو مشاعرے اور کتاب دونوں سطح پر کامیاب اور پسندیدہ ہے۔

اس کا یہ تازہ شعری مجموعہ ''بے خوابیاں'' اس کے شعری سفر کا ایک ایسا سنگِ میل ہے جسے منزل نما کہا جا سکا ہے کہ اب اس کے کلام میں تازگی کے ساتھ ساتھ وہ پختگی بھی نمایاں ہو رہی ہے جو شاعر کے بعد ہی اس کی شاعری کو زندگی رکھتی ہے وہ پرانی باتوں کے نئے پن اور نئی باتوں کے پرانے رشتوں کو سمجھنے اور برتنے کا ہُنر جانتا ہے۔

(امجد اسلام امجد)

جب میں نے خوشبیر سنگھ شاد کا نام اور کلام پہلی بار دیکھا تو بات مجھے سب سے پہلے اچھی لگی وہ ان کا تخلص ہے۔ کم ہی لوگ ایسے ہوں گے جن کا تخلص ان کے نام کے ساتھ اس قدر ہم آہنگ ہو۔ بے شک اچھے یا بہت اچھے تخلص بہت سے شعرا نے اختیار کیے ہیں لیکن ایسے تخلص کم ہیں جو شاعر کے نام کے ساتھ بالکل ہم آہنگ ہوں۔ ورنہ شاد کوئی نادر یا عجیب تخلص نہیں ہے۔ مگر ''خوشبیر'' کے ساتھ یہ مجھے بہت بھلا لگا۔ دوسری بات جو مجھے فوراً اچھی لگی وہ یہ تھی کہ اس بات کے باوجود کہ بظاہر شاعر نے محض اُردو شاعری، یا اُردو غزل کی محبت میں اُردو سیکھی تھی لیکن اس نے غزل کی شاعری کے نکات اور لوازم کو سمجھنے اور سمجھ کر برتنے کا بھی اہتمام کیا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ خوشبیر سنگھ شاد کا نام صرف چھوٹے موٹے رسالوں کے صفحات تک محدود نہیں رہے گا بلکہ چند مدت میں یہ نئی اُرو غزل کے نمایاں ناموں میں شُمار ہونے لگے گا۔ میں نے خوشبیر سنگھ شاد کا کلام ''شب خون'' میں کبھی کبھی شائع کیا اور ہمیشہ یہ دیکھ کر خوش ہوتا رہا کہ وہ مسلسل ترقی کر رہے ہیں۔ کبھی کبھی مشاعروں کی اخباری خبروں میں ان کا بھی نام دیکھ کر تھوڑی سی مایوسی ضرور ہوئی کہ تخلیقی ذہن کی چمک ماند کرنے کے لیے مشاعرے سے بہتر میدان کوئی نہیں۔ لیکن خوشبیر سنگھ شاد نے ہمیشہ مجھے یقین دہانی کی کہ مشاعروں سے ان کا تعلق برائے نام سا ہے۔ اور یہ بات سچ بھی نکلی، کیونکہ ادھر بہت دن سے میں نے کسی مشاعرے کی فہرست میں ان کا نام نہیں دیکھا۔

مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ خوشبیر سنگھ شاد نے غالب کے ساتھ اقبال کو بھی اپنے سامنے رکھا ہے اور انہوں نے اقبال کی زمینوں میں غزلیں بھی کہی ہیں۔ عموماً شعرا غزل کے نمونے کے لیے اقبال کی طرف متوجہ ہوتے۔ خوشبیر سنگھ شاد کا اقبال کی طرف جھکنا بھی مجھے اس کی سلامت طبع اور شعر گوئی کی گہری باریکیوں سے واقفیت کا ثبوت معلوم ہوا۔ غزل میں نئی بات کہنا اتنا مشکل نہیں جتنا مشکل کسی بات کے غزل کی رکھ رکھاؤ کے ساتھ کہنا ہے۔ ہر چند کہ میں تغزل، غزلیت، غنائیت، جذبے کی تازگی وغیرہ قسم کی اصطلاحوں کو بے معنی نہیں تو فضول ضرور سمجھتا ہوں' لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ غزل میں کچھ ایسی کیفیت ہوتی ہے جو اسے دوسرے اصناف سے داخلی اور معنوی اعتبار سے ممتاز کرتی ہے۔ پرانے لوگ اسے ''رنگینی'' کہتے تھے اور اس سے یہ مراد لیتے تھے کہ شعر کے سب الفاظ آپس میں مناسبت رکھتے ہوں، ہر لفظ دوسرے لفظ کی پشت پناہی کرتا ہو اور ممن ہو تو دوسرے لفظ بالفظوں کے معنی میں اضافہ بھی کرتا ہو یعنی اوقات اس کیفیت کو کلام کا ''بانمک'' ہونا بھی کہا جاتا تھا کیونکہ جب سب الفاظ کے باہم دست و گریباں ہونے کی کیفیت ہو گئی تو شعر میں ''نمکینی'' آ گئی، یعنی حسن آ گیا اور لذت آ گئی۔ ملحوظ رہے کہ ''نمکینی'' ایک طرف تو انسانی چہرے کی خوبی ہے اور دوسری طرف انسانی کھانوں کی خوبی ہے۔ لہٰذا ''بانمک'' شعر میں دونوں طرح کی صفات ہوتی تھیں، حسن بھی اور لذت بھی۔ یہ دلچسپ ہے کہ ہمارے یہاں شعر کی زبان کے لیے اکثر ''شیریں''، اور ''بامزہ'' کے بھی لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔ خلیل الرحمٰن اعظمی کہا کرتے تھے کہ نئے شعر کی زبان کا ذائقہ مختلف ہے۔

خوشبیر سنگھ شاد کا مجموعہ ''ذرا یہ دھوپ ڈھل جائے'' منظر عام پر آیا تو مجھے اطمینان ہوا کہ اس نوجوان اور نو آموز و نو آمدہ شاعر سے جو امیدیں میں نے وابستہ کی تھیں وہ غلط نہیں تھیں۔ پہلی ہی غزل میں آواز کا بانکپن، لہجے کی بے تکلفی، متضاد تجربات یا محسوسات یا صورت حالات کو بیک وقت پیش کرنے کی قدرت' استعاراتی انداز بیان، چھ شعروں کی غزل میں وہ سب کچھ نظر آتا ہے جس کی ہم جدید غزل سے توقع کرتے ہیں۔

اب خوشبیر سنگھ شاد اپنا تازہ مجموعہ سامنے لا رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ میں، اور میں ہی نہیں، جدید شعر کا ہر پڑھنے والا اس کا خیر مقدم کرے گا۔

(شمس الرحمٰن فاروقی)

❁❁❁

تذکرہ کتابوں کا

"خان ظفر افغانی ہر ماہ کی مناسبت سے کتابوں کے تذکرے کا اہتمام کرتے ہیں۔۔اس بار 'عورت نمبر' ہے اس لیے انہوں نے مصنّف خواتین کی کتابوں کو پیش نظر رکھا ہے۔'اطراف' کا 'تذکرہ کتابوں کا سلسلہ' خان ظفر افغانی کے کتابوں سے عشق کے باعث بہت پسند کیا جارہا ہے۔ پڑھئے اور اپنی رائے سے آگاہ کیجئے۔"

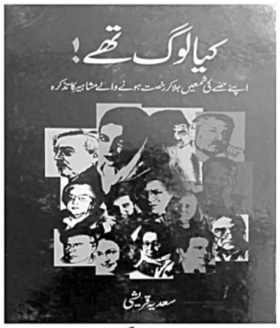

"کیا لوگ تھے!"

مشاہیر کا تذکرہ۔سعدیہ قریشی کے کالموں کا مجموعہ

☆ خان ظفر افغانی

مشہور، مقبول افراد کے سوانحی خاکے' ان کے حوالے سے یادیں، ان کے تذکرے، یہ سب بہت دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔جن سے ہم کبھی نہیں ملے، جن کے بارے میں جاننے کی خواہش، تجسس ہوتا ہے، وہ پڑھنے کو مل جائے تو بہت خوشی، اطمینان ہوتا ہے۔اسی لیے سوانح حیات نہایت مقبول صنف ہے۔

زیرتذکرہ کتاب معروف صحافی، کالم نویس سعدیہ قریشی کے ان منتخب کالموں کا مجموعہ ہے جوانہوں نے معروف افراد کے حوالے سے اخبارات میں تحریر کیے۔اور پھرانہیں ایک کتاب کی شکل میں یکجا کر کے محفوظ کردیا۔

انہوں نے اس کتاب "کیا لوگ تھے!" میں شعبوں کے لحاظ سے اپنے کالموں کو ترتیب دیا ہے۔ پہلا شعبہ "صحافت" ہے جس میں 11 افراد کے تذکروں پہ مبنی کالم ہیں۔ پھر'سیاست' کے زیرعنوان 4 افراد، پھر "قومی ہیرو" کے عنوان سے 3 "شعروادب" میں 16، اور "فن اور فنکار" کے عنوان سے 6 معروف افراد کے تذکروں پہ مشتمل کالم ہیں۔اس طرح اس کتاب میں 40 کالم ہیں۔

سعدیہ قریشی کی تحریر، ان کی کالم نگاری، اسلوب کے بارے میں افتخار عارف، ہارون الرشید، ڈاکٹر معین نظامی، عبدالستار عاصم کی آراء کتاب کی زینت ہیں۔

افتخار عارف کا کہنا ہے کہ 'سعدیہ قریشی کی تحریریں صحیح معنوں میں کالم کی تعریف پر بھی پوری اترتی ہیں اور کتاب کی صورت میں اپنے عناصر ترکیبی کے سبب بجا طور پر خالصتاً ادب کے زمرے میں بھی شمار ہوتی ہیں'۔

سعدیہ قریشی کہتی ہیں کہ "یہ کالم اپنے عہد کے نامور اور بڑے لوگوں کی وفات پر ایک صحافی کے احساسات کا عکس ہیں۔"

یوں تو یہ کتاب 168 صفحات پہ محیط ہے لیکن مختلف شعبوں کے جن معروف لوگوں کے بارے میں یہ کالم تحریر کیے گئے اس لحاظ سے یہ کئی ضخیم جلدوں سے بھاری ہے، اندازِ تحریر سادہ اور بے ساختہ ہے۔

اس کتاب کی ناشر ہے "قلم فاؤنڈیشن انٹرنیشنل" (یثرب کالونی، بینک اسٹاپ، والٹن روڈ لاہور کینٹ) اور قیمت ہے 1000 روپے۔

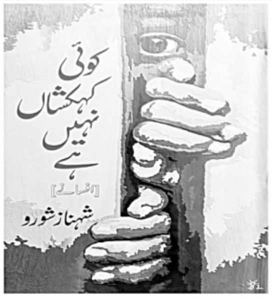

"کوئی کہکشاں نہیں ہے"

شہناز شورو کا تیسرا افسانوی مجموعہ

ادب، ترجمہ نویسی اور درس وتدریس کے حوالوں سے معروف، ڈاکٹر شہناز شورو کے تحریر کردہ افسانوں کا تیسرا مجموعہ "کوئی کہکشاں نہیں ہے" اس وقت زیر تذکرہ ہے۔شہناز شورو کے بارے میں انڈیا سے مشرف عالم ذوقی نے کیا خوب کہا کہ 'شہناز you are our pride' آپ زاہدہ حنا اور فہمیدہ ریاض، یہ تین ہمارے لیے وہ ہستیاں ہیں جن پر ہمیں ناز ہے۔ میں آپ بیتیوں کو ایک ہی صف میں رکھتا ہوں۔کوئی کسی سے کم نہیں، سب کا انداز مختلف۔کہانی بننے کی مہارت کوئی آپ سے سیکھے'۔

شہناز شورو کا پہلا افسانوی مجموعہ 1997 میں 'لوگ' لفظ اور انا' کے نام سے شائع ہوا تھا۔ 2005 میں دوسرا مجموعہ 'زوال دُکھ' کے نام سے شائع ہوا۔اور زیرتذکرہ مجموعہ 2023 میں شائع ہوا۔سندھی سے اُردو میں ترجمہ کی گئی ان کی کئی کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔وہ انگریزی زبان میں بھی لکھتی ہیں اور ان کی تین کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔

شہناز شورو نے انگریزی ادب اور پھر اُردو ادب میں ماسٹر ڈگریاں حاصل کی ہیں۔انگریزی زبان اور ٹیچنگ میں ماسٹرز کیا اور پھر پی ایچ ڈی کی سند حاصل کی۔شعبۂ درس وتدریس سے وابستہ ہیں۔

"کوئی کہکشاں نہیں ہے" 242 صفحات پہ محیط ہے۔اعلیٰ قسم کے سفید دبیز، کاغذ پہ یہ کتاب طبع کی گئی ہے اور اسے معروف ناشر 'مثال پبلشرز (رحیم سینٹر، پریس مارکیٹ، امین پور بازار۔فیصل آباد) نے شائع کیا ہے۔

قیمت ہے 1000 روپے۔

نئی دہلی (انڈیا) سے حقانی القاسمی نے تفصیل سے شہناز شورو کی تحریر کردہ کہانیوں کا جائزہ لیتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ "شہناز شورو کے افسانوں میں عورتوں کے انفرادی اور اجتماعی المیے کا

بیان ہے اوران کے افسانوں میں عورت کا وجود تہذیبوں اور مذہبوں میں بٹا ہوا نہیں ہے بلکہ عورت ایک اجتماعی وجود سے عبارت ہے۔اس لیے شہناز شورو کے افسانوں میں عورت ایک اجتماعی استعارہ ہے،جس میں خطّہ،رقبہ،رنگ ونسل کی کوئی تخصیص نہیں ہے بلکہ اس میں ہر وہ وجود شامل ہے جسے مرداساس معاشرے نے عورت کے زمرے میں رکھا ہوا ہے۔'' کتاب کے آخر میں نسیم سیّد کی رائے پیش کی گئی ہے۔

کتاب 12 افسانوں پہ مشتمل ہے۔جو سب پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ہماری یہ رائے ایک قاری کی رائے ہے کہ تبصرہ کرنا ہمارا منصب نہیں ہے۔

کتاب کی فہرست میں ساتویں نمبر پر کہانی کا عنوان درج ہے ''لکھنؤ سے آئی نظمیں''۔صفحہ 149۔لیکن اس نام سے اندرونِ صفحات کوئی کہانی نہیں۔بلکہ ''کایا پلٹ'' کے عنوان سے کہانی دی گئی ہے۔''من کی ملکہ'' کا صفحہ نمبر 168 درج کیا گیا ہے جب کہ اصل میں یہ صفحہ 158 ہے۔ہم نے اس طرف توجہ یوں دلائی ہے کہ دوسری اشاعت میں اس کی تصحیح ہو سکے۔

''دودالی''

صائمہ نفیس کے افسانوں کا مجموعہ

''میں ایک عورت ہوں۔مجھے فخر ہے کہ میں عورت ہوں۔عورت جو مجسم قربانی ہے۔جو محبت کی مورت ہے۔جو نغمہ ہے۔جو خوشبو ہے۔جو رنگ ہے۔جو راگ ہے۔جو لے ہے۔جو ترنگ ہے۔اور جو ماں ہے۔

ذہن میں پیوستہ اسی سوچ کے ثمر میں مجھے بے قرار رکھا۔میں خواہش کرتی کاش میرے پاس جادو کی چھڑی آجائے،میں اسے گھمادوں اور دنیا سے ہر غم مٹ جائے،ہر چہرے پرخوشی کا رنگ آجائے،ہر دل مسرت سے بھر جائے اور ہر کوئی شاد ہو جائے۔مگر ہزاروں خواہشیں ایسی کہ......

مجھے لوگوں کے ہنستے ہوئے چہرے کبھی نظر ہی نہیں آئے بلکہ ان کے پیچھے فکر و پریشانی میں ڈوبی صورت،پردہ کیے ہوئے ان کے احساسات،دبا کر رکھے گئے جذبات،ادھوری خواہشات،پرت در پرت ان کے غم نظر آتے ہیں اور پھر کوئی کہانی صفحۂ قرطاس پر بکھر جاتی جس کے کردار آس پاس جیتے جاتے،ہمارے اور آپ کے درمیان موجود دکھائی دیتے ہیں۔

پھر میں ٹھہر کر دیکھتی ہوں!مگر میرے دل کی بے قراری اور بڑھ جاتی ہے۔جس دن میرے دل کو چین آجائے گا اس دن میرا قلم رُک جائے گا۔اب دیکھنا یہ ہے کہ دل اور قلم کی دَوڑ میں کون پہلے رُکے گا؟''

یہ ہیں صائمہ نفیس کے خیالات جن کے تحریر کردہ افسانوں کا مجموعہ زیر تذکرہ ہے جسے ''چاک پبلشنگ ہاؤس''(چوتھی منزل،یونی سینٹر،عبداللہ ہارون روڈ،صدر۔کراچی) کے زیر اہتمام شائع کیا گیا ہے۔یہ 18 افسانوں کا مجموعہ ہے،صفحات ہیں 158 اور قیمت ہے 400 روپے۔یہ اس کی اشاعت دوم ہے۔

فرزین لہرا کا ''فرزین نامہ''

زندگی کے کھٹے میٹھے تجربات

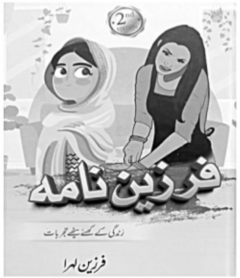

''اس وقت آپ کے ہاتھ میں 'فرزین نامہ' کا دوسرا ایڈیشن ہے اور آپ سوچ رہے ہوں گے کہ کیا خاص بات ہے اس کتاب میں؟فرزین نامہ،دراصل ایک ایسی لڑکی کی کہانی ہے جو کم عمری میں شادی کر کے سسرال آجاتی ہے اور اسے بے حد سلیقہ مند ساس ملتی ہیں۔ساس نہ صرف سلیقہ مند ہیں بلکہ انتہائی نفیس اور مذہبی خاتون ہیں جب کہ کہانی کی ہیروئن کم عمر،پھوہڑ اور ناسمجھ دکھائی گئی ہے۔

ہم ہمیشہ ہی ساس بہو کے اختلافات سے لبریز تحاریر پڑھا کرتے ہیں اور ساس کے مظالم اور بہو کے صبر کی داستانیں سنائی جاتی ہیں۔لیکن ایسا بھی تو کہیں ہوتا ہوگا نا کہ ساس خود بے چاری،بہو کے بدسلیقہ ہونے سے پریشان ہو۔''

ملاحظہ کیا آپ نے!یہ باتیں فرزین کر رہی ہیں جن کا فرزین نامہ ہمارے سامنے ہے۔معروف قلم کاروں محمود احمد مودی،حسنین جمال،ثمینہ طاہر بٹ،احمد نعمان شیخ(سعودی عرب)،ثنا شاہد(شکاگو،امریکا)،سجاد گل بیسالوی،سفیان علی فاروقی،عماد قاصر،قیصر علی(سعودی عرب)،کاوش ہراج الپوی،سیماب گل،طاہرے گونیش(انقرہ،ترکیہ) اور عبید طاہر(دوحہ،قطر) کی آراء سے سجی کتاب جس میں اکٹھی کی گئی تحریریں قاری کو گدگداتی ہیں۔ہنساتی ہیں۔یہ شوخ،شگفتہ تحریریں ہمارے روزمرّہ کی تصویریں ہیں،کہانیاں نہیں حقیقت لگتی ہیں۔

144 صفحات کی کتاب میں 26 کہانیاں ہیں۔شائع کیا ہے۔''دارالمصحف''(ہادیہ حلیمہ سینٹر،غزنی اسٹریٹ،اُردو بازار،لاہور) نے اور قیمت ہے 600 روپے۔

''اس کا نام محبت ہے''

سیّدہ صائمہ کامران کا تیسرا مجموعۂ کلام

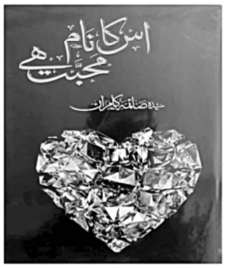

''میری زندگی اور میری شاعری جڑواں ہیں۔مجھے نہیں معلوم کہ یہ تال میل کیسے ہوا؟کیوں ہوا؟اور کب تک جاری رہے گا؟مجھے بس یہ معلوم ہے کہ کوئی ہے جو بچپن سے میرے قلم کو اذنِ آگہی دیتا آیا ہے۔میں شاعرہ بنی نہیں ہوں میری تخلیق ہی اس خاک سے ہوئی ہے۔جس کے ذرّے ذرّے میں تخیّل کی پرواز تھی۔اس پرواز نے کب مجھے شاعری کی حدود میں داخل کر دیا ہے مجھے نہیں معلوم اور نہ مجھے اس پر تحقیق کرنا ہے۔''

زیر تذکرہ کتاب میں درج بالا جملے سیّدہ صائمہ کامران کے پیش لفظ سے ہم نے نقل کیے ہیں۔غزلوں،نظموں،قطعات پہ مشتمل اس کتاب کے 320 صفحات ہیں۔حمد،نعت اور سلام حسینؓ سے کلام کا آغاز ہوا ہے۔

سفید، دبیز کاغذ پہ کیا ہے، قیمت ہے 1500 روپے۔ اس کتاب سے پہلے سیّدہ صائمہ کامران کے دو شعری مجموعے ''شہرِ خوباں سے شہرِ خواب تلک'' اور ''پانچواں موسم'' شائع ہو چکے ہیں۔

ٹورنٹو (کینیڈا) میں مقیم معروف ادبی شخصیت ڈاکٹر سیّد تقی عابدی کا کہنا ہے کہ ''صائمہ کامران ایک رومانی شاعرہ ہیں اور ان کی غزل گلزارِ عشق میں مہکتی ہے۔ نسوانی جذبے کا تیکھا پن، وہ محبت کا انداز اور لہجے کا شکوہ آمیز اُتار چڑھاؤ ہوتا ہے جس کو محاکاتی منظر کشی میں باندھنے کے لیے پختہ فن اور حساس فکر درکار رہے۔ ان کے بہت سے اشعار ایسے ہیں جو الفاظ کی زمین میں تہہ در تہہ معانی اور مطالب کے معدن کھولتے ہیں۔

زیرِ تذکرہ مجموعۂ کلام سے چند اشعار قارئینِ اطراف کے لیے منتخب کیے ہیں:

دوستو اب تو اسے ضد ہی سمجھ لو اپنی
جس نے یہ زخم لگایا وہی مرہم رکھے

بڑھتی ہی جارہی ہیں یہ اونچی حویلیاں
گاؤں کی ساری کچّی منڈیروں کی خیر ہو

کتنے طوفان چھپا لیتی ہیں پلکوں کے تلے
مانتی ہوں بڑی فنکار ہیں تیری آنکھیں

''توقیتِ میر تقی میر''

تحقیق وتالیف: ڈاکٹر ذکیہ رانی

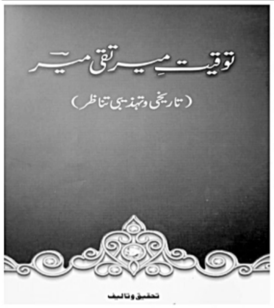

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین (جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی) کا کہنا ہے کہ ''نئی نسل میں ڈاکٹر ذکیہ رانی تحقیق و تنقید کے حوالے سے اپنی شناخت بنانے میں کامیاب ہوئی ہیں۔ ان کی بیشتر تحریروں کے علاوہ توقیت سر سیّد اور اب توقیت میر، ان کی تحقیقی بصیرت کا ثبوت ہے۔ توقیت نگاری کا چلن یوں بھی کم رہا ہے اور اب تو شاذ ہی ہے مگر ذکیہ صاحبہ نے اس خشک سوتے کو سیراب کیا ہے۔''

ذکیہ رانی، تدریس کے شعبے سے وابستہ، جامعہ کراچی کے شعبۂ اُردو میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ ان کی تحریر کردہ اور مرتب کردہ کئی کتب شائع ہو چکی ہیں۔ کئی ادبی وسماجی اداروں کی رُکن ہیں۔

زیرِ تذکرہ کتاب کے فلیپ پروفیسر ڈاکٹر وفا یزدان منیش (شعبۂ اُردو، جامعہ تہران، ایران)، پروفیسر ڈاکٹر ذوالقرنین احمد شاداب احسانی۔ سابق صدر نشین، شعبۂ اُردو جامعہ کراچی)، اور فہیم شناس کاظمی (شاعر نقاد) کے تحریر کردہ ہیں۔

144 صفحات پہ محیط اس کتاب کو معروف ناشر ''رنگِ ادب پبلی کیشنز (کتاب مارکیٹ، اُردو بازار۔ کراچی) نے شائع کیا ہے۔ قیمت ہے 800 روپے۔

''یادوں کے سَنگ''

رضیہ بیلا سیّد کے مضامین کی کتاب

''درِ دِزیست'' کے بعد ''یادوں کے سنگ'' رضیہ بیلا سیّد کی یہ دوسری کتاب ہے۔ یہ ان کے تحریر کردہ مضامین کا مجموعہ ہے۔ ساتھ ہی ان کی چار کہانیاں بھی ہیں۔ 112 صفحات کی یہ کتاب ''ہارون پبلی کیشنز'' (ایل۔74، سیکٹر 5 سی/2، بلال ٹاؤن، نارتھ کراچی) کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی ہے اور قیمت ہے 550 روپے۔

زاہد رشید کی رائے میں ''آپ کو ان مضامین میں تنوع نظر آئے گا۔ ملکی سیاسی تاریخ بھی ملے گی اور ذاتی حالات وواقعات بھی، معاشرے کے پسے ہوئے طبقات کے دُکھ درد کا ماتم بھی ہے اور ان کی مدد کی تڑپ بھی۔ ان کی زبان وبیان میں ہی نہیں بلکہ فکر میں بھی سادگی ہے۔ یہ مضامین ان کی قلبی کیفیات کے آئینہ دار ہیں۔ رضیہ بیلا کے یہ مضامین دعوتِ فکر وعمل دیتے ہیں۔ انہوں نے معاشرتی مسائل خصوصاً خواتین کے مسائل کو ان کی تمام تر تلخیوں کے ساتھ اُجاگر کیا ہے۔ جدّت کے نام پر عورت کے استحصال پر بھی وہ خون کے آنسو روتی ہیں۔''

''کہاں گمان میں تھا''

ڈاکٹر خالدہ انور کا مجموعۂ کلام

زیرِ تذکرہ مجموعۂ کلام سے چند اشعار، قارئینِ اطراف کے ذوقِ طبع کے لیے:

پڑے ہیں جھولے، ہے رم جھم پھوار کا موسم
ترے بغیر ادھورا سنگھار کا موسم

اسے میں حیرت سے تک رہی ہوں
زبان دے کر مکر گیا ہے

کوئی بھی فیصلہ مجھ سے تو ہو نہیں پاتا
ہمیشہ جاری ہی رہتا ہے مخمصے کا سفر

وہ جو مخبر ہوئے دیفوں کے
حلقۂ دوستاں میں شامل ہیں

اور شاعرہ کے بارے میں معروف شاعر افتخار عارف کی رائے سے بھی چند سطریں:

''ڈاکٹر خالدہ انور نے اپنے اطراف ہمکتی، رقص کرتی، ہنستی، مسکراتی، بَین کرتی زندگی کو اپنے شعروں میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ سو ہمیں ان کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ خلوص اور دیانت کے ساتھ اپنے تجربات و مشاہدات کو پیراہنِ شعر عطا کر کے انہوں نے ایک اچھا اور بڑا کام کیا ہے جس کا جہانِ علم وفن میں ہر سطح پر اعتراف کیا جانا چاہیئے۔''

ڈاکٹر خورشید رضوی کہتے ہیں کہ ''خالدہ انور کی نظر میں کمال ہُنر کی اساس غذائے غم ہے۔ ان کے ہاں دَورِ حاضر کی ان ظلمتوں سے آزردگی ملتی ہے جو ہر روشنی کو کھا گئی ہیں۔ ان کی مثالیں اور استعارے جاندار ہیں۔''

یہ مجموعہ کلام 176 صفحات پہ مشتمل ہے۔ اس میں دُعا، نعت اور سلام ہے۔ 71 غزلیں ہیں۔ ''بیاض'' اظہر شہید روڈ، 16 کلومیٹر ملتان روڈ، لاہور) نے سفید دبیز کاغذ پر شائع کیا ہے اور قیمت ہے 500 روپے۔ ❁

’اطراف‘ ایک بالکل مختلف اور متنوع جریدہ ہے۔ جس میں زندگی کو آسان اور محفوظ بنانے سے متعلق تحریریں شامل کی جاتی ہیں۔ ہم ممنون اور شکر گزار ہیں۔ کمانڈر نعیم یوسف نیشنل ڈی زاسٹر مینجمنٹ سابق فائر چیف بلدیہ عظمیٰ کراچی کے کہ وہ ہماری درخواست پر انتہائی اہم احتیاطی تدابیر سے آگاہ کررہے ہیں۔ پڑھئے اور اپنی رائے سے آگاہ کیجئے۔

گیس کی لوڈشیڈنگ کے دوران حادثوں سے بچاؤ

تحریر: کمانڈر نعیم یوسف

آج کل پورے ملک میں گیس کی لوڈشیڈنگ جاری ہے اور خاص طور پر سردی کا موسم شروع ہوتے ہی گیس کی کمی کو پورا کرنے کے لینے گیس لوڈشیڈنگ بڑے پیمانے پر اور طویل عرصے کے لیے کی جاتی ہے۔ گیس کی لوڈ شیڈنگ کے دوران بے احتیاطی کے نتیجے میں گھروں میں بڑے پیمانے پر جان لیوا حادثات رونما ہوتے ہیں اور آئے دن پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا پر آپ یہ خبریں دیکھتے رہتے ہیں۔ کیا آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ان جان لیوا حادثات کی کیا وجہ ہے۔ آیئے دوستو میں آپ کو اسکی وجہ اور احتیاطی تدابیر بتاتا ہوں۔

دوستو ہوتا یہ ہے کہ چولہے جلنے کے دوران یعنی کچن میں کھانا پکانے کے دوران لوڈ شیڈنگ کا وقت ہوجاتا ہے اور لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے چولہے جلنے بند ہوجاتے ہیں یعنی گیس کی فراہمی بند ہوجاتی ہے اور ہم غفلت اور لاپروائی کی وجہ سے چولہے بند کرنا بھول جاتے ہیں۔ لوڈ شیڈنگ کا وقفہ ختم ہونے کے بعد جب گیس کی فراہمی دوبارہ شروع ہو جاتی ہے تو چولہے چونکہ آف نہیں ہوتے اس لئے گیس چولہوں سے خارج ہونا شروع ہوجاتی ہے۔ کچن اور کمروں میں بھرنے لگتی ہے اور ہمیں اندازہ نہیں ہوتا کہ ہم موت سے کتنے قریب تر ہوتے چلے جارہے ہیں۔ اب جبکہ کچن اور کمروں میں گیس بھر چکی ہوتی ہے تو اس وقت ماچس کی ایک تیلی، لائٹر کا ننھا سا اسپارک، بجلی کا کوئی سوچ آن کرنا۔ موبائل فون سے کال کرنا۔ موبائل فون پر آنے والی کوئی کال اٹینڈ کرنا ایک بڑے دھماکے سے آگ لگانے کا سبب بن جاتا ہے جس کے نتیجے میں نہ صرف کچن کے بلکہ کمرے اور اس میں موجود تمام افراد کے پرخچے اڑ جاتے ہیں۔

دوستو اس خوفناک حادثے سے بچنے کے لئے بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ میں نے خود بحیثیت فائر چیف کراچی۔ حادثات کمانڈ

کاربن مونو آکسائیڈ بے رنگ اور بے بو قاتل گیس

کیے ہیں جہاں آگ لگنے کی وجہ یہی گیس لوڈشیڈنگ اور لاپرواہی کی وجہ سے ہوئی۔ بہت سے زخمی لوگوں کی مدد کی اور بہت سی مسخ شدہ لاشیں بھی نکالیں۔

آپ نے ایسے حادثات بچاؤ کے لئے یہ کرنا ہے کہ جب بھی گیس لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے گیس کے چولہے آف ہوجائیں آپ نے فوری طور پر گیس کے چولہے اور گیزر برنر سے یا والو سے آف کردینے ہیں تاکہ اچانک گیس لوڈشیڈنگ ختم ہونے کے بعد گیس کی فراہمی جاری ہونے کے بعد گیس کچن اور کمروں میں نہ بھر سکے اور اس کام کے لیے آپ کو گیس کمپنی کے جاری کردہ شیڈول سے مکمل واقفیت ہونی چاہئے اور گھر کے تمام افراد کو گیس لوڈ شیڈنگ شیڈول سے مکمل

اچانک لوڈشیڈنگ۔ چولہا بند کرنا بھول جاتے ہیں

واقفیت ہونی چاہیے تاکہ گھر کا کوئی بھی فرد یہ فاش غلطی نہ کرے۔ گیس لوڈشیڈنگ کا وقت شروع ہوتے جلنے والے چولہے، اوون اور گیزر کو فوراً ہی آف کردینے چاہئیں تاکہ جان لیوا حادثات سے بچاؤ ممکن ہوسکے۔

سردیوں کے موسم میں کیوں آگ زیادہ لگتی ہے۔ اس سے احتیاط کیسے کریں

دوستو سردی کے موسم میں یوں تو پورے ملک میں لیکن پاکستان کے شمالی علاقہ جات یا پنجاب جہاں سردی بہت زیادہ پڑتی ہے وہاں کے لوگ اپنے گھروں کو گرم رکھنے کے لیے کوئلے کی بھٹی یا انگیٹھی، آتشدان، گیس یا بجلی سے چلنے والے ہیٹرز استعمال کرتے ہیں اور ان تمام آلات کو آن پوزیشن میں رکھتے ہوئے گہری نیند سوجاتے ہیں۔ اور پھر ہمیشہ کی نیند سوجاتے ہیں۔

میرے محترم دوستو ہوتا یہ ہے کہ انگیٹھی، آتشدان یا کوئلوں کی انگیٹھی سے نکلنے والی گیس سے کاربن مونو آکسائیڈ گیس بڑی مقدار میں خارج ہوتی رہتی ہے۔ یہ بے رنگ اور بے بو قاتل گیس ہے جو آکسیجن کو ماحول سے ختم کردیتی ہے اور سونے والے افراد کے پھیپھڑوں میں داخل ہوکر آکسیجن کی سطح آہستہ

گیس لوڈشیڈنگ سے دھماکے

آہستہ ختم کر دیتی ہے اور پھر سوتے ہوئے لوگوں کو احساس تک نہیں ہوتا اور دم گھٹنے کی وجہ سے وہ موت کی وادی میں چلے

سرد اور خشک موسم میں تین انتہائی اہم احتیاطی اقدامات

جاتے ہیں۔اسی طرح گیس سے چلنے والے ہیٹر اگر گیس لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے بند ہو جاتے ہیں اور غفلت کی نیند سوئے ہوئے لوگوں کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ کب لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے چولہے بند ہوئے اور کب گیس دوبارہ سے جاری ہوئی اور گیس کمرے میں بھرنے سے آکسیجن کی سطح کم ہوگئی یا اسی صورت میں کسی نے سگریٹ جلائی، یا کوئی چولہا جلایا یا سوئچ آن کیا تو اسی وقت دھماکے سے آگ لگ سکتی ہے۔اس کے علاوہ بجلی سے چلنے والے ہیٹر بھی اگر رات بھر چلتے رہتے تو کمرے کا ٹمپریچر بتدریج بڑھنے کی وجہ سے سردی کے موسم میں اس عام درجہ حرارت پر بھی چیزیں آگ پکڑ لیتی ہیں۔جس عام درجہ حرارت پر گرمی میں چیزیں آگ نہیں پکڑتیں۔
محترم قارئین کیا آپ یہ جاننا پسند کریں گے کہ سردی کے موسم میں پورے ملک میں آگ لگنے کے واقعات میں 50 فیصد کیوں اضافہ ہو جاتا ہے۔اسکی سے بڑی وجہ سردی کے موسم میں خشک ہواؤں کا چلنا ہے۔فضا میں نمی کا تناسب کم ہو جاتا ہے موسم خشک ہو جاتا ہے اور یہ تو آپ پتہ ہی ہے کہ خشک چیزیں بہت جلد آگ پکڑ لیتی ہیں

گرمی کے موسم میں جس درجہ حرارت پر چیزیں آگ نہیں پکڑتیں سردی اور خشک موسم میں اسی کم درجہ حرارت پر چیزیں آگ پکڑ لیتی ہیں۔فائر کی اصطلاح میں Seasonal Fire Trap موسمی حرارتی دھوکہ کہتے ہیں۔تو دوستو ویسے تو ہر موسم میں ایسی تمام احتیاط ضروری ہیں جن سے آگ نہ لگے لیکن سردی اور خشک موسم میں مندرجہ ذیل احتیاط ضرور کریں۔

1) سردی کے موسم میں حرارت پیدا کرنے والی اشیا مثلاً گیس کے چولہے، کوئلوں کی انگیٹھی یا آتشدان کو اگر بہت جلد آگ پکڑنے والی اشیاء کے قریب رکھا جائے گا تو بہت جلد آگ لگنے کا خطرہ ہوتا ہے لہذا ہیٹر یا دوسری حرارت اور آگ پیدا کرنے والے آلات کو کپڑوں، پردوں اور صوفوں سے کم از کم 4 فٹ کے فاصلے پر رکھیں تا کہ وہ آگ نہ پکڑ سکیں۔

2) سونے سے پہلے ہر قسم کے چولہے، انگیٹھیاں، گیس کے ہیٹرز آتشدان وغیرہ اچھی طرح سے بند کر دیں۔

3) بجلی سے چلنے والے ایسے آلات جو حرارت پیدا کرتے ہیں سونے سے پہلے انہیں بھی بند کر دیں۔جب تک آپ جاگ رہے میں انہیں ضرورت کے مطابق استعمال کریں جب سوئے تو ایسے تمام آلات بند کر دیں۔

ہمدرد کی نرسنگ

رفیدہ ہمدرد کالج آف نرسنگ کے زیر اہتمام بیت الحکمہ آڈیٹوریم میں "نرسنگ میں کیریئر کے مواقع" کے موضوع پر منعقدہ بین الاقوامی سیمینار کے موقع پر چانسلر ہمدرد یونیورسٹی محترمہ سعدیہ راشد، وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر سید شبیب الحسن، رجسٹرار کلیم احمد غیاث، پاکستان نرسنگ کونسل کے رکن اعجاز علی کلری، رفیدہ ہمدرد کالج آف نرسنگ کی پرنسپل ڈاکٹر عالیہ ناصر، ڈاکٹر رضا الرحمن، ڈائریکٹر نرسنگ سندھ ڈاکٹر خیر النساء اور دیگر کا کالج گریجوئٹس کے ہمراہ گروپ

اطراف 9 سال پہلے

'اطراف' مارچ 2015 کی جھلکیاں۔ اپنے مستقبل کے قتل پر غم کا اظہار
ملک کے سماجی حالات پر تبصرے۔ طنز و مزاح بھی

2018	2017	2016	2015	2014
2023	2022	2021	2020	2019

مرتب: محمد عبدالمعز

اطرافیہ

ہمارا مستقبل قتل ہو رہا ہے

بن کھلے مرجھائے غنچے

(عرفان علی یوسف)

کیا ہمارے بچوں کا کوئی رکھوالا نہیں

ہم اپنے مستقبل کی حفاظت کیوں نہیں کرتے

طوفان کی آنکھ

(محمود شام کا تجزیہ)

ایوان بالا کو بالا خانہ بنا دیا گیا

سینیٹ کے قیام کا مقصد وفاق کی اکائیوں کی برابر نمائندگی اور ماہرین کی موجودگی تھی

'اطراف' ملک گیر سروے

تین بنیادی سوالات

1۔ پرائیویٹ ٹی وی چینلز کے ٹاک شوز مسائل حل کر رہے ہیں یا الجھا رہے ہیں۔

2۔ حکومت اینکر پرسنز کو جواب دہ ہے یا عوام کو۔

عوام نامہ

(احمد آفتاب)

ہمالیہ سے اونچے عزم کی حامل سیدہ نجمہ شکور

مولویوں سے لے کر ماڈرن لوگوں تک سب نے ساتھ دیا

میلوں میل چل کر سینکڑوں خواتین گروپوں کو منظم کیا

دروغ بیانیاں (حق گو)

بجلی اور پیٹرول کی قیمتوں میں 75 فی صد کمی

پنجاب میں سونا نکلنے کے بعد عوام کو ریلیف دینے کا فیصلہ

پاک کرکٹ ٹیم کے معاملات کی تحقیق کے لیے جے آئی ٹی تشکیل

لاہور میں ملک کے پہلے مرکز مسکراہٹ کا قیام

دھنک ترنگ

(سرور سکھیرا)

میری دمے کی دوا۔ میرے ہاضمے کی گولی۔ میری چلنے کی چھڑی
70 حوروں کی مجموعی محبت کے ساتھ صرف تمہارا خاوندِ اعلیٰ

خارجہ پالیسی

(شیریں رحمان)

پاکستان اور افغانستان تعلقات خطرناک موڑ پر
سوات آپریشن سے خارجہ پالیسی پر نظرِ ثانی کے راستے کھلے
پاکستان کے عوام نئے بھارت سے محتاط ہیں

قومی سلامتی

(ڈاکٹر ارم خالد)

پاکستان۔ امریکہ۔ تعلقات
عدم اعتماد کی تلوار لٹکتی رہی
امریکی پالیسی۔ اپنی مفاد پرستی کی علمبردار رہی
بھارت میں سرمایہ کاری۔ پاکستان کے ساتھ امتیازی سلوک

لاھورنامہ

(تنویر شہزاد)

پنجاب میں سونے کے ذخائر۔ ڈاکٹر ثمر کو مبارک ہوں
پنجاب کے سیکرٹری معدنیات کیا وعدہ معاف گواہ بنیں گے

محنت کشوں کے قوانین

(اطراف رپورٹ)

تنخواہیں کم۔ دیگر سہولتیں غائب
حکومت صنعتی ماحول بہتر کرنے کے لیے کچھ نہیں کر رہی
پنجاب اور سندھ نے کارخانوں کی جانچ پڑتال بند کر دی

تجزیہ

(سلمان عابد)

عام آدمی پارٹی کو پانی کا بلبلہ کہنے والے حیران
لاہور۔ کراچی۔ پنڈی میں بھی بڑی سیاسی جماعتوں کے خلاف بغاوت ہو سکتی ہے

دبئی بصیرت

(شیخ راشد المکتوم)

ترقی کیسے ہوگی۔ اگر قوانین موزوں نہیں
فضول خرچ سے تو قارون کا خزانہ بھی ختم ہو جائے گا
ہم نے عرب زمین میں فضیلت کی کاشت کی ہی نہیں

چھوٹے قصبے۔ بڑے لوگ

(رخشندہ محمود)

دنیا اچھے لوگوں سے خالی نہیں ہوئی
مہمان نوازی پر ممنونیت۔ ٹرسٹ فنڈ 15 لاکھ ڈالر
فضائی راستے بند۔ کسی قریبی ایئرپورٹ پر اتر جائیں

کاشغر سے گوادر

(سید عرفان علی یوسف)

کاشغر سے گوادر۔ منزل وہی۔ راستہ بدلا جا رہا ہے
زیادہ فاصلہ پنجاب میں۔ کچھ حصہ سندھ میں

بدنامی میں نام

(محمد عرفان ندیم)

گلوبٹ۔ ہلّوبٹ۔ آخر بٹ ہیں کون
برہمنوں میں بھٹ۔ مسلمانوں میں بٹ

امریکہ جنت نہیں ھے

(سید عرفان علی یوسف)

مسلمان امریکہ میں ریاست ہائے متحدہ کے قیام سے بہت پہلے آئے تھے
جیل کی دیواروں پر قرآن مجید کی آیات لکھنے والے کو جبراً عیسائی بنالیا گیا

فن تعمیر

(ڈاکٹر غافر شہزاد)

جنت۔ گوشۂ سکون۔ کنج راحت۔ قلعہ
آج گھر کا تصور چار دیواروں اور چھت سے کہیں زیادہ ہے
اولیائے کرام کی آمد۔ بہت سی نئی آبادیوں کا سبب بنی

معیار سے انتخاب

(فرزانہ روحی اسلم)

اب حوا کی بیٹی خاموش نہیں رہے گی
1992 کے یہ دل دہلا دینے والے واقعات 2015 میں بھی دہرائے جا رہے ہیں

کامیاب زندگی

(ڈاکٹر ٹریوس بریڈ بیری)

تناؤ اور بے چینی کا چولی دامن کا ساتھ ہے
تناؤ کا غلبہ دماغ کے لیے نئے خلیات کی تعمیر روک دیتا ہے
'کہیں ایسا نہ ہو جائے' کا خوف طاری نہ ہونے دیں

کسی مسیحا کا منتظر ضلع جھنگ

اس دھرتی نے دو نوبل انعام جیتے۔ دونوں سائنس میں
جو حصہ جھنگ سے علیحدہ کیا گیا اس نے ترقی کی
کرنل عابد حسین۔ سیدہ عابدہ حسین۔ فیصل صالح حیات بھی جھنگ کو ترقی دلانے میں ناکام رہے
زمینداروں کی بیوقوفی کا فائدہ شیخ برادری نے اٹھایا

صدیوں سے پھیلتی روشنی

دارُالعلوم نعیمیہ کلفٹن

(عبدالولی خان)

اخراجات کا بیرونی آڈیٹر سے آڈٹ کرانے والا منفرد دینی ادارہ
ساری توجہ تعلیم پر مرکوز ہے، بچوں کو جلسے جلوسوں میں جانے کے لیے دباؤ نہیں ڈالا جاتا

تن درستی

(سید عبدالباری جیلانی)

سائیکلنگ ایک معجزاتی ورزش
خون کی گردش تیز ہوتی ہے۔ سانس لینا بھی آسان
دفتروں میں بیٹھ کر کام کرنے والے درمیانے گیئر کی سائیکل استعمال کریں

ٹوٹ بٹوٹ

(حنیف سحر)

8 سے 80 سال تک کے بچے۔ دنیا میں کہاں کہاں
بچوں کے تاریخ ساز رسالے 'ٹوٹ بٹوٹ' کی یادیں

دھلی ملتان روڈ

(منیر بھٹہ جیسلمیری)

واہگہ اٹاری۔ روٹ کھل گیا
کھوکھراپار۔ منا باؤ کھل سکتا ہے
دہلی ملتان روڈ کب بحال ہوگا

موسیقی

(سید سرور ندیم)

بینجو۔ قدیم۔ کٹھن اور پیچیدہ ساز
میر پور خاص کے بلاول بیلجیم نے اسے صدیوں بعد متعارف کروایا
محمد عزیز جب بینجو بجاتے ہیں تو سننے والے بے نام کیفیات میں مبتلا ہو جاتے ہیں

نفیس صدیقی۔ سفرِ آخرت پر روانہ

”اطراف“ کے قانونی مشیر۔ ہمارے برسوں سے ہمدم۔ بائیں بازو کے کارکن۔ رہنما۔ مختلف سیاسی پارٹیوں کے سیکرٹری اطلاعات۔ ’جنگ‘ کے کالم نویس۔ نفیس صدیقی 27 جنوری 2024 کو 79 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ ’اطراف‘ کے لیے یہ گہرا صدمہ ہے۔ وہ دوستوں کے دوست تھے۔ پاکستان میں شہری آزادیوں کے لیے انہوں نے ایک طویل جدوجہد کی۔ کئی کتابوں کے مصنف۔ اپنے نظریات کا اظہار ہمیشہ بے باکی سے کرتے۔ دلائل کی مدد سے وضاحت کرتے۔ ان کی رحلت سے سیاسی اور سماجی حلقوں میں ایک خلا پیدا ہوا ہے۔ ہم یہاں فروری 2017 میں شائع ہونے والی اپنی تحریر نذر قارئین کر رہے ہیں۔ اس سے ہی یہ باور ہو سکے گا کہ کتنی اہم ہستی سے ہم محروم ہو گئے ہیں۔ ’اطراف‘ راحیل نفیس کاشف نفیس اور بنیش نفیس کے دکھ میں برابر کا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔“

وہ جو دل میں اُتر جاتے ہیں

’اطراف‘ کا یہ سلسلہ ’وہ جو دل میں اُتر جاتے ہیں‘۔ انتہائی منفرد اور مختلف ہے۔ چیف ایڈیٹر اپنے دیرینہ احباب سے اپنی رفاقت کی تجدید کرتے ہیں۔ اور زبانِ حال سے کہتے ہیں۔ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں۔ اب تک سردار یٰسین ملک۔ عبدالحسیب خان۔ سیّد خادم علی شاہ۔ خلیل نینی تال والا۔ بہرام اواری کے بارے میں تاثرات شائع ہو چکے ہیں۔ ہنوز ایک طویل فہرست باقی ہے۔

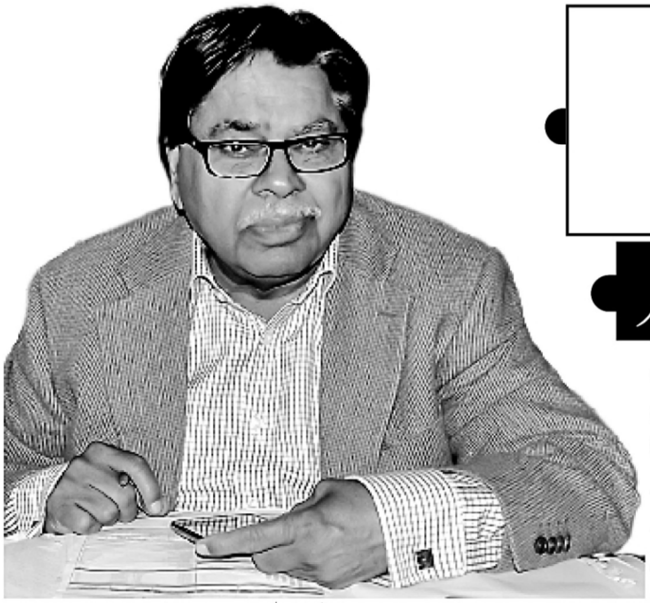

نفیس صدیقی۔ دوستوں کے دوست۔ غریبوں کے وکیل

صاحبِ مطالعہ۔ مقامی و عالمی حالات پر گہری نظر

☆محمود شام

پہلی ملاقات تو گزشتہ صدی کی چھٹی دہائی میں ہوئی تھی۔ گویا رفاقت کو نصف صدی ہو گئی ہے۔ نام ان کا ہم نے جھنگ میں کالج میں طالب علمی کے دوران سُنا تھا۔ ہم بھی جوان تھے۔ اور بغاوت پر اُترے ہوئے۔ ڈگری کورس کو 2 سال کی بجائے 3 سال کا کر دیا گیا۔ زمانہ تھا ایوب خان کا۔ پاکستان کے پہلے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا۔ پہلے پہل تو اس مارشل لاء سے پاکستانی بہت خوش ہوئے تھے کہ کمزور سیاسی حکمرانوں سے جان چھوٹی۔ ایک طاقت ور صدر سامنے آیا۔ پاکستان کی ساکھ بحال ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پاکستان سعودی عرب کی امداد کرتا تھا۔ جرمنی کو فنڈز فراہم کرتا تھا۔

ایوب خان کے اس فیصلے کے خلاف پورے پاکستان میں طلبہ سرگرم ہو گئے۔ ہم گورنمنٹ کالج جھنگ کے طلبہ و طالبات کو حرکت میں لائے۔

نفیس صدیقی کے بڑے صاحبزادے راحیل نفیس صدیقی جوان کے ساتھ وکالت کی ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں

کراچی سے فتحیاب علی خان۔ معراج محمد خان۔ آغا جعفر۔ جوہر حسین۔ خرّم مرزا۔ علی مختار رضوی۔ سیّد سعید حسن۔ حسین نقی۔ واحد بشیر۔ امیر حیدر کاظمی۔ نواز بٹ۔

یہ بارہ کراچی بدر طلبہ ایک ہیبت بن گئے تھے۔ کراچی سے نکالا گیا۔ حیدر آباد۔ سکھر۔ لائل پور۔ جھنگ۔ جہاں جاتے۔ انہیں اس شہر سے نکالنے کا حکم جاری کر دیا جاتا۔ ان میں ایک نام نفیس صدیقی کا بھی تھا۔

میں جب لاہور سے کراچی آیا۔ 1967 میں ’اخبار جہاں‘ میں ملازمت کے لیے۔ لاہور میں ’نوائے وقت‘ کا میگزین ایڈیٹر تھا۔ بلایا تھا۔ نذیر احمد ناجی نے جو ہمارے جھنگ سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ وہ اخبار جہاں کے اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ (نذیر احمد ناجی بھی 21 فروری 2024 کو انتقال کر گئے) تھے وہ مکمل ایڈیٹر۔ لیکن ایڈیٹر انچیف اور ایڈیٹر کا عہدہ مالکان اپنے پاس رکھتے ہیں۔ ورکنگ ایڈیٹرز کا

نفیس صدیقی۔ سفر آخرت پر روانہ

تجربہ صرف 'ڈان' میں چلا آرہا ہے۔ اور کہیں نہیں۔ لاہور سے چلے تو مرحوم ارشاد حسین کاظمی نے دو تین نام دیے تھے کہ ان سے رابطہ رکھیے گا۔ فتحیاب علی خان۔ معراج محمد خان۔ نفیس صدیقی۔ کاظمی صاحب خود بڑے نامور مقرر تھے۔ یہ دَور ہے کالج یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین کا۔ اس نظام نے بڑے اچھے مقرر دیے۔ جو بعد میں کامیاب پارلیمنٹیرین بنے۔ مشہور وکیل نکلے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بہت عوام دوست اصول پرست اعلیٰ افسر بنے۔ ان دنوں سیاسی جماعتوں کی ذیلی طلبہ تنظیمیں درسگاہوں میں نہیں ہوتی تھیں۔ خوب سے خوب تر کی جستجو رہتی تھی۔ آگے وہی جوان نکلتے تھے۔ جن کا مطالعہ تھا۔ جو ادب و شعر سے کچھ آشنائی رکھتے تھے۔

نفیس صدیقی سے ہماری ملاقات قیامِ کراچی کے ابتدائی دنوں میں ہی ہوئی۔ یہ ایک بین الاقوامی کمپنی سے وابستہ تھے۔ مگر جلد ہی یہ اس بندھن سے آزاد ہو کر سیاسی میدان میں کود گئے۔

پہلا رشتہ تو ظاہر ہے کہ ایک صحافی اور سیاستدان کا ہی ہوتا ہے۔ پھر ایک دوسرے کا مزاج سمجھتے ہوئے قربتیں بڑھ جاتی ہیں۔

ہمارا مزاج بھی لڑکپن سے عاشقانہ اور باغیانہ ہے۔ سو نفیس صاحب کا بھی۔ ان کے بہت سے عشقوں اور بغاوتوں کے ہم عینی شاہد ہیں۔ جیل یہ بھی جاتے رہے ہیں۔ ہم صرف دو مرتبہ سعادت حاصل کر سکے یہ رفاقت اتنی طویل ہے کہ کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ ہم تو بات ادب اور انسان دوستی تک رکھنا چاہتے ہیں۔

نفیس صدیقی نے ملازمت بھی کی۔ صحافت کی۔ ایک ہفت روزہ رسالہ 'محور' بھی نکالا۔ جسے ان کی گرفتاری کے دوران ان کی بیگم شاہدہ صدیقی بڑی باقاعدگی اور کامیابی سے چلاتی رہیں۔ ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی 'پرسم' بھی چلائی۔ مگر ان کو کامرانی اور شہرت وکالت سے نصیب ہوئی۔ کامیاب وکیل ہیں۔ بہت سی طلاقوں کو مسلّم کروایا۔ بینکوں کو قرضے واپس دلائے۔ ہم جیسے باغیوں کی قانون شکنی کو بھی عدالتوں سے منوایا۔ ان وکیلوں میں سے ہیں جو شعر و ادب سے گہرا شغف رکھتے ہیں۔ اپنے ہاں شعری نشستیں بھی منعقد کرتے ہیں۔ ادیبوں کے اعزاز میں پُرتکلّف عشائیے بھی دیتے ہیں۔

صحافیوں اور حکمرانوں کے درمیان ملاقاتوں کا اہتمام بھی کرواتے ہیں۔ روپوش لیڈروں سے بھی ملواتے ہیں۔

ایئر مارشل اصغر خان۔ خان عبدالولی خان۔ غلام مصطفی جتوئی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو۔ آصف علی زرداری۔ سب کے قریب رہے ہیں۔ سیکرٹری اطلاعات کا عہدہ بڑی محنت سے نبھاتے رہے ہیں۔ ان کے ہاں ہماری صحبتیں مخدوم امین فہیم سے رہیں۔ جو وزیر اعظم بنتے بنتے رہ گئے۔ راجہ پرویز اشرف سے رہیں جو بعد میں وزیر اعظم بن گئے۔ بیرسٹر اعتزاز احسن ان کے ہاں ایڈیٹروں اور صحافیوں سے ملتے رہے۔ آصف زرداری کے مقدمے بھی لڑتے رہے۔

ٹریڈ یونین لیڈروں۔ مزدوروں۔ صحافیوں۔ اور غریب محنت کشوں کے مقدمے بغیر کسی فیس کے لڑتے ہیں۔ جہاں ضرورت ہو مالی امداد بھی فراہم کرتے ہیں۔

ہر شعبۂ زندگی کی ممتاز شخصیتوں کو یکجا کرنا ان کا فن

کبھی کبھی حیرت ہوتی ہے کہ چار پانچ دہائیاں کیسے رفاقت چل سکتی ہے۔ کہیں کہیں خطرناک موڑ آجاتے ہیں۔ سیاسی اختلافات بھی

کاشف نفیس اپنی اہلیہ اور صاحبزادے کے ساتھ

ہوتے ہیں۔ نظریاتی مخالفتیں بھی۔

نفیس صدیقی۔ بنیادی طور پر ترقی پسند ہیں۔ لیکن سیاسی طاقتوں کے

ساری مصروفیات کے باوجود اپنی اولاد کی تربیت پر بھی توجہ دی

درمیان اتحاد اور اشتراک کے قائل۔ اس لیے ان کے ہاں ہم نے اصغر خان کو بھی دیکھا۔ جماعت اسلامی کے زعما کو بھی۔ جمعیت علمائے اسلام کو بھی۔ پاکستان پیپلز پارٹی۔ نیشنل عوامی پارٹی (نیپ) اب عوامی

شاہدہ نفیس صدیقی اور بنیش نفیس

نیشنل پارٹی۔ میر غوث بخش بزنجو اور متحدہ قومی موومنٹ (پہلے مہاجر قومی موومنٹ) کے بانی قائد جناب الطاف حسین کو بھی۔

سیاست سے ہٹ کر نامور ادیب۔ شعراء۔ اور ماہرین اقتصادیات بھی۔ اداکار، فن کار بھی۔ یہ ایک مشکل کام ہوتا ہے کہ زندگی کے سارے شعبوں کی نامور ہستیوں سے بیک وقت ایک جیسا قرب ہو۔ غیر ملکی سفارت کاران کے ہاں آنے کے لیے بے تاب رہتے ہیں۔ انہیں مختلف حلقوں اور شخصیتوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کا فن آتا ہے۔ حالات حاضرہ مقامی ہوں یا بین الاقوامی۔ ان پر گہری نظر رہتی ہے۔

ٹیکنالوجی میں جدتوں کا ساتھ دیتے ہیں۔ پیجر پاکستان میں آیا۔ تب انہوں نے اس سے ہمارا تعارف کروایا۔ موبائیل فون آئے تب بھی۔

ہمارے خواب مشترکہ رہے ہیں۔ ایک زمانے میں شوق ہوا کہ اچھی کتابیں شائع کرنے کا سلسلہ شروع کریں انشورنس کے ایک نامی گرامی اسماعیل علّو بھی ساتھ تھے۔ ان کے ہاں بھی بڑی نشستیں رہتی تھیں۔ جہاں احمد فراز بھی آتے تھے۔ 'انجمن' نام تھا ادارے کا۔ ہماری ایک کتاب نظموں اور منظوم ترجموں کا مجموعہ 'آخری رقص' وہیں سے شائع ہوئی۔ یہ 1971 کی بات ہے۔ جب ہمارا بازو مشرقی پاکستان ہم سے کٹ گیا تھا۔ ہم سب بہت ہی ملول تھے۔ ان دنوں نفیس صدیقی ناظم آباد میں رہتے تھے۔ اس گھر میں بھی بڑی پریس کانفرنسیں اور تاریخی اجتماعات ہوئے۔ ایک بار نفیس صدیقی کافی طویل قید کاٹ کر ایک دن پہلے ہی گھر آئے تھے۔ ہم ڈیفنس میں رضا ربّانی صاحب کے ہاں ڈنر پر مدعو تھے کہ اطلاع ملی واجد شمس الحسن صاحب کے عظیم والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ ہم بہت دور تھے وقت پر نہیں پہنچ سکے تھے۔ رابطہ نہیں ہو رہا تھا۔ ناظم آباد میں نیّر حسنین ایس ایس پی تھے ہم نے انہیں فون کیا کہ ایک پولیس موبائیل بھیج کر نفیس صدیقی صاحب کو قبرستان میں لے جائیں وہ تدفین میں ہم سب کی نمائندگی کر دیں گے۔ پولیس موبائیل پہنچی تو بھابھی شاہدہ صدیقی۔ نفیس صدیقی سب پریشان ہو گئے کہ پھر پولیس آ گئی۔ مگر جب انہوں نے غرض و غایت بیان کی تو وہ مطمئن ہوئے۔ بعد میں ہمارا شکریہ بھی ادا کیا کہ انہیں جناب شمس الحسن کی تدفین میں شرکت کا موقع مل گیا۔

ان سے ہماری ادب پر بھی نشستیں رہتی تھیں۔ نئی نئی کتابیں وہ بھی پڑھتے ہیں ہم بھی۔ ادب کے علاوہ بین الاقوامی سیاسی منظر نامے پر بھی طویل نشستیں ہوتی ہیں۔ جب سوویت یونین ٹوٹ رہا تھا۔ تو اس کے مابعد اثرات۔ چین اور روس کی صورتِ حال۔ بعد میں بھارت پاکستان پر کیا گزرے گی۔ نفیس صدیقی تو باقاعدہ زیر زمین ایک کمیونسٹ پارٹی سے بھی وابستہ رہے ہیں۔ جسے چین نواز کہا جا سکتا ہے۔

نفیس صدیقی صاحب کی نئی نسل اور ہماری نئی نسل کے درمیان بھی گہرے رابطے ہیں۔

خوشی ہوتی ہے۔ راحیل نفیس کو کامیاب وکیل دیکھ کر اور کاشف نفیس کو ایک اُبھرتا ہوا بزنس مین دیکھ کر۔ بنیش نفیس بھی بہت سنجیدہ اور بین الاقوامی حالات سے آگاہ۔ شاہدہ نفیس بھی کتاب دوست ہیں۔ ۞

"غریبوں۔ محنت کشوں کے حقوق کے لیے ہمیشہ آواز بلند کرنے والے۔ پاکستان کے عظیم عوامی لیڈر معراج محمد خان کے دست راست جسٹس رشید اے رضوی کے انتقال کی خبر ملک کے محروم طبقوں کو بہت دُکھ دے گئی۔ جوان عزم۔ ڈرامہ نگار حکومت سندھ کے محکمہ اطلاعات سے وابستہ حسن اصغر نقوی نے۔ صحافیوں اور میڈیا کارکنوں کے تحفظ کے لیے قائم کمیشن کے سیکرٹری کی حیثیت سے کمیشن کے چیئرمین جسٹس رشید اے رضوی کی زندگی کے آخری ایّام میں کام کیا۔ ان سے درخواست کی گئی کہ وہ اس عظیم شخصیت کے بارے میں کچھ یادیں 'اطراف' کے قارئین کی نذر کریں۔ پڑھئے اور اپنی رائے سے آگاہ کیجئے۔"

جسٹس رشید اے رضوی۔ محروم طبقوں کے لیے ہمیشہ آواز بلند کرتے رہے

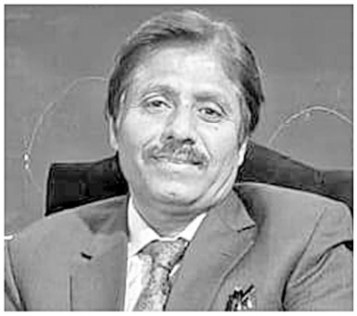

تحریر: حسن اصغر نقوی

یہ آٹھ فروری 2023 کی سہ پہر تین بجے کا وقت تھا جب مجھے سیکریٹری اطلاعات کے دفتر سے پیغام ملا کہ کمیشن کی میٹنگ میں شرکت کیلئے آجائیں۔ مجھے ابھی کمیشن کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات نہیں تھیں تاہم تعمیلِ حکم میں میٹنگ میں شریک ہوگیا۔ یہ وہ موقع تھا جب جسٹس (ریٹائرڈ) رشید اے رضوی سے پہلا بالمشافہ تعارف ہوا۔

جسٹس صاحب جب اِس اجلاس میں کمیشن فار دی پروٹیکشن آف جرنلسٹس اینڈ ادر میڈیا پریکٹیشنرز (CPJMP) سندھ کے پہلے چیئرمین کی حیثیت سے شرکت کیلئے تشریف لائے تو تمام شرکائے اجلاس نے تعظیماً کھڑے ہوکر اُن کا استقبال کیا۔ باوقار، خوش لباس اور خوش خُلق شخصیت کے حامل جسٹس رشید اے رضوی نے صدارت کی کرسی سنبھالنے کے بعد اجلاس کے باقاعدہ آغاز کے لئے تلاوتِ کلامِ پاک کی درخواست کی۔

اجلاس میں صوبے کے داخلہ، قانون، اطلاعات، اور انسانی حقوق کے محکموں کے سیکریٹری جبکہ پاکستان فیڈرل یونین آف جرنلسٹس (PFUJ)، آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی (APNS)، کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز (CPNE)، پاکستان براڈ کاسٹرز ایسوسی ایشن (PBA)، سندھ بار کونسل (SBC)، ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان (HRCP)، آل پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز سوسائٹی (APNES) کے نمائندگان اور سندھ اسمبلی کے دو اراکین موجود تھے۔

اُس وقت کے سیکریٹری اطلاعات سندھ عمران عطا سومرو نے اجلاس کے شروع ہوتے ہی مجھے ہدایت کی کہ کمیشن کے فوکل پرسن کی حیثیت سے آج کی میٹنگ کے مِنٹس بھی آپ ہی تشکیل دیں گے۔ یہ حکم پریشان کُن تھا کیونکہ مِنٹس لکھنے کے تجربے سے اس سے پہلے میں کبھی نہیں گذرا تھا۔ تاہم ہدایات کی تعمیل تو کرنی تھی سو ذہن کو امتحان کیلئے تیار کیا اور اجلاس کی کارروائی کی روداد لکھنی شروع کردی۔

صحافیوں کے تحفظ کے کمیشن کے چیئرمین کے فرائض رضا کارانہ طور پر انجام دیے

قرآنِ مجید کی تلاوت کے بعد کمیشن کے تمام معزز اراکین نے اپنا تعارف کرایا اور اس کے بعد کمیشن کے چیئرمین جسٹس ریٹائرڈ رشید اے رضوی نے اعلان کیا کہ وہ اِس کمیشن کے چیئرمین کی حیثیت سے کوئی تنخواہ یا مراعات نہیں لیں گے بلکہ صحافیوں کے تحفظ کے لئے قائم اس کمیشن کے چیئرمین کے فرائض بلا معاوضہ اور رضا کارانہ طور پر انجام دینے میں مسرت محسوس کریں گے۔

شدید علالت کے باوجود کمیشن کے لیے ضروری ہدایات دیتے رہے

میرے لئے یہ ایک غیر متوقع بات تھی کیونکہ ایک ایسے سماج میں جہاں مراعات یافتہ اشخاص اور بھی زیادہ مراعات کے لئے دوڑتے پھر رہے ہوں وہاں اپنی مراعات سے از خود دستبردار ہونے والے جسٹس رشید رضوی جیسے لوگ بمشکل ہی مل پائیں اور جبکہ کمیشن کے قوانین کی رو سے چیئرمین تنخواہ و مراعات کا حقدار بھی ہو ایسی صورت میں جسٹس ریٹائرڈ رشید اے رضوی کا تنخواہ و مراعات لینے سے انکار کر دینا قابلِ تحسین اقدام تھا۔ انہوں نے واضح کیا کہ ریٹائرڈ جسٹس کی حیثیت سے انہیں مناسب پنشن ملتی ہے لہٰذا وہ اپنی نئی ذمہ داریوں کیلئے حکومت سے مزید کوئی تنخواہ و مراعات نہیں لیں گے۔

کمیشن کے اس پہلے اجلاس میں اراکینِ کمیشن نے متفقہ طور پر راقم کو کمیشن کے سیکریٹری کے فرائض بھی سونپ دیئے۔ اجلاس میں کمیشن کے ایکٹ اور رولز کا بغور مطالعہ کیا گیا اور چیئرمین کمیشن جسٹس ریٹائرڈ رشید اے رضوی نے کہا کہ صحافیوں کے حقوق اور ان کی جان و مال کے تحفظ کے لئے آئینِ پاکستان اور اقوامِ متحدہ کے پلان آف ایکشن کی روشنی میں اس کمیشن کو کام کرنا ہے اور صحافیوں اور ان کے حقوق کے تحفظ کو یقینی بنانا ہے انہوں نے واضح کیا کہ کمیشن کے ایکٹ کی رو سے اقوامِ متحدہ کے دیئے گئے پلان آف ایکشن کے تحت صحافیوں کے تحفظ کیلئے حکومت کی جانب سے کیے جانے والے اقدامات کی مانیٹرنگ بھی کمیشن کے مینڈیٹ میں شامل ہے۔

جسٹس ریٹائرڈ رشید اے رضوی نے کمیشن کے پہلے ہی اجلاس میں شریک سرکاری محکموں کے سیکریٹریز کو باور کرایا کہ آئین و قانون کی سربلندی اور جمہوری اقدار کے فروغ کے لئے اظہارِ رائے کی آزادیوں کا تحفظ اولین ضرورت ہے لہٰذا صحافیوں کے حقوق اور ان کی جان و مال کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لئے سرکار کے تمام محکموں کو مکمل یگانگت کے ساتھ کام کرنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ صحافیوں کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ہمارا کمیشن صحافیوں کی ان مشکلات کو کم کرنے کیلئے فعال کردار ادا کرے گا اور اس کام کیلئے سرکار کے تمام محکموں کا کمیشن سے تعاون بہت ضروری ہے۔

کمیشن کے اس پہلے اجلاس میں جسٹس (ر) رشید اے رضوی صاحب کی منصف صفت، راست گو اور ملکی و بین الاقوامی قوانین سے آگاہی رکھنے والی معتبر اور محترم شخصیت اُبھر کر ہمارے سامنے آئی۔ اِس اجلاس کے منٹس سیکریٹری اطلاعات کو دکھانے کے بعد حتمی منظوری کے لئے جسٹس صاحب کے پاس گیا جنہوں نے کچھ معمولی رد و بدل کے بعد منٹس جاری کرنے کے احکامات دیئے۔ اس پہلے اجلاس کے بعد منعقدہ ہر اجلاس کے منٹس کو چیئرمین صاحب بغور پڑھنے اور ضروری درستگی کے بعد جاری کرنے کے احکامات دیتے۔

صحافیوں کے ساتھ پیش آنے والے کسی بھی اہم واقعے پر جسٹس صاحب کمیشن کا اجلاس طلب کرتے اور متعلقہ صحافی/صحافیوں کی جلد از جلد دادرسی کے لئے خطوط متعلقہ محکموں کو فوری بھجوائے جاتے اور تیز تر کارروائی کیلئے ریمائنڈر بھی لکھے جاتے۔ صحافیوں کی جانب

سے موصول ہونے والی شکایات کی تیز تر دادرسی کے لئے کمیشن کے قوانین کی روشنی میں چیئرمین صاحب نے کمیشن کی ایک سات رکنی ایگزیکیٹو کمیٹی بھی تشکیل دے دی تھی جو صحافیوں کی جانب سے ملنے

پی سی او کے تحت حلف اٹھانے سے انکار کیا

والی کسی بھی شکایت پر فوری اجلاس منعقد کر کے قرارداد، بیان اور متعلقہ اداروں کو خطوط روانہ کرتی۔

صحافیوں کے مسائل کے حل کیلئے جسٹس ریٹائرڈ رشید اے رضوی اپنے ذاتی تعلقات کو بھی بروئے کار لاتے اور متعلقہ عمال سے بذاتِ خود بات کر کے بھی صحافیوں کے مسائل حل کراتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ صوبہ سندھ میں صحافیوں اور میڈیا میں کام کرنے والوں کے تحفظ کے لئے ملک کے پہلے کمیشن کے دفتر کے قیام اور اس کو چلانے کے لئے مالی وسائل کے حصول کے لئے بھی جسٹس ریٹائرڈ رشید اے رضوی نے انتھک محنت کی اُن کی کوششوں سے سندھ حکومت نے کمیشن کے لئے گرانٹ ان ایڈ منظور کی جبکہ کمیشن کے کراچی میں صدر دفتر اور صوبے کے ڈویژنل ہیڈ کوارٹرز میں دفاتر کے قیام کے لئے بھی چیئرمین صاحب مستقل مصروف رہے اس مقصد کے لئے وہ اپنی شدید علالت کے دنوں میں بھی غافل نہیں رہے بلکہ انتقال سے محض ایک ہفتے قبل مسلسل دو روز اسپتال بلا کر مجھے ضروری ہدایات بھی دیتے رہے۔

ان کی رہنمائی میں کمیشن کی ویب سائٹ کے قیام کیلئے بھی محکمۂ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے تعاون سے پیش رفت مکمل کی جا چکی ہے۔

چیئرمین جسٹس ریٹائرڈ رشید اے رضوی کے ساتھ کمیشن کے سیکریٹری کے طور پر کام کر کے مجھے بہت کچھ سیکھنے کا موقع مل رہا تھا۔ وہ مجھ سے بہت شفقت سے پیش آتے اور بہت حوصلہ افزائی کرتے۔ وہ ایک ایسے نامور اور شہرت یافتہ قانون دان تھے جنہوں نے اپنی ساری زندگی آئین و قانون کی سربلندی کے لئے کام کرتے گذاری جس کی ایک بڑی مثال جنرل مشرف کے مارشل لاء کے بعد پی سی او کے تحت سپریم کورٹ کے جج کی حیثیت سے حلف لینے سے انکار تھا جس کے بعد انہوں نے سپریم کورٹ کے جج کی حیثیت سے سبکدوش ہونا قبول کیا لیکن اپنے اصولوں پر سمجھوتہ گوارا نہیں کیا۔ وہ اگر پی سی او کے تحت حلف اٹھا لیتے تو غالباً چیف جسٹس کے عہدے تک پہنچتے لیکن وہ اس ملک کی ان گنی چنی ہستیوں میں سے ایک تھے جنہوں نے انصاف، قانون اور آئین کی بالادستی و حکمرانی کے عظیم آدرشوں کے لئے اپنے ذاتی مفاد کو ٹھکرا کر اپنے رستے پر چلنے والوں کیلئے قابلِ تقلید مثال قائم کی۔

جسٹس ریٹائرڈ رشید اے رضوی زمانۂ طالبِ علمی سے ہی طلباء سیاست میں سرگرم رہے۔ بحیثیت وکیل انہوں نے بار ایسوسی ایشنز میں وکلاء کی دلیرانہ نمائندگی کی اور جمہوری اقدار کے فروغ کی جدوجہد میں وہ قید و بند کی صعوبتوں سے بھی گذرے اور پھر بحیثیت جج انہوں نے اپنی پیشہ ورانہ صلاحیتوں کا بھرپور لوہا منوایا۔ وہ زندگی کے آخری دم تک اس ملک کے کمزور طبقات اور ان کے حق کے لئے کام کرنے والوں کی مدد کرتے رہے لیکن ان کے چاہنے والوں کیلئے 3 فروری 2024ء ایک گہرے دُکھ کا دن تھا جب وہ اس عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف روانہ ہوگئے۔

(انا للہ وانا الیہ راجعون)

عبدالجبّار کے فن کی یک نفری نمائش

☆ خان ظفر افغانی

معروف فنکار عبدالجبار کی فنّی کاوشوں کی یک نفری نمائش، اوشین آرٹ گیلری کلفٹن میں منعقد ہوئی جس میں انہوں نے اپنا تازہ ترین کام پیش کیا۔ کینوس پر پیش کیے گئے اس کام میں بندرگاہوں اور ساحلوں، کشتیوں، مچھیروں کی بستیوں کی عکّاسی کی گئی ہے۔

نمائش میں فنکاروں اور دیگر شائقین نے شرکت کی اور عبدالجبّار کے فن کو سراہا۔ نمایاں لوگوں میں ڈاکٹر ہما میر، خسرو سبزواری، چترا پریتم، تنویر فاروقی، مومن خان، شان امروہوی، ایس ایم نقوی، ایس اے رند، عالیہ فیضی، جی این قاضی شامل تھے۔

اپنی اس نمائش میں رکھے گئے کام کے حوالے سے عبدالجبّار کا کیا کہنا ہے وہ ہم یہاں دہرائے دیتے ہیں:

’’اپنے فنی سفر میں، مجھے کراچی کی کچی آبادیوں اور بندرگاہوں کے اندر زندگی کی متحرک ٹیپسٹری میں الہام ملتا ہے۔ لوگوں کے اپنے مشاہدات، ان کی جدوجہد اور ان کے خوابوں کے ذریعے، میرا مقصد اس خوبصورتی کو حاصل کرنا ہے جو بظاہر نظرانداز ہونے والی جگہوں پر بھی موجود ہے۔

میرا کینوس ان کچی بستیوں کے اندر کی رونق کا عکس بن جاتا ہے، جہاں عمارتیں، اگرچہ چھوٹی اور مثالی حالت میں نہیں، دل کھول کر انسانی زندگی کے لیے اپنے دل کھولتی ہیں، پیارے گھروں میں تبدیل ہوتی ہیں۔ یہ ڈھانچے اور ان کی زندگی۔ رنگوں کی ہم آہنگی ان خالی جگہوں کی چھپی ہوئی عظمت کو ظاہر کرتی ہے، جو پہلے سے تصور شدہ تصورات کو چیلنج کرتی ہے اور ناظرین کو اس کے اندر موجود موروثی خوبصورتی کی تعریف کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

بندرگاہوں میں، میں کشتیوں اور انسانیت کے درمیان تعلق کو تلاش کرتا ہوں۔ ٹوٹے پھوٹے برتنوں کے ذریعے، میں ایک پُرجوش داستان بیان کرتا ہوں کہ وقت کی وجہ سے خراب ہونے والی تمام چیزیں رغبت سے خالی نہیں ہوتیں۔ ہر ٹوٹی ہوئی کشتی انتظار، قربانی، اور پائیدار محبت کی کہانی بیان کرتی ہے جو برقرار رہتی ہے، یہاں تک کہ جب ان پر سوار ہونے والے چلے گئے ہوں۔ میری پینٹنگز ان برتنوں

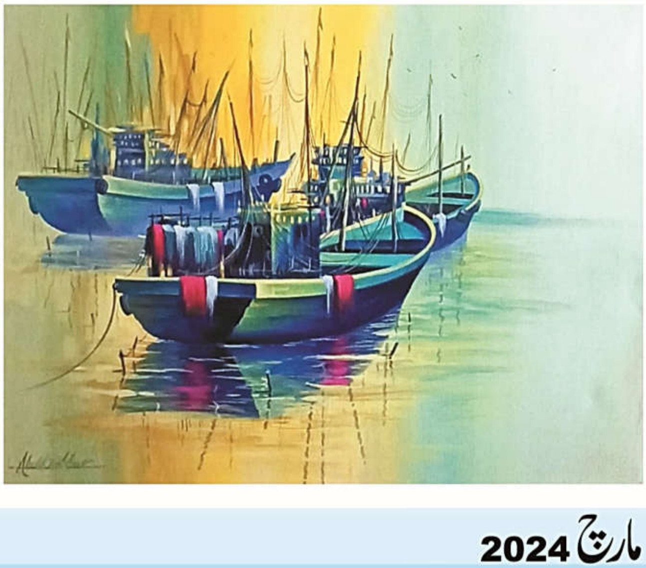

کی استقامت میں گہری خوبصورتی کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ شہری منظرنامے سے ہٹ کر میرا جنون فطرت، ریلوے اور ٹرینوں تک پھیلا ہوا ہے۔ **مسلسل خدمت اور انسانیت کے لیے بے ساختہ لگن کی یہ علامتیں دن رات انتھک محنت کرتی ہیں۔**

میں اپنے فن کو کینوس پر اسپاٹولا اور برش جیسے ٹولز کے آمیزے سے تخلیق کرتا ہوں۔ یہ مجھے بناوٹ کے ساتھ کھیلنے کی اجازت دیتا ہے، میری پینٹنگز کو ایک جاندار اور متنوع احساس دیتا ہے۔ متحرک رنگ ایک اضافی تہہ ڈالتے ہیں، جو مناظر کو منفرد انداز میں زندہ کرتے ہیں۔''

عاصم متین خان 'اطراف' کے قلمی سرپرست۔ اور پاکستان کے لیے بہت درد مند۔ ہماری درخواست پر وہ 'اطراف' کے 'عورت نمبر' کے لیے امریکہ میں میں مقیم پاکستانی عورتوں کے مسائل کا معروضی انداز میں احاطہ کررہے ہیں۔ وہاں بھی پاکستانی نژاد سسرال بہوؤں پر اسی طرح کا ظلم روا رکھتے ہیں جو پاکستان میں ہوتا ہے۔ پاکستان سے بیاہ کر جانے والی بیٹیاں بھی ان مسائل سے دوچار ہیں۔ پڑھئے اور اپنی رائے دیجئے۔

ناہید بھٹی۔ پاکستانیوں کو امریکی سیاست میں متحرک رکھنے کے لیے سرگرم

تحریر: عاصم متین خان (نیویارک)

عورت مشرق کی ہو یا مغرب کی، دونوں ان ہی مسائل سے نمٹ رہی ہیں جو شائد حضرت آدم اور اماں حوا کے بعد سے ہی جنم لینا شروع ہو گئے تھے اور ان میں بتدریج اضافہ ہوتا رہا لیکن حل نہ ہو سکے۔ امریکہ کے ترقی یافتہ مگر متنوع ماحول میں دنیا بھر کی خواتین تارکین وطن کے ساتھ پاکستانی نژاد خواتین کی بھی ایک کثیر تعداد آباد ہے اور یہ خواتین اپنے مادر وطن کی خواتین کے مسائل کے ساتھ ساتھ

نصرت سہیل پاکستانی بہوؤں کے حقوق کے تحفظ کے لیے مصروفِ عمل

امریکی معاشرے کے مخصوص مسائل سے بھی دوچار ہیں۔ یہ خواتین بڑی حد تک پاکستان کی خواتین کے مقابلے میں بہتر صورتحال میں تو ہیں تاہم پھر بھی یہ مخصوص مسائل سے دوچار رہتی ہیں اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ سب پاکستانی خواتین امریکہ میں پریشان کن صورتحال سے دوچار ہیں۔

امریکہ میں مقیم پاکستانی نژاد تارکین وطن خواتین تعلیم، صحت، سیاست، معیشت، وکالت اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں مصروف عمل ہیں۔

ٹیبل ٹینس کی دنیا میں ٹرپل کراؤن حاصل کر کے پاکستان کا نام روشن کرنے والی اور ریڈیو پاکستان پر بزم طلبہ کی سابقہ میزبان ناہید بھٹی نیویارک میں ایک نہایت ہی سرگرم پاکستانی تنظیم APPAC کی بانی رکن ہیں اور امریکی سیاست میں پاکستانیوں کو سرگرم کردار ادا کرنے کے لئے بڑی محنت کر رہی ہیں۔ اور پچھلے چند سالوں میں انکی اور ان کی ٹیم کی محنت کی وجہ سے متعدد پاکستان خواتین اور مردوں نے امریکی انتخابات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کامیابی بھی حاصل کی۔ ان کی تنظیم کی اہمیت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے جیں کہ 2020 کے امریکی انتخابات سے قبل اور بعد میں صدر جو بائیڈن نے کئی بار انکی تنظیم سے کانفرنس کال پر رابطہ کیا اور پاکستانیوں کی حمائت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ان کے صاحبزادے حارث بھٹی 2016 کے امریکی انتخابات میں کانگریس کے امیدوار تھے۔ ناہید بھٹی این ای ڈی کی خواتین ایسوسی ایشن کی ڈائرکٹر بھی ہیں اور خواتین اور نوجوانوں کو انجینئرنگ کی فیلڈ میں آنے کے لئے رہنمائی کرتی ھیں۔ ان کا ایک بڑا مقصد پاکستانی نوجوانوں اور خواتین کے لئے ایک کمیونٹی سینٹر کا قیام ہے۔ اس کے علاوہ پاکستان سے آئے ہوئے فنکاروں اور اہم شخصیات کے ساتھ کمیونٹی پروگراموں کا انعقاد بھی کرتی ہیں۔ ضیاء محی الدین مرحوم کا نیویارک میں آخری پروگرام انہوں نے ہی مرتب کیا تھا۔

ایک اور پاکستانی خاتون ایجوکیٹر اور کمیونٹی ڈیویلپر نصرت سہیل نے خواتین کو ملازمت اور بزنس کے ذریعے معاشرے میں با اختیار بنانے کے لیے خواتین سے خواتین کا فورم اور خواتین کا شیلٹر بھی قائم کیا جس کا مقصد شادی شدہ خواتین کے گھریلو مسائل کو حل کرنا ہے خاص طور پر ان پاکستانی خواتین کا جو پاکستان سے شادی ہو کر امریکہ آتی ہیں اور اکثر اوقات شوہر اور سسرال والے ان کو تنگ کر کے رکھتے ہیں اور بعض اوقات بچوں کو بھی ماں سے الگ کر کیا پنی تحویل میں لے لیتے ہیں. یہ امریکہ کے قوانین سے لاعلم پاکستانی خواتین کو ان کے حقوق دلاتی ہیں۔ نصرت سہیل نے زور دے کر کہا کہ پاکستان سے لوگ صرف امریکہ کے نام پر شادی کرنا بند کریں۔

رخشندہ حمیدی۔ عائشہ گیلانی۔ عطیہ آفتاب۔ سبرینہ غفار۔ تارکین وطن کو حقوق دلاتی ہیں

انہوں نے بتایا کہ اکثر پاکستانی جن کی شادی امریکہ میں نہیں چلتی تو وہ پاکستان جا کر بغیر بتائے دوسری تیسری شادی کر لیتے ہیں. ایک پاکستانی بزنس مین نے تو پانچ شادیاں کریں اور جب نصرت سہیل نے ان کے خلاف کاروائی شروع کی تو انہوں نے انہیں بہت تنگ کیا۔

سندھ میڈیکل کالج کی گریجویٹ ڈاکٹر رخشندہ حمیدی یانکرز کے سینٹ جارج ہاسپٹل میں 20 سال سے کام کر رہی ہیں اور کمیونٹی کی خدمت میں پیش پیش ہیں۔

ایک اور پاکستانی خاتون عائشہ گیلانی جو پروڈیوسر، ٹی وی میزبان اور

رخشندہ حمیدی | نصرت سہیل | سبرینا غفار | عطیہ آفتاب | ناہید بھٹی | عائشہ گیلانی

سوشل جسٹس کمیونیکیشن کنسلٹنٹ، اسلامک سوسائٹی آف سینٹرل جرسی کی بورڈ ممبر، اور مسلم لائر ایسوسی ایشن کی بانی ممبر بھی ہیں۔
تعلیم کے میدان میں ایک اور پاکستانی نام عطیہ افتاب کا ہے جو ایک معروف وکیل، رٹگرز یونیورسٹی میں سیاسیات اور اسلامی قانون کی

امریکہ میں بھی بہو پر سسرال اپنا قبضہ رکھنے پر مصر

پروفیسر اور امن کی سفیر اور اٹارنی جنرل پیٹر ہاروی کی مشیر برائے عرب اور مسلم تعلقات بھی ہیں۔
ڈاکٹر سبرینہ غفار پی ایچ ڈی قانون کی پروفیسر، ریسرچر، پبلک اسپیکر، پبلک پالیسی کی ماہر، خواتین کے حقوق کی علمبردار اور امریکہ میں مساوات اور تعصب کے خلاف اواز بلند کرنے والی باہمت خاتون ہیں جو تارکین وطن کو ان حقوق دلانے کی کوشش کرتی ہیں۔
اپنی پروفیشنل زندگی میں مصروف رہنے کے ساتھ ساتھ یہ خواتین گھرداری بھی کرتی ہیں اور دوسری خواتین کے گھریلو مسائل حل کرنے کے لئے بھی کمیونٹی میں ایک بامقصد اور فعال کردار ادا کر رہی ہیں. پاکستانی خواتین مختلف وجوہات کی بناء پر امریکہ میں تارک وطن ہوئیں۔ ابتداء میں بیشتر خواتین کو امریکہ کے نئے ماحول میں اپنے اپ کو ایڈجسٹ کرنے میں کافی جدوجہد کرنا پڑی۔ خاص طور پر ان خواتین کو جو شادی کے بعد امریکہ ائیں اور اپنے نئے گھر یعنی سسرال میں اپنے اپ کو ایڈجسٹ کرنا پڑا۔ آج کے دور میں جب مرد اور عورت دونوں ہی کو گھر بار چلانے کے لئے مشترکہ طور پر جدوجہد کرنا پڑتی ہے وہیں پاکستانی خواتین بھی اپنے شوہروں کے ساتھ روزگار کے حصول کے لئے شانہ بشانہ کھڑی ہیں۔ اور جس ادارے اور جس میدان میں بھی کام کر رہی ہیں وہاں اپنا لوہا منوایا سوائے سسرال کے میدان کے جہاں دنیا بھر کی خواتین کی طرح امریکہ میں آئی ہوئی پاکستانی خواتین کو بھی مسلسل جدوجہد کرنا پڑتی ہے تاکہ وہ سسرال میں بھی اپنا لوہا منوا سکیں

پاکستانی نژاد لڑکیوں کے لیے اچھا رشتہ اہم ہے

لیکن یہ ایک ایسا خواب ہے جو بڑی مشکل سے پورا ہوتا ہے۔
امریکہ میں ایک طویل عرصہ رہنے کے دوران ذاتی مشاہدے اور نمایاں پاکستانی خواتین سے بات کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ خواتین کا سسرال کا مسئلہ امریکہ میں بھی بہت عام ہے۔
امریکہ آئی ہوئی خواتین کو سسرال میں ایڈجسٹ ہونے میں مشکل ہو اور سسرال والوں کا اور شوہر کا تعاون بھی نہ حاصل ہو تو ان خواتین کے لیے بڑی ذہنی پریشانی ہو جاتی ہے۔ لیکن ایڈجسٹمنٹ کا یہ مسئلہ صرف ان پاکستانی خواتین کے لیے ہی نہیں ہے جو پاکستان سے آئی ہیں بلکہ ان پاکستانی نژاد بچیوں کے لیے بھی ہے جو یہاں پیدا ہوئیں پلی بڑھیں اور یہاں پر ہی ان کی شادیاں ہوئی ہیں۔ خاص طور پر یہاں پر پیدا ہونے والی بچیوں کے لیے مناسب رشتوں کا سب سے بڑا مسئلہ ہے جو ماں باپ کی نیند حرام کر کے رکھتا ہے شادی سے پہلے بھی اور بعض اوقات شادی کے بعد بھی۔ پہلے تو پاکستان کی طرح پڑھی لکھی لڑکیوں کا تناسب لڑکوں سے زیادہ اور بہتر بھی ہے اور پڑھے لکھے لڑکوں کی ماؤں کے نخرے بھی بہت ہیں۔ وہ بہو بھی ایسی لانا چاہتی ہیں جس میں تمام خصوصیات موجود ہوں جو ان کے اپنے بیٹے میں شائد نہ ہوں۔ پھر لڑکے کے خاندان کے بارے میں معلومات کرنا ایک بڑا ہی پیچیدہ مسئلہ ہوتا ہے کیونکہ امریکہ میں آیا ہوا ہر پاکستانی پاکستان میں اپنا خاندانی بیک گراؤنڈ بہت ہی شاندار بتاتا ہے۔ اسی لیے بعض اچھی تعلیم یافتہ شریف گھرانوں کی بچیاں کسی اچھے رشتے کے انتظار میں بیٹھی رہ جاتی ہیں۔ اور شادی ہونے کے بعد کے مسائل الگ ہیں۔ روائتی طور پر اور نہ جانے کیوں امریکہ میں بھی

پیشہ ورانہ زندگی بھی اور گھرداری بھی

لڑکے کے ماں باپ، بہو کو کبھی وہ جگہ نہیں دیتے جو اپنی بیٹیوں کو دیتے ہیں حالانکہ لڑکی شادی کے بعد اپنے ماں باپ کا گھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ آتی ہیں۔ ایک بڑا مسئلہ سسرال والوں کی یہ امید ہوتی ہے کہ بہو نے شادی سے پہلے جو کچھ اپنے ماں باپ کے گھر میں سیکھا تھا یا دیکھا تھا وہ سب بھول بھال کر تمام وہ طور طریقے اپنا لیے جو سسرال میں ہوتے ہیں۔ حقیقت میں یہ کس طرح سے ممکن ہے کہ ایک بیس پچیس سال کی لڑکی جو اپنے ماں باپ کے گھر کے مختلف ماحول میں پروان چڑھی وہ کس طرح سے راتوں رات اپنی تمام عادتیں بھول کر سسرال کے نئے طور طریقے اپنا لیے اور یہیں سے وہ جھڑپیں اور جنگ شروع ہوتی ہے جو کبھی ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ اگر بہو سسرال والوں کو اپنے حساب سے بدلنا چاہے تو جنگ عظیم شروع ہو جاتی ہے جس میں شوہر ساس سر نندیں اور دیگر اہل وعیال ایک طرف اور بہو اکیلی ایک طرف رہ جاتی ہے۔ امریکہ میں بھی سسرال والوں کا سب سے پہلا خوف قبضہ مافیہ کا ہوتا ہے کہ شاید اب ان کا بیٹا یا بھائی ان سے چھن جائے گا اور وہ بہو کے کنٹرول میں ہو جائے گا۔ جبکہ وہ ہی سسرال والے اپنے دامادوں کو اپنی بیٹیوں کے مقبوضہ رکھنا درست سمجھتے ہیں۔ اگر بہو اور بیٹی کے لئے ایک ہی اصول رکھا جائے تو دنیا بھر کے گھروں میں امن قائم ہو سکتا ہے۔ لیکن کشمیر کی طرح یہ مسئلہ بھی ایسے ہی چلتا رہے گا۔
آنے والی بہو کو اگر وہی پیار محبت دیا جائے جو اس کے اپنے ماں باپ کے گھر میں ملتا تھا اور اس کی مدد کریں تاکہ اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان ایڈجسٹمنٹ آسان ہو اور وہ ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ میاں بیوی کے درمیان اچھی انڈرسٹینڈنگ ہونے کے بعد لڑکے کے ماں باپ سے اور سسرال کے دیگر لوگوں کے ساتھ بھی لڑکی کے تعلقات بہت اچھے ہو سکتے ہیں۔ تعلقات بگاڑ کر نہیں بلکہ بنا کر سب سے بہتر بنائے جا سکتے ہیں۔ ان ہی وجوہات کی بناء پر امریکہ میں پیدا ہونے والے پاکستانی نژاد بچے بچیوں میں طلاق کا تناسب بہت بڑھ گیا ہے۔ اس کی کئی اور وجوہات بھی ہیں۔ یہاں پر پیدا ہونے والے پاکستانی نژاد بچے دو مختلف ماحول میں زندگی گزار رہے ہوتے ہیں ایک زندگی وہ گھر کے اندر دیکھتے ہیں اور دوسری گھر سے باہر۔ یہ بچے اپنے تعلیمی میدان میں اور جس فیلڈ میں بھی وہ کام کر رہے ہیں اس میں وہ بہت اعلی کارکردگی دکھاتے ہیں تاہم ان کے اندر وہ روزمرہ کی سمجھ بوجھ نہیں ہے جو پاکستان میں پلنے بڑھنے والے بچوں میں ہوتی ہے۔ وہ خاندانوں میں ہونے والی سیاست کو بالکل بھی نہیں دیکھتے جو پاکستان میں ان کو اپنے گھروں میں یا اپنے محلوں میں یا جاننے والوں میں نظر آتی ہے۔ دوسری چیز جو آج دنیا بھر کے تمام بچوں میں موجود ہے وہ برداشت میں کمی کا رجحان۔ جہاں ذرا سی اونچ نیچ ہو تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اب ساتھ رہنا مشکل ہے اور صرف علیحدگی ہی ایک حل ہے۔ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض اوقات ماں باپ بھی بچوں کو اور خاص طور پر لڑکوں کو سمجھانے کے بجائے اس بات پر ہی زور دیتے ہیں کہ علیحدگی ہی واحد حل رہ گیا ہے۔ کیونکہ ان کو بہو سے وہ محبت نہیں ہوتی جو وہ اپنی بیٹیوں سے کرتے ہیں اور وہ بہو کو کبھی بھی وہ مقام نہیں دینا چاہتے وہ جو اپنی بیٹیوں کو دیتے ہیں چاہے وہ ان کے گھر میں رہ رہی ہوں یا شادی ہو کے گھر سے چلی گئی ہوں پھر بھی ان کا وہ مقام قائم و دائم رہتا ہے اور ہر معاملے میں سسرال میں بہو کی رائے کے مقابلے میں غیر شادی شدہ یا شادی شدہ بیٹیوں کی رائے بہو کی رائے کے اوپر ہمیشہ فوقیت رکھتی ہے۔
یہ وجہ بھی زیادہ تر گھرانوں میں سب کا سکون برباد کرنیکی حقیقت ہے۔ لیکن اس حقیقت کو بھی آنے والی بہو کو اس کا جائز مقام دے کر انقلابی تبدیلی بھی ایک عورت ہی دے سکتی ہے۔ یہ وہی تبدیلی ہے جس کی خواہش اس عورت کی اپنی شادی کے بعد ہوتی تھی لیکن آج وہ اپنی بہو کے لئے یہ تبدیلی برداشت نہیں کر سکتی جو اس کے اپنے اختیار میں ہے۔ اور اس رشتے میں اختیار اور اس کے استعمال کا حق ہی سب سے اہم لفظ ہے! ❁

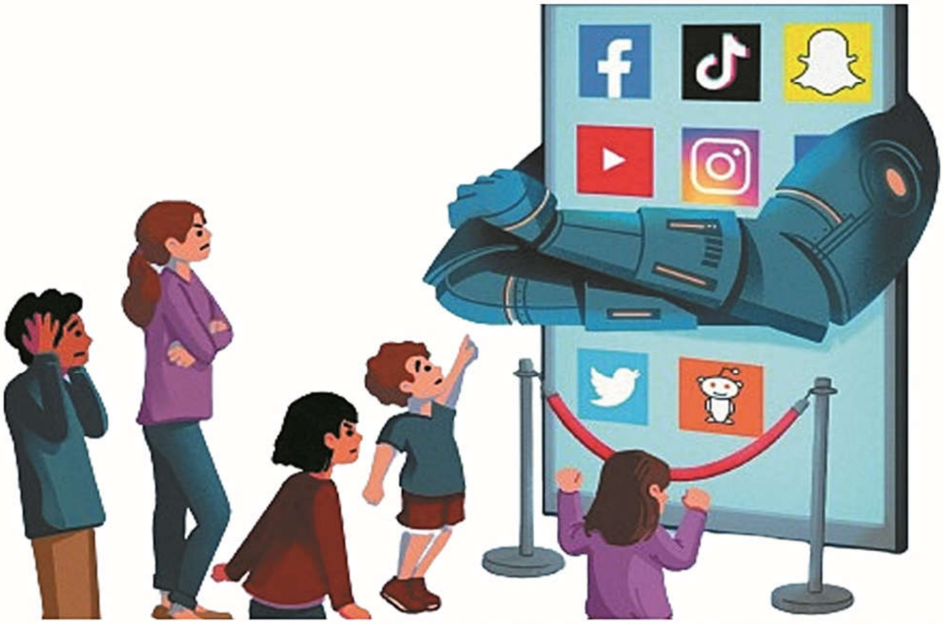

سوشل میڈیا فوری معلومات کا سرچشمہ بھی ہے۔ لیکن اس نے ہر خاندان کے لیے مشکلات اور خطرات بھی پیدا کردیے ہیں۔ پاکستان میں بھی سوشل میڈیا بے لگام ہے۔ ہم نے سوشل میڈیا پر یہ تحریر دیکھی۔ اس میں سوشل میڈیا کے چیلنجوں کے مقابلے کے لیے جو تجاویز اور ہدایات دی گئی ہیں۔ اگر چہ امریکی محکمے کے حوالے سے ہیں۔ مگر پاکستان میں بھی اس وقت صورت حال قابو سے باہر ہورہی ہے۔ اس لیے پاکستان میں بھی والدین اور بچوں کو ان ہدایات پر عمل کرنا چاہئے۔

سوشل میڈیا۔ مثبت تبدیلی بھی اور خطرات بھی

تحریر: ٹیلر گروتھ — ترجمہ: سید عرفان علی یوسف

فوڈ اینڈ ڈرگ ایڈمنسٹریشن (FDA) نے تازہ ترین وائرل سوشل میڈیا چیلنج کے خلاف ایک نئی وارننگ جاری کی ہے جیسے NyQuil.1 میں چکن پکانا۔(یہ نزلہ اور زکام کی دوا ہے جس سے شدید غنودگی بھی آتی ہے۔ بہت سے لوگ اس دوا کو بے خوابی کے علاج کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔ لیکن اس کے مابعد اثرات نقصان دہ ہیں۔) یہاں NyQuil.1 کا حوالہ خراب عادتوں کے پختہ ہونے کے تعلق سے دیا گیا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی

خطرناک آن لائن رویوں کے دباؤ سے کیسے بچا جائے

ہے جیسے کچھ بچے جو بطور مکینک کام کرتے ہیں اور صمد بانڈ کا استعمال چیزوں کو چپکانے کے لیے کرتے ہیں وہ صمد بانڈ کی خوشبو سے اتنا زیادہ متاثر ہوجاتے ہیں کہ اسے نشے کے لیے بھی استعمال کرنے لگتے ہیں)

- سوشل میڈیا کے چیلنجز تبدیلی کے لیے مثبت محرک ہوسکتے ہیں یا بچوں اور نوعمروں میں خطرناک رویے کا باعث بن سکتے ہیں۔
- آپ اپنے بچے کے ساتھ سوشل میڈیا چیلنجز میں حصہ لینے کے لیے درپیش دباؤ کے بارے میں ایماندارانہ گفتگو کرسکتے ہیں۔

فوڈ اینڈ ڈرگ ایڈمنسٹریشن (FDA) نے والدین کے لیے سوشل میڈیا کے خطرناک چیلنجز کے بارے میں ایک نئی وارننگ جاری کی ہے۔ یہ وائرنگ رجحان کی مقبولیت میں اضافے کے بعد سامنے آئی ہے جس میں لوگوں کو NyQuil میں چکن یا مرغی پکانے کی ترغیب دی جاتی ہے۔ کسی دوا میں کھانا پکانے سے دوا کا ارتکاز زیادہ ہوسکتا ہے اور نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔ والدین کے طور پر، ہمیں اپنے بچوں کی مسلسل رہنمائی کرنی چاہیئے جو ہمیشہ اپنے ساتھیوں کا دباؤ قبول کرلیتے ہیں، اور نقصان اٹھاتے ہیں۔ بچوں کو سوشل میڈیا کے "چیلنجوں" سے آگہی دینا ضروری ہے۔

ہم نے ماہرین کے ساتھ سوشل میڈیا چیلنجز کے بارے میں آپ کے بچوں سے بات کی اور یہ نتائج اخذ کیے:

یہ کیسے جانا جائے کہ بچہ کتنا محفوظ ہے؟ بچوں کو خطرناک آن لائن رویوں میں مختلف دباؤ سے بچنے کی کس طرح ترغیب دی جائے اور ان کی کیسے مدد کی جائے، اپنے بچوں کو اس مشکل تبادلہ خیال سے نمٹنے کی کیا تربیت دی جائے۔؟

وائرل سوشل میڈیا چیلنجز کیا ہیں؟

بوسٹن چلڈرن اسپتال کی ڈیجیٹل ویلنیس لیب وائرل سوشل میڈیا چیلنجز کی تعریف اس طرح کرتی ہے کہ "عام طور پر اس میں ایسے صارفین شامل ہوتے ہیں جو غیر معمولی، ڈرامائی، مضحکہ خیز، یا پر خطر صورت حال کو ریکارڈ کررہے ہوتے ہیں اور اس مواد کو دوسروں میں بھی بانٹتے ہیں۔ وہ خود بھی یہ عمل کرسکتے ہیں۔ وہ اس کے نتائج کو قبول کرتے ہیں، مکمل کرتے، اور اس کی تقسیم جاری رکھتے ہیں اور ان اثرات کو مزید پھیلاتے ہیں۔"

کونسل کی امریکن اکیڈمی آف پیڈیاٹرکس کی چیئر پرسن اور ایم ڈی، ایم پی ایچ، ایم اے پی، ایف اے اے پی، نوشین امین الدین کہتی ہیں، "جب بھی کوئی چیز مقبول ہوتی ہے، جیسا کہ اکثر سوشل میڈیا پر

مقبول ہوتے رجحانات بچوں کو بہت متاثر کرتے ہیں

وائرل ہونے والے چیلنجز کے ساتھ ہوتا ہے، یہ مقبولیت بچے کے تجسس کو متاثر کرسکتی ہے۔ اور "بچوں اور میڈیا پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔

"یہ ایک ایسا احساس ہے کہ اگر دوسرے لوگ یہ عمل کررہے ہیں تو، ہم خود بھی یہی کرنے میں لگ جاتے ہیں کیونکہ ہمیں بھی مزہ آتا ہے۔ یہ رجحان خطرناک ہوسکتا ہے، اس لیے والدین کو یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ تمام سوشل میڈیا چیلنجز مقبول نہیں ہیں لیکن کچھ چیلنجز ایسے ہیں کہ جو ایک مقصد کے تحت رائے عامہ بناتے ہیں۔

2014 میں، وائرل "آئس بکٹ چیلنج" نے ALS کے خلاف

سوشل میڈیا چیلنجوں میں بچوں کی پرورش

لڑائی کو تیز کر دیا۔ALS Lou Gehrig's disease ایک انحطاط پذیر اعصابی بیماری ہے جس کا کوئی علاج نہیں۔ ALS ایسوسی ایشن کے صدر اور CEO، Calaneet Balas نے ایک انٹرویو میں کہا، "آئس بالٹی چیلنج کے دنیا کو متاثر کرنے کے پانچ سال بعد، دریافت وتحقیق کی رفتار میں زبردست اضافہ ہوا۔شرکائے کار حقیقی کامیابی کے قریب آ گئے۔اس میں مزاحیہ رقص اور احمقانہ صداکاری voiceovers بھی شامل تھے۔والدین کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسے رجحانات اسی وقت تک محفوظ ہیں جب تک بچوں کے انٹرنیٹ کے استعمال کی سخت نگرانی نہ کی جائے۔

بھتری کے سوشل میڈیا چیلنجز:

29 ستمبر 2022 کو، فوڈ اینڈ ڈرگ ایڈمنسٹریشن (FDA) نے ALS، جسے Lou Gehrig's disease بھی کہا جاتا ہے، کے علاج کے لیے Relyvrio نامی دوا کے استعمال کی منظوری دی۔ Amylyx فارماسیوٹیکلز کی دوائیوں کے مطالعہ کو جزوی طور پر 2014 میں آئس بکٹ چیلنج کے دوران جمع کی گئی رقم سے فنڈ فراہم کیے گئے۔تجربات کے دوران، جن مریضوں نے Relyvrio استعمال کی، ان کے روزمرہ کے کاموں میں کمی کی رفتار گھٹ گئی۔اس کے طویل مدتی اثرات پر مزید مطالعہ کیا جا رہا ہے۔

سوشل میڈیا چیلنج کے خطرات؟

کچھ سوشل میڈیا چیلنجز بہت خطرناک ہوتے ہیں، یعنی خاص طور پر جب ان میں دوا شامل ہوتی ہے یا کسی اور طرح سے جسم پر اثر ہوتا ہے۔ ایف ڈی اے کی وارننگ واضح ہے: کوئی بھی وائرل چیلنج جس میں نسخے کے بغیر، اوور دی کاؤنٹر (OTC) ادویات کا استعمال شامل ہو خطرناک ہے۔کسی بھی دوائی کا غلط استعمال، یہاں تک کہ وہ جو ڈاکٹر کے نسخے کے بغیر خریدی جائے کافی غیر محفوظ ہے اور اس کی زیادہ مقدار موت کا سبب بن سکتی ہے۔

تازہ ترین NyQuil چکن چیلنج سے پہلے، ایک اور وائرل TikTok کا ٹرینڈ تھا جس نے دھوکا دینے کے لیے Benadryl (diphenhydramine) کے کثرت سے استعمال کی حوصلہ افزائی کی۔FDA5 تجویز کرتا ہے کہ آپ اپنے

> **پسی ہوئی دارچینی۔پھیپھڑوں کے لیے نقصان دہ**

بچوں کے ساتھ بیٹھ کر "منشیات کے غلط استعمال کے خطرات اور سوشل میڈیا کے رجحانات کی قیادت کیسے کر سکتے ہیں۔حقیقی طور پر اس سے کبھی کبھی ناقابل تلافی نقصان ہو سکتا ہے۔"

اپنے بچوں کو دواؤں کی کیبنٹ تک جانے سے روکیں:

سوشل میڈیا چیلنجز میں تمام خطرات دواؤں کی شکل میں نہیں آتے۔2018 میں، واشنگٹن پوسٹ نے نوعمروں کے بارے میں اطلاع دی کہ وہ ٹائیڈ پوڈز Tide Pods کو پکانے کے بعد چبا رہے ہیں، یا صرف ڈٹرجنٹ کے پیکٹ اپنے منہ میں ڈال رہے ہیں۔یہ واضح ہے کہ کپڑے دھونے کا پوڈر (لانڈری ڈٹرجنٹ) کا کھانا محفوظ نہیں۔2013 میں، نام نہاد "دارچینی کا چیلنج" وائرل ہوا، 60 سیکنڈ میں بغیر پانی کے ایک چمچ پسی ہوئی دارچینی کھانے سے پھیپھڑوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔سوشل میڈیا کے یہ چیلنجز بہت خطرناک ہیں کیونکہ ان

> **والدین بچوں کے انٹرنیٹ استعمال کی سخت نگرانی کریں**

میں ساتھیوں کا دباؤ اور گروپ سوچ شامل ہے۔جو متاثرہ بچوں کو محدود سوشل میڈیا کے ذریعہ اپنی زندگی یا صحت کو خطرے میں ڈالنے پر مجبور کرتے ہیں۔

سوشل میڈیا چیلنجز کیوں توجہ کا سبب ہیں؟

کچھ سوشل میڈیا چیلنجز کے خطرات واضح طور پر بہت زیادہ ہیں۔ان کے فوائد کم اور نقصانات کہیں زیادہ ہیں۔تو پھر بچے خطرات کو جانتے ہوئے بھی ان میں کیوں حصہ لیتے ہیں؟ ڈاکٹر امین الدین کا کہنا ہے کہ یہ بہت فطری ہے کہ بچے بہت سے کام اپنے دوستوں اور ساتھیوں کو دیکھ کر کرتے ہیں۔اس طرح یہ دونوں خطرناک اور مثبت سوشل میڈیا چیلنجز ہیں۔

"ان میں سے بہت سے بچے صرف تقلید کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو وہ اپنے تمام ساتھیوں کو کرتے ہوئے دیکھتے ہیں،" ذیشان خان، ایم ڈی، ایک بچہ، نوعمر، اور مائنڈ پاتھ ہیلتھ کے ساتھ بالغ نفسیاتی ماہر کا کہنا ہے کہ "بچے اکثر تفریحی اور دلچسپ کام کر کے اپنا وقت گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔" ڈاکٹر خان کہتے ہیں کہ بچے اور نوعمر افراد بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔دوسروں کی توجہ حاصل کرنے والا رویہ ایسا ہی ہے جیسے بچے ایک دوسرے کو احمقانہ یا خطرناک کام کرنے پر مجبور کریں۔

جولین لاگو Mindpath Health کے ایم ڈی اور ماہر نفسیات ہیں۔وہ کہتے ہیں، "سوشل میڈیا بچوں میں یہ رجحان پیدا کرتا ہے کہ آپ کتنی اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کر سکتے ہیں جس کی ساتھیوں کی طرف سے تعریف کی جائے۔بچوں کے لیے، آن لائن وائرل چیلنجز میں حصہ لیتے ہوئے دیکھا جانا اسکول میں ان کی سماجی حیثیت کو بڑھاتا ہے۔یہ اس قسم کا ہم مرتبہ دباؤ ہے جو ان چیلنجوں میں وسیع پیمانے پر حصہ لینے میں معاون ہے۔

سوشل میڈیا نوعمروں کے دماغ کو کس طرح منفی طور پر متاثر کرتا ہے؟

میں اپنے بچے سے سوشل میڈیا چیلنجوں کے متعلق کیسے بات کروں؟

TikTok اور دیگر رجحانات کی بڑھتی ہوئی رسائی اور ان کے وائرل ہونے کے ساتھ، والدین کے لیے یہ جاننا مشکل ہو سکتا ہے کہ سوشل میڈیا کے چیلنجز میں شامل خطرات کے بارے میں اپنے بچوں سے کیسے رجوع کیا جائے؟ اگر وہ ان آن لائن مظاہر میں حصہ نہیں لیتے تو بچے ان کو عجیب وغریب شخص کی طرح تصور کر سکتے ہیں۔والدین کو بچوں کے سامنے سوشل میڈیا کے خطرناک رجحانات میں حصہ لینے کے خطرات کی وضاحت کرنی چاہیے۔ڈاکٹر امین الدین کا کہنا ہے کہ "سب سے اہم کام جو

> **والدین بچوں سے معلوم کریں کہ وہ آن لائن پسند کیا کرتے ہیں**

والدین کر سکتے ہیں وہ اپنے بچوں سے اس بارے میں بات کرنا ہے کہ وہ آن لائن کیا کرنا پسند کرتے ہیں؟" والدین کو بچوں سے یہ بھی بات کرنی چاہیئے "کہ وہ کس قسم کی ویڈیوز دیکھ رہے ہیں، وہ آن لائن کس کے رابطے میں رہتے ہیں؟ والدین کو پھر ان کے اثرات کے بارے میں بات کرنی چاہیئے۔"

وہ کہتی ہیں کہ والدین کو اپنے بچوں کے رویے پر نظر رکھنی چاہیے۔ "اگر سوشل میڈیا بچوں میں غمگین اثرات پیدا کر رہا ہے یا ان کی طبیعت میں منفی اثرات پیدا کر رہا ہے تو والدین کو اپنے بچوں کے ساتھ اس پر کھل کر بات کرنے کے قابل ہونا چاہیے اور ہوسکتا ہے کہ وہ سوشل میڈیا پر وقفہ لیں یا اس بات پر غور کریں کہ وہ کس کی تقلید کرتے ہیں اور وہ آن لائن کتنا وقت گزارتے ہیں۔" ڈاکٹر امین الدین کہتی ہیں کہ والدین کو اپنے بچوں سے ان وائرل ٹرینڈز کو آزمانے کے خطرات اور نتائج کے بارے میں بات کر کے شرمانا نہیں چاہیے۔

9 طریقوں سے سوشل میڈیا ہمارے والدین کو متاثر کرسکتا ہے:
ڈاکٹر خان بتاتے ہیں کہ والدین جو اپنے بچوں کے سوشل میڈیا کے استعمال میں ملوث ہیں اپنے بچوں کے لیے محفوظ پناہ گاہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ والدین سب سے بہتر کام یہ کر سکتے ہیں کہ بچے کے سامنے یہ واضح کریں کہ وہ اس سے بات کرنے یا تبادلۂ خیال کے لیے موجود ہیں، اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ شرمندگی کا خوف نہ کھائیں۔"

اپنے بچوں سے خطرناک رویے کے بارے میں بات کرنا اہم ہے۔ ڈاکٹر لاگوئے کا کہنا ہے کہ "والدین کو اپنے بچوں کو خطرات کے بارے میں بتانے کی ضرورت ہے تا کہ وہ خود ایک اچھا اور محفوظ فیصلہ کرسکیں۔" اپنے بچوں کو ان کی حفاظت کے بارے میں اچھے انتخاب کے لیے بااختیار بنانا زندگی بھر کے لیے اہم ہے۔
آپ اپنے بچے کے سوشل میڈیا سے مثبت باتیں سیکھنے کے عمل میں معاون ہوسکتے ہیں۔

سوشل میڈیا کے خطرناک چیلنجوں کے بارے میں والدین اور کیا کر سکتے ہیں؟

کچھ اور چیزیں ہیں جن میں والدین اپنے بچوں کو سوشل میڈیا پر لے جانے والے خطرات کو کنٹرول کرنے میں مدد کر سکتے ہیں۔ امریکن اکیڈمی آف پیڈیاٹرکس (AAP) نے ایک فیملی میڈیا پلان تیار کرنے کی سفارش کی ہے تا کہ بچوں کو اپنے سوشل میڈیا کے استعمال کو منظّم کرنے اور سیکھنے میں مدد ملے۔

ڈاکٹر امین الدین کہتی ہیں، "والدین کے لیے یہ ہمیشہ سے ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ باقاعدگی سے بات کریں تا کہ وہ یہ سمجھ سکیں کہ وہ کس قسم کا مواد استعمال کر رہے ہیں اور اپنے بچے کے رویے یا مزاج میں ہونے والی تبدیلی پر توجہ دیں۔ اس سے کچھ بنیادی اصول طے کرنے میں مدد ملتی ہے۔

ڈاکٹر کاہن دیگر تجاویز پیش کرتے ہیں، جیسے مخصوص اوقات جب آپ کا بچہ آزادانہ طور پر فون، ٹیبلٹ، ٹی وی، ویڈیو گیمز وغیرہ تک رسائی حاصل کرسکتا ہو تو "چھوٹے بچوں کے ساتھ، والدین کے کنٹرول کو لاگو کیا جانا چاہیے، چاہے وہ ان آلات کو کتنا ہی کم استعمال کرتے ہوں۔ کچھ آلات پر ٹائمر سیٹ کرنے کے لیے جو وقت ختم ہونے پر خود بخود بند ہو جاتے ہیں،" وہ جاری رکھ سکتے ہیں۔

ڈاکٹر لاگوئے نے 'مائی موبائل واچ ڈاگ' نامی ایپلیکیشن بھی تجویز کی، جو والدین کو سوشل میڈیا کے استعمال کو ٹریک کرنے میں مدد کر سکتی ہے۔ "والدین جو سب سے بہتر کام کر سکتے ہیں وہ اپنے بچوں کے سوشل میڈیا کے استعمال کی مقدار کو کنٹرول کرنا ہے،" وہ

والدین بچوں کو یقین دلائیں کہ وہ ان سے گفتگو کے لیے موجود ہیں

بتا سکتے ہیں کہ کب انہیں سوشل میڈیا کا استعمال کرنا چاہیے۔ ابچوں سے اس مواد کے بارے میں بات کرنا ضروری ہے جو وہ آن لائن دیکھتے ہیں۔

Boston Children's Hospital Digital

Wellness Lab سوشل میڈیا چیلنجز کے موضوع پر نوعمروں کے ساتھ استعمال کے لیے کچھ آئس بریکر فراہم کرتا ہے۔ وہ تجویز کرتے ہیں کہ "اپنے بچے کو بتائیں کہ آپ ان کے لیے ہمیشہ موجود ہیں اور آپ کو ان کی صحت، حفاظت اور تندرستی کو ذہن میں رکھنا ہے۔"

سینٹرز فار ڈیزیز کنٹرول اینڈ پریوینشن (CDC) آپ کے بچوں کو محفوظ رکھنے کے لیے تمام ادویات کے ساتھ کئی اقدامات کرنے کی سفارش کرتا ہے۔ اس میں ادویات کے بارے میں مکالمے کو

اپنے بچے کا اسکرین ٹائم محدود کریں

کھلا رکھنا اور غلط طریقے سے لینے کی صورت میں ان سے ہونے والے نقصانات بھی شامل ہیں۔ نیمورس چلڈرن ہیلتھ فاؤنڈیشن نوجوانوں کے ساتھ معاہدہ کرنے کا مشورہ دیتی ہے، جس سے منشیات کے استعمال کے لیے جوابدہی کی ایک اضافی سطح پیدا ہوتی ہے۔ اس میں یہ شرط رکھی جائے گی کہ بطور والدین آپ اپنے بچوں کے ساتھ ایماندارانہ اور کھلے مکالمے کے لیے موجود ہوں گے، اور آپ سے کوئی سوال نہیں پوچھا جائے گا۔

بچوں اور نوعمروں کے ساتھ بنیادی تھیم ایمانداری ہے۔ سوشل میڈیا کے چیلنجوں سے لاحق خطرات کے بارے میں ان کے ساتھ واضح گفتگو کرنے کا کھلا آپشن باہمی اعتماد کو فروغ دے گا۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ " گھر میں کچھ اسکرین فری ٹائمز اور زون قائم کرنا اچھا ہے، لیکن اہم بات یہ ہے کہ بات چیت کی لائنوں کو کھلا رکھنا اور یہ سمجھنا کہ بچے آن لائن کیا دیکھ رہے ہیں اور اس سے ان کی ذہنی اور جسمانی صحت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے، بے حد ضروری ہے'۔

وائرل سوشل میڈیا چیلنجز بچوں اور نوعمروں کے لیے کمیونٹی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا ایک تفریحی اور پرکشش طریقہ ہوسکتا ہے۔ لیکن کچھ طریقے سراسر خطرناک ہو سکتے ہیں، خاص طور پر وہ جن میں ادویات یا صحت کے لیے خطرات شامل ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ آپ اپنے بچوں کے ساتھ ایماندارانہ واضح مکالمہ کریں تا کہ وہ اور آپ سوشل میڈیا کے خطرات اور نقصانات سے آگاہ رہیں۔
آپ ساتھیوں کے دباؤ جیسے مسائل کے بارے میں بات چیت کر سکتے ہیں اور دوسرے کیا سوچ سکتے ہیں اس کی بنیاد پر فیصلے نہ کریں۔

اپنے بچے کے اسکرین ٹائم کو محدود کرنے کے لیے 10 نکات
سینٹرز فار ڈیزیز کنٹرول اینڈ پریوینشن (CDC) آپ کے بچوں کو محفوظ رکھنے کیلیے تمام ادویات کے ساتھ کئی اقدامات کرنے کی سفارش کرتا ہے۔ اس میں ادویات کے بارے میں مکالمے کو کھلا رکھنا اور اگر غلط طریقے سے لیا گیا تو ان سے ہونے والے نقصانات بھی شامل ہیں۔ نیمورس چلڈرن ہیلتھ فاؤنڈیشن نوجوانوں کے ساتھ ایک معاہدہ کرنے کی تجویز کرتی ہے، جس سے منشیات کے استعمال کے لیے جوابدہی کی اضافی سطح پیدا ہوتی ہے۔ اس میں یہ شرط رکھی جائے گی کہ بطور والدین آپ اپنے بچوں کے ساتھ ایماندارانہ اور کھلے مکالمے کے لیے موجود ہوں گے، کوئی سوال نہیں پوچھا جائے گا۔ بچوں اور نوعمروں کے ساتھ اصل تھیم ایمانداری ہے۔ سوشل میڈیا کے چیلنجوں سے لاحق خطرات کے بارے میں ان کے ساتھ واضح ہونا گفتگو کو کھلا رکھے گا، اور اعتماد کو فروغ دے گا۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ " گھر میں کچھ اسکرین فری ٹائمز اور زون قائم کرنا اچھا ہے، لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ بات چیت کی لائنوں کو کھلا رکھنا اور یہ سمجھنا کہ بچے آن لائن کیا دیکھ رہے ہیں اور اس سے ان کی ذہنی اور جسمانی صحت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے،" ڈاکٹر امین الدین کہتی ہیں۔

(مصنف ٹیلر گروتھ
ایک آزاد مصنف، افسانہ نگار، اور دو چھوٹے بچوں کے والد ہیں، جن کی عمریں پانچ اور تین سال ہیں۔ ان کے افسانے بیگ آف بونز پریس اور کوفن بیل جرنل میں شائع ہوتے ہیں، اور ان کا پہلا ناول زیر اشاعت ہے۔)

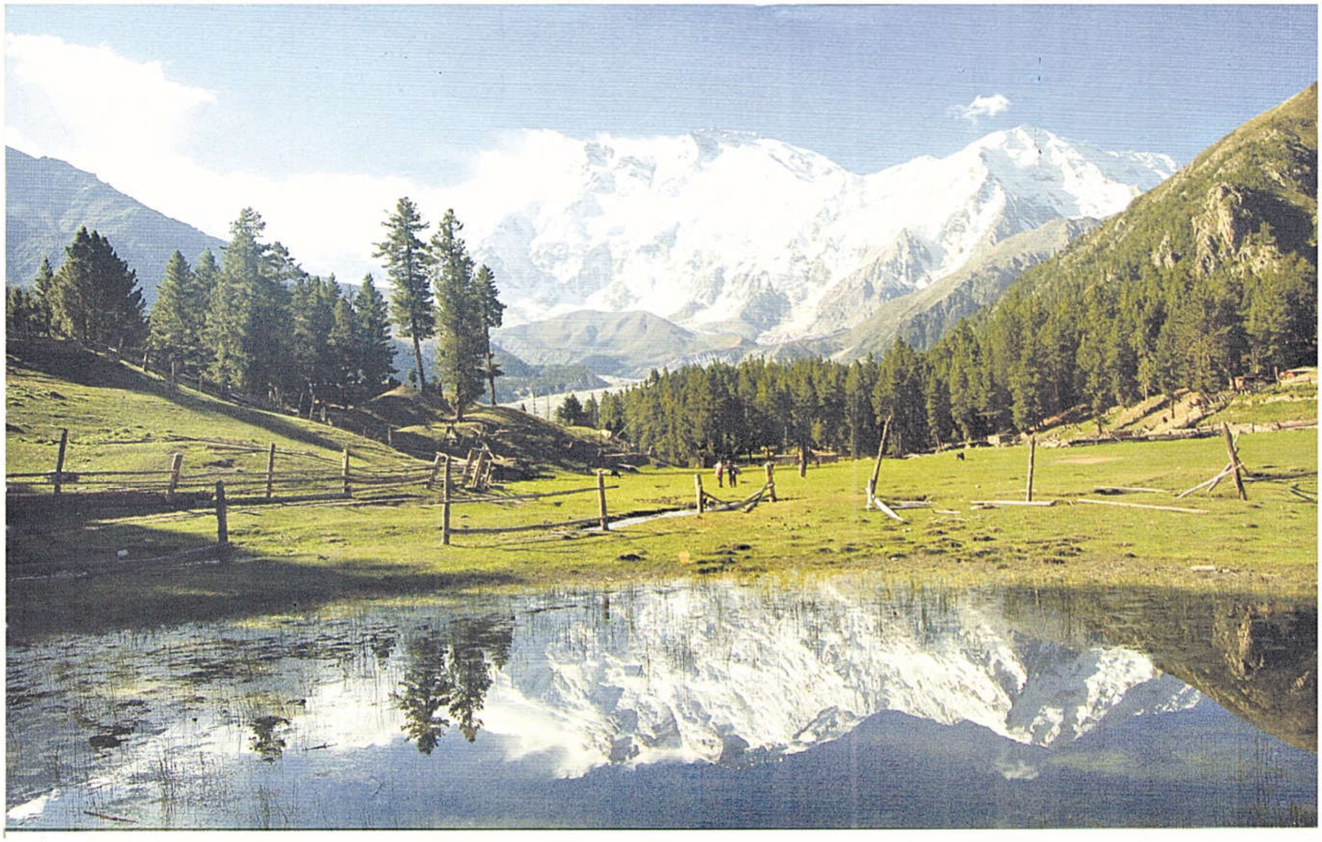

اک چمن ۔ اپنا وطن

Your Country!

ہر موسم کے دن گزارنے کیلئے دنیا کے بہترین مقامات آپکے وطن پاکستان میں ہیں۔ بلتستان، گلگت، چترال، سوات، کاغان، مری، نتھیا گلی، اسکردو، ہنزا اور زیارت، ان قابل دید مقامات میں شامل ہیں۔ یہاں دنیا کی بہترین چوٹیوں اور پر شکوہ گلیشیرز کے درمیان سرسبز وادیاں ہیں اور پھلوں سے لدے ہوئے باغیچے، بلور کی طرح شفاف جھلیں ہیں اور تاریخی یادگاریں۔ ایسے دلفریب مناظر جن کے آگے دنیا کے مانے ہوئے تفریحی مقامات بھی ماند پڑ جائیں۔ پُرسکون موسم، صاف ستھری ہوا، مہمان نواز لوگ، ایسی جگہیں جہاں کرنے کیلئے بہت کچھ ہے کوہ پیمائی کیجئے یا ٹریکنگ اور ہائیکنگ کیجئے۔ گالف اور پولو کے سنسنی خیز کے مقابلے دیکھئے یا تہواروں میں شرکت کیجئے۔ ہاتھوں سے بنے منفرد کپڑے اور دستکاری کی سوغات خریدیئے۔ نت نئے مقامی کھانوں اور تازہ ڈال کے ٹوٹے پھلوں کا مزہ چکھیئے یا پھر شاہراہ قراقرم کی سیر کیجئے اور سولہ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع درہ خنجراب دیکھئے جہاں وقت گزرتے ٹھہر گیا ہے۔ ایسی جنت آپکو اور کہاں ملے گی۔ آیئے! ہم اس جنت کو دکھانے میں آپکی راہنمائی کریں۔

زیب ٹریولز

کراچی ہیڈ آفس: یونی پلازہ، گراؤنڈ فلور، حسرت موہانی روڈ۔

Tel: (92-21) 32411204-32415043-32417054 **Fax:** (92-21) 32424348-32425181.

Email: zeb@cyber.net.pk, **Website :** www.zebtravels.com.pk

لاہور برانچ: 29، پہلی منزل، اللطیف سینٹر، 88/D-1، مین بلیورڈ، گلبرگ 3، لاہور 15-35781314 (92-42) **Tel:**

اسلام آباد برانچ: 44، گراؤنڈ فلور، بیورلی سینٹر، بلیو ایریا، جناح ایونیو۔ 28-2814027 (92-51) **Tel:**

ZEB

Zeb Travels

G.L.67

A place to live, and love, forever
ACTUAL IMAGE
Gulberg
Islamabad
Capital Development Authority
5-7-10 MARLA | 1 KANAL
RESIDENTIAL PLOTS
3-year Payment plans
Golf Course
National Level Stadium
Hospital
HOTEL
International Luxury 5-Star Hotel
Mosques
Universities
Foolproof Security System
Marketed by:
STAR Marketing (Pvt.) Ltd.
Planned & Designed by:
UPDL
Urban Planning & Design (PVT) Ltd.
A Project of
IBECHS
24 HOURS HELPLINE
0300-5704317
0300-5704318
UAN: 111-111-160
0300-5704317
facebook.com/starmarketingpk
www.starmarketingonline.com
ISLAMABAD: Roshan Center, 78-West, 1st Floor, Jinnah Avenue, Blue Area, Islamabad. Ph: 051-2344491-2

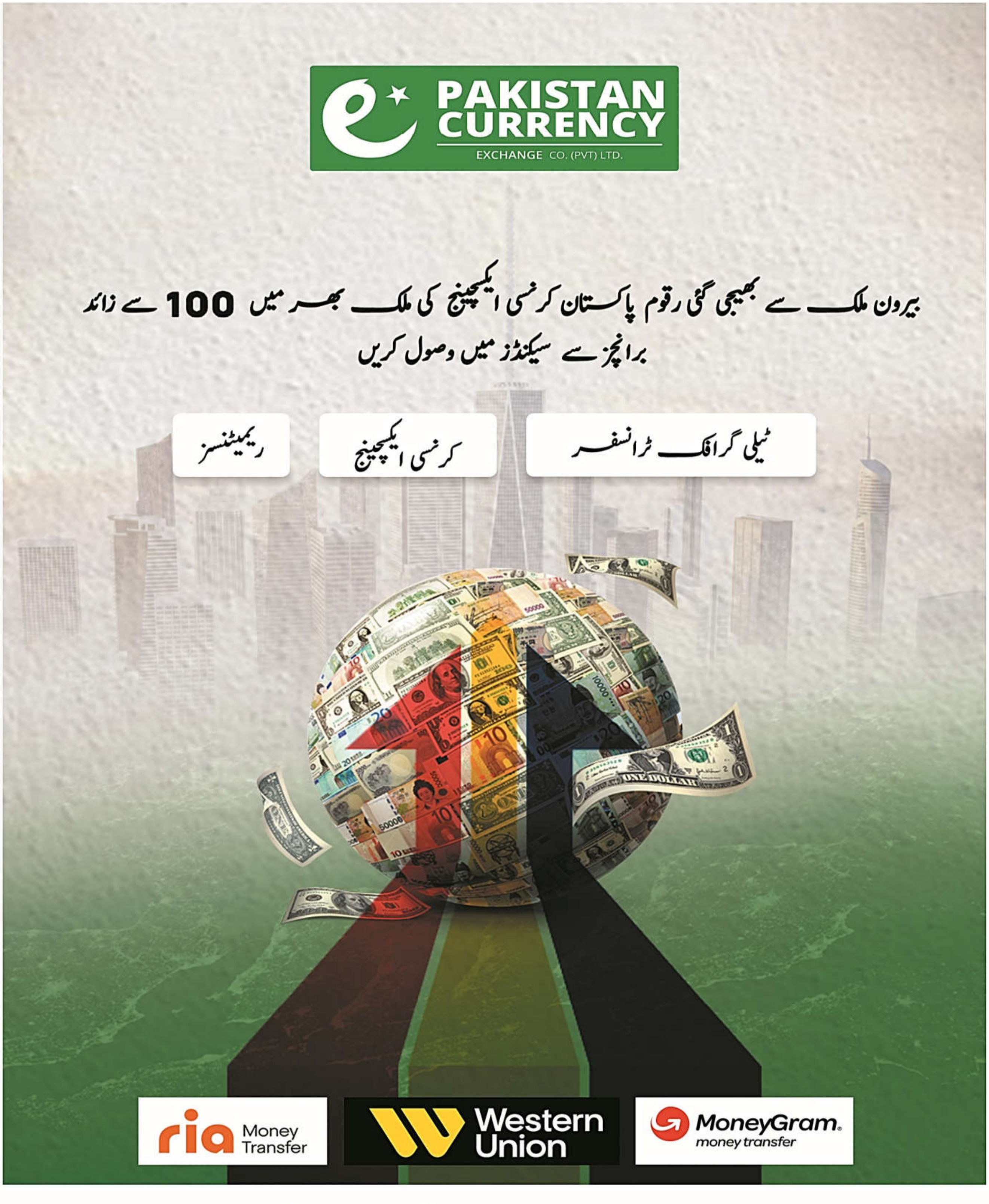

pkcurrency www.pakistancurrency.com 0304-6668810

Thaver & Co.

Trusted Name In Real Estete

We will help you buy or sell property in a profitable manner. With our vast experience in real estate business, our aim is to provide one-window solutions to all the real estate requirements We are real estate consultants, advisors, builders and property dealers. We offer a friendly, professional service covering property and property related matters in Pakistan. People are always complaining about matters related to properties, we assure you the complete solution to all with our expertise advice and consultancy.

1. kulsoom court DC-3, Block-9,KDA Scheme No. 5, Clifton Karachi
Tel: 35361931-33 (3-Lines) Fax: 35871935 Cell:0300-9221757 - 0321-9221757
Email: thaver_co@hotmail.com

پاکستان کی ہر بیٹی لائق تکریم۔ ہر ماں قابل احترام

اعترافِ خدمت اعزاز

کی ہر سال باقاعدہ تقریب انتہائی قابل قدر

پاکستان کی خواتین نے 1947 سے 2024 تک ہر دَور میں پاکستان کا نام روشن کیا ہے۔

'اطراف' کی کوششیں قابل تحسین ہیں

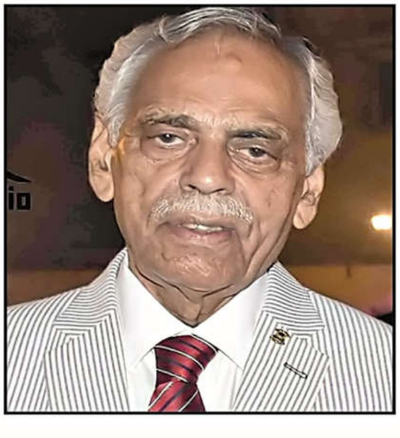

ملک خدا بخش

چیئرمین، ملک گروپ آف کمپنیز

Baig
group
U.A.E. PAKISTAN, MOROCCO

BAIG Group established in 1982. Today the group is a multinational conglomerate operating in Pakistan, UAE, Morocco & UK in diversified commercial and industrial activities ranging from Textiles, Export of Denim Fabric, Power Generation, Digital-Imaging, Real Estate development and capital market.

Head Office: Baig Tower, Plot No. E-6, Floor M, Block-7 & 8, Central Commercial Area, Main Shara-e-Faisal, Karachi - Pakistan. Tel: (+92) 021-34150651-54, Fax: (+92) 021-32566417
Email: info@thebaiggroup.com | www.info@thebaigs.com

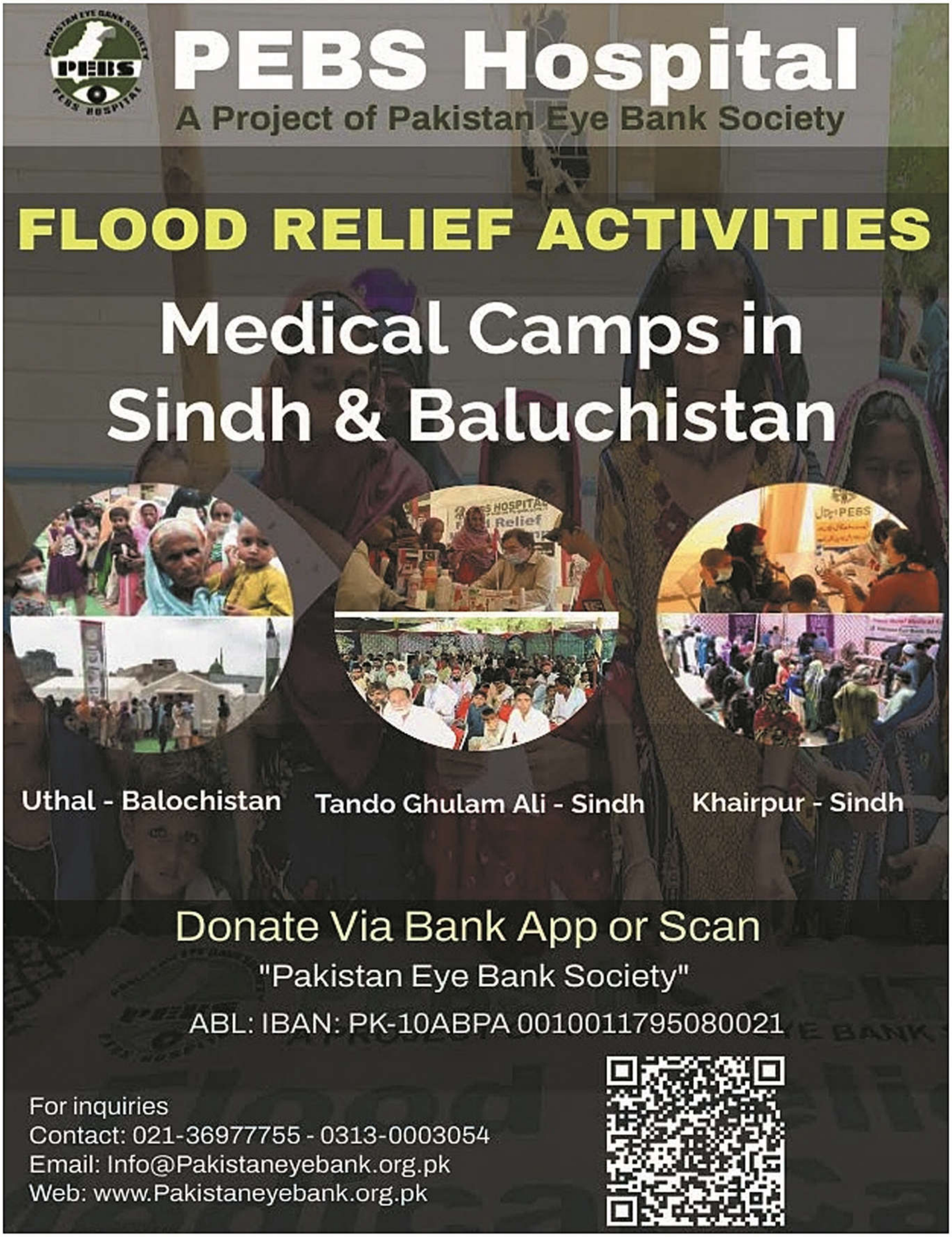
PEBS Hospital
A Project of Pakistan Eye Bank Society
FLOOD RELIEF ACTIVITIES
Medical Camps in Sindh & Baluchistan
Uthal - Balochistan
Tando Ghulam Ali - Sindh
Khairpur - Sindh
Donate Via Bank App or Scan
"Pakistan Eye Bank Society"
ABL: IBAN: PK-10ABPA 0010011795080021
For inquiries
Contact: 021-36977755 - 0313-0003054
Email: Info@Pakistaneyebank.org.pk
Web: www.Pakistaneyebank.org.pk

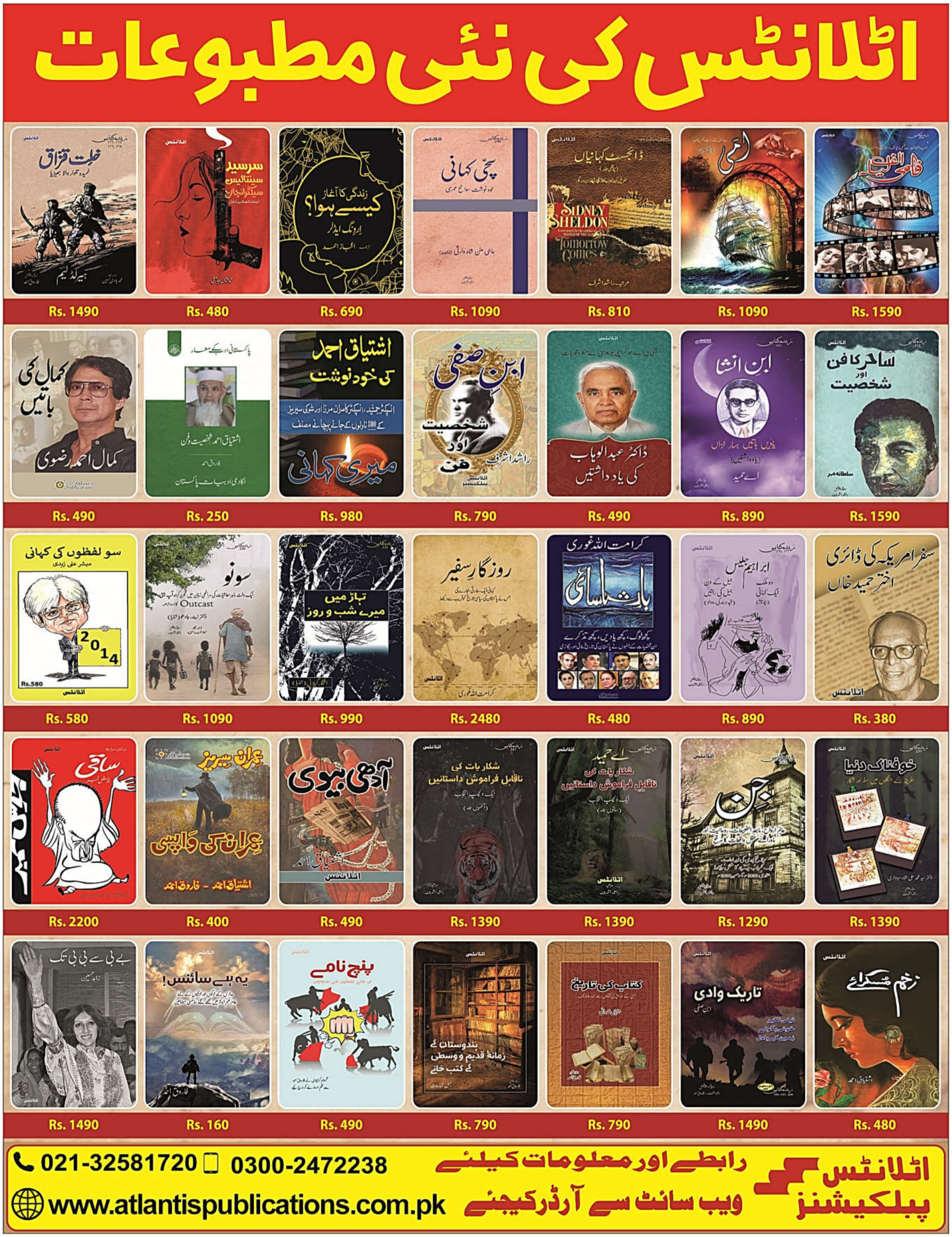

اٹلانٹس کی نئی مطبوعات
Rs. 1490
Rs. 480
Rs. 690
Rs. 1090
Rs. 810
Rs. 1090
Rs. 1590
Rs. 490
Rs. 250
Rs. 980
Rs. 790
Rs. 490
Rs. 890
Rs. 1590
Rs. 580
Rs. 1090
Rs. 990
Rs. 2480
Rs. 480
Rs. 890
Rs. 380
Rs. 2200
Rs. 400
Rs. 490
Rs. 1390
Rs. 1390
Rs. 1290
Rs. 1390
Rs. 1490
Rs. 160
Rs. 490
Rs. 790
Rs. 790
Rs. 1490
Rs. 480
اٹلانٹس پبلکیشنز
رابطے اور معلومات کیلئے
021-32581720
0300-2472238
ویب سائٹ سے آرڈر کیجئے
www.atlantispublications.com.pk

کراچی ووکیشنل ٹریننگ سینٹر

PCP،STEVTA اور NAVTTC سے تصدیق شدہ۔

کے وی ٹی سی خصوصی افراد کے لئے کھیلوں کے جامع پروگرام، مختلف تھراپیز، تعلیمی پروگرام اور پیشہ ورانہ تربیت کے ذریعے ان کی صلاحیتوں کی نشوونما کرتا ہے جو بالآخر ان مستفید افراد کو روزگار کے مواقع فراہم کرتا ہے۔ اب تک بے شمار سابق خصوصی طلباء مختلف شعبوں وصنعتوں میں برسر روزگار ہیں۔

کے وی ٹی سی تمام خدمات بلامعاوضہ فراہم کرتا ہے

Account For Donations
Title: Karachi Vocational Training Centre
Bank: Bank Al-Habib Limited
Acc.#: 5003-0071-001600-01-5
IBAN: PK23 BAHL 5003 0071 0016 0001

Account For Zakat
Title: Karachi Vocational Training Centre
Bank: Bank Al-Habib Limited
Acc.#: 5003-0069-001600-01-1
IBAN: PK32 BAHL 5003 0069 0016 0001

خصوصی افراد کو قابل بنانے میں ہمارا ساتھ دیں

پلاٹ 10 کمرشل ایونیو، نزد امام بارگاہ، فیز 4 ڈی ایچ اے، کراچی۔ فون: 021-35382204

AL MASHWAN TRAVEL AND TOURS
From anywhere to anywhere
in the World
We are just a phone call away
021-34545100
0300 8220435
PLAN YOUR UMRAH NOW
JOURNEY OF THE HEART
PACKAGE INCLUDES
VISA | AIR TICKET | ACCOMODATION | GUIDES | GROUND
TRANSPORT | HISTORICAL SITES TOUR IN MAKKAH MUKARRAMA & MADINAH MUNAWARA
More information call / Whatsapp
BOOK NOW
+92 0300 8220406
+92 0300 8220407
almashwan
Address:
Plot No136 Muslim Colony, Shahrah-e-Faisal Rd, near FTC Building, Block B Sindhi Muslim CHS (SMCHS), karachi, Sindh 75350.

Bridging Extremes Monthly "ATRAAF" Karachi MARCH 2024

Regd No. MC - 1398 ☎ 0300-8210636 ✉ www.Atraafmagazine.com